

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

# تالیخ و مشارح لصوف

مؤلف  
مفتی محمد امجد حسین



اکابر کشفانِ راولپنڈی پبلیشرز

## تالیخ و مشائخ تصوف

مشرقی دنیا کی ساری فضا سو گوار تھی، سارا ماحول غمزدہ تھا، ایک ایک مسلمان دیکھتا تھا، یہ عام ماحول جو اہل تبارک و تعالیٰ نے خطرناکی طور پر بتا تاریخوں کے مطالعہ سے پیدا کر دیا تھا، حضرات مشائخ و صوفیاء، مشن اور راہزادہ کار کے لئے بڑا سازگار و حسب حال تھا، کیونکہ تصوف و سلوک کے سلسلوں میں سالک کے اندر درود دل پیدا کرتا اور اس کا پتہ اتور تا اور غفلت و بے شعوری والی حالت سے نکالنا اہم ترین مرحلہ ہوتا ہے، یہ مرحلہ عمر کر کے ہی سالک کے قلب و روح میں محبت و معرفت کا بیج بویا جاسکتا ہے، اور ایمان و روحانیت کی جوت چمکائی جاسکتی ہے۔

اس لئے لوہا گرم تھا ضرب لگانے کی، یہ تھی ضرب لگانے والے آگے بڑھے اور مس عام کو کندہ بناتے چلے گئے اور یہ کندہ جس بھی کی آج سے بنا تھا وہ تصوف کی بھی تھی، مشائخ عظام کی دلسوزیوں کی آگ تھی اس لئے زمانہ پر ان بھٹیوں کی بھاپ پڑ گئی۔ ان کا فیضان عام ہو گیا، ان کا آواز و مشرق سے مغرب تک بلند ہو گیا۔ ان کی قاتلہاں پر رونق ہو گئیں۔

ان کے فیض یافتگان آتش عہاں بن گئے، حرارت ایمانی شعلہ جوال بن گئی، سید سے سید ملکتا گیا، روئے سے دیا جاتا گیا۔

یہ آگ پھر جنگ کی آگ کی طرح پھیلتی چلی گئی اور وحشی فاضلین اور حاکموں کی دلیہ بھی پار کر گئی۔ جو گوار کے دھڑ کے سوا کوئی بھری نہ جانتے تھے محبت قاتلہ عالم نے ان فاضلین عالم کو کھائیں، دہاں کر کے مثنوی کر دیا۔

اکابر و مجتہدان  
راولپنڈی چست



بہ نائی

حصہ

کتابت خانہ جہاں اکبر ازیم نفع

۱۰  
۱۵/۱۲/۶۳  
۱۴/۱۲/۶۳  
۱۳/۱۲/۶۳  
۱۲/۱۲/۶۳  
۱۱/۱۲/۶۳  
۱۰/۱۲/۶۳  
۹/۱۲/۶۳  
۸/۱۲/۶۳  
۷/۱۲/۶۳  
۶/۱۲/۶۳  
۵/۱۲/۶۳  
۴/۱۲/۶۳  
۳/۱۲/۶۳  
۲/۱۲/۶۳  
۱/۱۲/۶۳  
۰/۱۲/۶۳



# تاریخ و مشائخ تصوف

زمانہ خیر القرون سے لے کر تھکتا تا تار اور اس کے بعد کے ادوار تک  
عہد بہ عہد تصوف کے ادارہ کی سرگزشت اور اس کے خلیفہ و فراز پر تبصرہ  
ہر صدی کے نامور مشائخ تصوف و کتب تصوف کا تذکرہ  
اہل السنۃ والجماعہ کے چاروں سلاسل تصوف کے بانی مشائخ کی سوانح  
اور چاروں سلسلوں کے شجرہائے نسبت  
مولانا روم کی سوانح اور مثنوی روم کا جائزہ اور مثنوی سے منتخب اشعار کی تخریج  
اللہ والوں کی موت و آخرت کے متعلق فکر مندی کے واقعات

مصنف

مفتی محمد امجد حسین

(ہمارے حق میں کون اور غفران مخلوق ہیں)

تاریخ و مشائخ الصوف

نام کتاب:

مفتی محمد امجد حسین

مصنف:

صفر المظفر 1437ھ نومبر 2015ء

طبع و اشاعت:

280

صفحات:

ملنے کے پتے

## انتساب

شیخ و مرشد عارف باللہ حضرت نواب محمد عشرت علی خان قیصر صاحب رحمہ اللہ  
والد محترم لطیف الامت مولانا عبداللطیف صاحب نور اللہ مرقدہ

## کے نام

شیدم کہ در روزہ امید وریم

بدان را بہ نیکان بخشد کریم

## شعر

سپا و تازہ و براگمیزم از ولایت عشق  
 کہ در قلم خطرے از بغاوت فریاد است  
 گماں مبر کہ در در حساب و میزان نیست  
 نگاہ بند و سوسن قیامت فریاد است  
 (شاعر مشرق، مشکوی پس چه بانگ کرد)

## فہرست

صفحہ نمبر

مضامین

۴

۴

21	تاثرات و دعائیہ کلمات مفتی محمد رضوان صاحب دامت فو ضمم
22	تمہید (از مؤلف)
24	حصہ اول (تصوف کی تاریخ، حقیقت اور ماس مظہر مابعدائی صورت گری، بعد کے ادارہ)
25	(باب اول) کائنات میں جاری تکوینی و تشریحی نظام
26	انعام قدرت کے دو تکوینی نکات
27	پہلا نکتہ
27	دوسرا نکتہ
28	ایک اور آفاقی مثال

30	امور تشریف میں اس بخوبی نکتہ کا اطلاق
31	آسم ساہتہ پر ایمانی نظر
31	نبی اسرائیل کی تاریخ کا مضمون
32	ایک قرآنی اصطلاح کی وضاحت
33	حاصل استدلال
34	افراد میں بھی مذکورہ قانون بخوبی کا اجراء
35	(باب دوم) شریعت میں تصوف کا درجہ
38	دین اسلام کی جامعیت و ہمہ گیری
38	امت سے کامل دین اپنانے کا مطالبہ
39	تصوف کے حقائق و طرح کے مقالے
40	ائمہ حقیدت کا مقالہ
40	رہی تصوف سے بزرگ لوگوں کا مقالہ
41	اکبر کا الہیاد اور مجدد الف ثانی کی خدمات
42	(باب سوم) تصوف ایک تہائی اسلام
42	احکام اسلام کی تین بنیادی قسمیں



45	(۱).....عطا کردہ ایمانیات (علم الکلام)
46	(۲).....فقہی احکام
47	(۳).....تزکیہ قلب (تصوف)
49	(باب چہارم) خیر القرون میں تصوف
51	صحابہ و تابعین کا دور
53	صحابہ کرام کا مقام صحبت و صحابیت
55	صحابہ کی مختلف شاخیں اور کمالات
57	خیر القرون میں تصوف کے لئے زہد کی اصطلاح
58	صحابہ کرام کے زہد کے کچھ نمونے
61	(باب پنجم) تصوف عہد بہ عہد
62	صحابہ و تابعین کے بعد کے صوفیائے عظام
63	دوسری تیسری صدی ہجری کی اہم کتب تصوف
63	چوتھی صدی ہجری کی قابل ذکر کتب تصوف

64	پانچویں صدی ہجری کا متصوفانہ لٹریچر
65	امام غزالی اور سلاسل اور بعد کا زمانہ
66	(باب ہشتم) فتنہ تاتار کے بعد تصوف کا فروغ
67	سلاسل اور بعد دیگر معروف سلسلوں کا آغاز
68	ساتویں صدی ہجری کا نہ آ شوب عہد
69	”پاسہاں مل گئے کبھے کو ضم خانے سے“
70	مسلمان ہار گئے، اسلام جیت گیا
71	عذاب الہی کی ایک بدترین شکل
72	کچھ کم نام درویشوں کا تاریخ ساز کردار
73	فتنہ تاتار کے زخم خوردہ دلوں کا مرہم
74	ایک نئی سلطنت اسلام کی گود میں
75	تاتاریوں کو اپنا ہم مذہب بنانے کی عالم گیریم
76	مستشرقین کا اظہار حیرت
77	سلطان محمد خدا بندہ کا قبول اسلام
78	سلطان غازان خان کا قبول اسلام
79	تاتاریوں کی چغتائی شارخ میں اسلام کی اشاعت
80	اسلام کی طہر داری نویت بہ نویت

79	(باب ہفتم) چار معروف سلسلوں کے شجرہائے نسبت
80	حضرات مشائخ چشت اہل بہشت
82	سلسلہ نقشبندیہ کی سنہری کڑیاں
85	سلسلہ قادریہ کا شجرہ نسبت
87	سلسلہ سہروردیہ کا شجرہ طیبہ
89	تصوف کے سلسلے شاخ و در شاخ کیسے ہوئے؟
90	تذکرہ تاجدار کے معاصر مشائخ تصوف
92	تصوف کے چار سلسلے اور جنت کی چار نمبریں
94	حصہ دوم (چاروں سلسلوں کے بانی مشائخ کے سوانح مع تذکرہ چارخ دیلوی، سلطان باہو)
95	(باب اول) حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمہ اللہ
//	نام و نسب
//	ولادت باسعادت
//	وطن مالوف

96	ہند میں دُرود
97	اسلامی تاریخ کا ایک خوشگوار واقعہ
98	روحانی تفسیر اور سیاسی غلبہ ایک ساتھ
99	رائے جھوڑا کے لئے آپ کی بددعا
100	آفتاب اسلام کا کہیں غروب کہیں طلوع
101	آپ کے تیار کردہ رہاں کار
105	ابتدائی حالات اور عملی زندگی کا آغاز
106	گوہر مقصود تک رسائی
108	خرق خلافت
110	اسلامی دنیا کی طویل سیاحت
111	غزنی سے لاہور آہ
112	اجمیر میں آہ
113	اجمیر میں معرکہ تعلیم و فرعون
115	رام دیو کا قبول اسلام
116	خونچہ کی ضرب بکلیسی
117	مہجر وادو کرامت، باہم فرق
118	ساحراں ہند کا بیع ساجر اعظم قبول اسلام
119	ازواج و اولاد
120	آپ کی تصانیف

118	انیس بلا رواج (مجموعہ ملفوظات)
120	اہل حق کا تسلسل ہر زمانے میں
121	شاہانِ وقت کا حضرت خواجہ سے اظہارِ عقیدت
123	حضرت خواجہ کے عقیدت مند مسلمانین
124	سلطان جلال الدین خلجی بادشاہ مالوہ
125	مغلِ اعظم جلال الدین اکبر
126	جہانگیر کی راجپوتوں میں حاضری
127	شاہجہاں کی عقیدت مندی
128	اورنگزیب عالمگیر کی حاضری
129	امیرِ صیبت اللہ خان شاہِ افغانستان کی حاضری
130	دکن و الیاب ریاست کی حاضری
131	انگریز حکام کی حاضری
132	خواجہ کے مواعظ وارشادات
133	وفاتِ حسرت آیت
134	(باب دوم)
135	محبوبِ سبحانی شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ
136	ولادت، نام و نسب اور تعلیم
137	تزکیہ باطن اور مسندِ دعوت وارشاد پر جلوہ افروزی

131	آپ کی کرامات
132	آپ کی مجالس و عطا، اشاعت اسلام کی نرسریاں
133	شیخ کا عہد اور مسلم معاشرے کا اندرونی بگاڑ
134	کیا چمپا ہوتا ہے اہل دل کے سینوں میں؟
135	مواعظ کے کچھ نمونے
137	کتاب غنیۃ الطالبین
139	وقات حسرت آیات
140	(باب سوم) شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی رحمہ اللہ
//	شیخ کا زمانہ
141	شیخ سعدی رحمہ اللہ آپ کے حلقہ اہلوت میں
142	شجرہ طریقت
//	شیخ کا علمی مقام
145	خلفاء و مجازین
146	شیخ کی سیاسی خدمات
147	شیخ الشیوخ کا نامور بھانجا
148	شیخ الشیوخ کی تالیفات علمیہ
//	عوارف المعارف کا تعارف

150	(باب چہارم) خواجہ بہاء الدین نقشبندی رحمہ اللہ
11	مختصر تعارف
151	برصغیر میں سلسلہ نقشبندیہ کا آغاز
152	حضرت مجدد الف ثانی کا نقشبندیہ شجرہ
154	(باب پنجم) حضرت خواجہ نصیر الدین محمود چراغ دہلی رحمہ اللہ
11	ابتدائی حالات
11	کسب فیض باطنی
156	ریاضت و مجاہدات
11	مرشد کی جائگاری
157	تعلیمی معاش
11	رشد و ہدایت
11	چراغ دہلی کی جہت نمیر
158	کاغذی سلسلہ
11	وصال
159	حضرت خواجہ صاحب کے ارشادات و واقعات
163	اشاعت اسلام میں آپ کا اور آپ کے خلفاء کا حصہ

166	(باب ششم)
	حضرت سلطان باہو رحمہ اللہ اور آپ کا عارفانہ کلام
//	وطن، نام و نسب، تعلیم
//	دینی خدمات، ازواج و اولاد
167	ایمان، باہو سے کچھ نمونہ کلام
173	حصہ سوم
	تذکرہ مولا نارومی، عقلیت پرستی کا، بحران اور شکوہ اللہ والوں کے واقعات راہ تصوف کی مغفرتیں
174	(باب اول)
	تذکرہ مولا نارومی کا
//	نام و نسب اور وطن
//	کسب معلوم
175	علمی کمال
176	مولا نارومی کی زندگی کا دوسرا دور
177	عشر تہجیزی کا کچھ مختصر حال
179	عشر تہجیزی کی مولا نارومی سے ملاقات کا حال



183	صلاح الدین زرکوب کی دکان پر
185	شمس تبریزی کا قونیہ میں قیام اور شادی
187	شمس تبریزی کی پراسرار نحوست
187	مثنوی کی تدوین و تالیف
188	”ہشتوازی نے چوں حکایت می کند“
189	مثنوی کا اجماع بیان
192	مثنوی کی چند جمود تاثیر
193	مثنوی کا فنی جائزہ
194	مثنوی کے پہلے شعری تخریج
195	(باب دوم) عقلیت پرستی کا عام دور دورہ اور مثنوی
197	”ہمانیہ گم کے پہاڑی تمام“
199	معتزل کی تحریک اعتزال کا آغاز
201	معتزل کا غلو و بے اعتدالی
202	اہل سنت کے امام اہل سنت شیخ اشعری کا دور
202	معتزل کا ردِ اہل اور اہل سنت (اشاعرہ) کا عروج
203	اشاعرہ کا چوتھی سے ساتویں صدی تک کا زمانہ
203	مدرسہ نظامیہ بغداد و غنی شاہ پور

204	اشعارِ عرب کے چند معروف ائمہ وقت اور شاعرین
205	ہر کمالے راژدالے
206	ایمان قلبی یقین سے وجود پاتا ہے
207	مثنوی کا پیغام آج بھی تر و تازہ ہے
208	فلسفہ و کلام کی درماندگی
209	ما بعد الطبعیاتی حقائق تک رسائی کا ذریعہ صرف وحی
210	غیبی حقائق اور عقلی منطقی مباحث
211	منطق و کلام و دماغ کو خدا فراہم کرتے ہیں دلی کو نہیں
212	مثنوی کے بنیادی موضوعات و مباحث
213	محبت کی اقسام
214	محبت کے درجات
215	پہلے بجا دہ پھر مشاہدہ
216	اقل مشاہدہ کے مقامات
217	(باب سوم)
219	مثنوی کے منتخب اشعار مع تشریح
220	عقلیت و ظاہر پرستی پر نقد و جرح
221	حواس ظاہرہ اور عقل کی حد پر واز
222	ضمیمات اور ما بعد الطبعیات کا ذریعہ اور اک وحی الہیہ ہے

224	مصلح مہیوات کی جانچ کا پیمانہ نہیں بن سکتا
225	باطنی و جہان یا نور باطن کی قدر و قیمت
228	مصلح حیوانی اور مصلح ایمانی
229	مادیات کے تجربہ و مشاہدہ کا دائرہ کار
231	”خرد ابھی ہوئی رنگ دیو میں ہے“
233	مادی اشیاء کا اصل جوہر بھی ان میں مخفی غیر مادی امر ہے
234	مصلح حیوانی اپنی اوقات میں رہے
235	چند فطری سوالات اور مصلح کا ان سے نگر محض
236	مصلح حیوانی کے حاملین کا تجلہ مرکب
237	مصلح خدا داد سے روشن ہے زمانہ
239	فلسفی کو بحث میں خدا ملتا نہیں
241	مصلح حیوانی اور مصلح ایمانی کی کارگزاریوں کا موازنہ
245	وہ شاد و وہ جہاں جس دل میں آئے ہے
246	اپنے من میں ڈوب کر.....
247	طبع، مصلح اور شرع، فرق مراتب
248	محبت سے دلوں کی حیات ہے
249	محبت خارج عالم

253	(باب چہارم) اللہ والوں کے اثر انگیز واقعات و ارشادات
"	دنیا سے دل نہ لگانا
255	حضرت امین اسحاق کے ارشادات
256	بشر حافی کی نصائح
"	حاتم اسم
"	ربیع بن ہشام کا ایک واقعہ
257	مالک بن دینار
"	سفیان ثوری کا حال
"	حماد بن زید کی عاجزی
258	حاتم بن عبد الجلیل کا عجیب طریقہ
"	قیامت کے مناظر
260	حسن بن صالح کا خوف و خشیت
"	داؤد طائی اور ربیع پر غشی طاری ہونا
261	فضیل بن میاض کے بیٹے کی فکر آخرت
"	حسن بصری کا تہرہ
262	سلمان فارسی کا طلبہ حال
"	مرض و بیماری میں اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع و انابت

263	حسان بن سنان کا واقعہ
11	ربیع بن خثیم کا ایک اور واقعہ
11	عمر بن عبدالعزیز اور خوفِ خدا
264	ابوبکر بن عباس کی ایمانی متیت
11	ثاواقف ہوں منزل سے
11	ایک نکتہ
265	کتاب وسعت کی اتباع کی اہمیت
266	اپنا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کرنا
11	علم و عمل میں اخلاص
267	خوارجہ حسن بصری کی باتیں
11	مناظرت کو چھوڑنا اور اس سے بچنا
268	غیرتِ اسلامی
269	گھروالوں سے حسن سلوک
11	تہجد پر مداومت و محنت
271	علامہ اقبال اور حبِ زندہ داری
272	(ضمیمہ) راہِ تصوف کی لغزشیں اور ان کا حل
273	خانہ تلاشی اسرہ جنگ پناہ گزین (Searching Point)

276	<p>”ختمہ مک“</p> <p>اپنے بزرگوں کی وفات پر منظوم تاثرات</p>
//	کفن کس پھول کا دیں اس سراپا ناز کو یارو (حضرت نواب قیصر صاحب کامریہ)
277	پھر وہ رنجِ سربانجام کے عقیقی کے سطر پہ گئے (بابائی مرحوم کامریہ)
278	ولاء الشیخ (استاذ محترم شاخ الحدیث حضرت قاری سعید الرحمن رحمانی کی جدائی پر)
279	چار آنسو بر مزارِ نانا مرحوم، مولانا جمود خان صاحب
280	قطراتِ اشک (حضرت ڈاکٹر نور احمد خان صاحب کامریہ)
//	اشعارِ مدحت در شانِ عشرت

یہ وہی تصویرِ زمانہ کا امامِ برحق

جو تجھے حاضر و موجود ہے بیزوا کرتہ

موت کے آنیے میں دکھا کر رخِ دوست

زندگی نیرے لئے اور بھی دشوار کرتہ

دے کے احساسِ زمانِ تیرا لبو گر مادہ

فقر کی سان چڑھا کر تجھے تلوار کرتہ

## تاثرات و دعائے کلمات

مفتی محمد رضوان صاحب دامت فو ضہم

(مدیر: ادارہ غفران، راولپنڈی)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مفتی محمد امجد حسین صاحب سلمہ اللہ نے تصوف اور مشائخ تصوف سے متعلق مختلف اوقات میں مضامین تحریر کئے، اور ماہنامہ ”التبلیغ“ میں بھی شائع ہوئے، جن کو بعض احباب کی خواہش پر کتابی صورت میں نظر ثانی کے بعد شائع کیا جا رہا ہے۔

تصوف کی تاریخ اور مشائخ تصوف کے حالات کے متعلق یہ کوئی مفصل و مستقل کتاب تو نہیں ہے، البتہ اس موضوع پر کافی حد تک معلومات اور معروف تصوف کی معرفت حاصل کرنے والوں کے لئے ایک مفید مجموعہ ہے۔

تاہم تصوف کے راستہ سے بے شمار بدعات و منکرات نے بھی جنم لیا ہے، اور اس موضوع کا سہارا حاصل کر کے حلقوں کی گمراہی کا ایک طوفان برپا کیا گیا ہے، جس پر ضمناً اس مجموعہ میں کلام کیا گیا ہے، لیکن اس موضوع پر قرآن و سنت کی معتبر تصوف کی روشنی میں مستقل کام کرنے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کے مسنون تذکیہ کو اُجاگر کرنے کی ضرورت ہے، کیونکہ موجودہ دور میں اہل بدعت کے علاوہ، اہل السنۃ والجماعہ کی طرف منسوب متعدد طبقات میں بھی منکرات کی جھلک نظر آنے لگی ہے، جس سے آگاہ رہنے کی ضرورت ہے، بندہ کی نگاہی پر اس کتاب میں مذکور بعض مضامین کی جزوی اصلاح بھی کی گئی ہے۔

دعاء ہے کہ اللہ تعالیٰ اس مجموعہ کو مفید اور اصلاح حقیقی کا ذریعہ بنائے۔ آمین۔

فقط۔ محمد رضوان۔ ۲۵/ شعبان/ ۱۴۳۶ھ / ۱۳/ جون/ ۲۰۱۵ء۔ بروز ہفتہ

ادارہ غفران، راولپنڈی، پاکستان

بسم اللہ الرحمن الرحیم

## تمہید

(از مؤلف)

جامعہ اومصلح و مسلماً، تصوف کا شعبہ دین اسلام کے ایک تہائی حصہ کا ترجمان اور اس کا پاسان و پشتیبان ہے، جیسا کہ حدیث جبریل میں حضرت جبریل علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ہمارے آقا حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے تین چیزوں کے بارے میں سوال کیا تھا۔ کہ اے اللہ کے رسول! ایمان کیا ہے؟ اسلام کیا ہے؟ اور احسان کیا ہے؟ یہی تین چیزیں پورے دین سے عبارت ہیں۔ ایمان میں عقائد و ایمانیات آگئے، اسلام میں تمام احکام اسلام جو ظاہر بدن سے سرانجام پاتے ہیں وہ آگئے، اور احسان میں دل کے اعمال یعنی اخلاقی حمیدہ و اخلاقی مذلیلہ آگئے کہ اخلاقی حمیدہ سے دل و نفس آراستہ اور اخلاقی مذلیلہ سے دل پاک و صاف ہو جائے۔ اسی احسان کا دوسرا نام تصوف ہے۔

آج باقی دین و دنیا کے شعبوں کی طرح احسان و تزکیہ اور اصلاح نفوس کے اس شعبے پر بھی زوال و انحطاط کا عالم طاری ہے۔ زبان اقبال

زائوں کے تصرف میں ہیں عقابوں کے نقشیں

زیر نظر کتاب تصوف و احسان کے معلق میرے ان مضامین کا مجموعہ ہے جو 2006ء کے دوران مختلف مواقع پر میں نے ماہنامہ تبلیغ کے مستقل سلسلہ ”تذکرہ اولیاء“ کے لئے لکھے۔ اس میں ایک حصہ تصوف کی تاریخ و پس منظر پر مشتمل ہے، ایک حصہ تصوف کے چاروں سلسلوں کے بانی مشائخ اور بعض دیگر مشائخ و صوفیاء کی سوانح پر مشتمل ہے، ایک مستقل حصہ مولانا روم کے سوانح اور ان کی مثنوی کے تعارف اور تفہیل پر مشتمل ہے، ایک حصہ مثنوی مولانا روم کے کچھ اشعار منتخب کر کے ان کی تفسیر و وضاحت پر مشتمل ہے۔



اور کچھ اللہ والوں کے اثر انگیز واقعات ہیں، آخر میں ایک ضمیر ہے، اور اپنے بزرگوں کی جدائی پر ایک خاتمہ بندہ کے منکوم کلام پر مشتمل ہے۔

بعض اصحاب کا عرصہ سے تکانہ تھا کہ یہ مضامین کافی مفید ہیں، کتابی شکل میں شائع ہونے چاہئیں۔ اس لئے ان مضامین کی نظر ثانی اور تک و اضافہ کے بعد اشاعت ہو رہی ہے، ہمارے شیخ حضرت مفتی محمد رضوان دامت برکاتہم نے ان مضامین کی ایک حد تک اصلاح بھی فرمائی، اور غرض نامہ لکھا ہے، اللہ توفیق دے کہ آئندہ اس موضوع پر مزید محققانہ کام شرعی اصولوں اور نصوص کے خاطر میں ہو، اس وقت تک وضو کے متبادل تحیم کے درجہ میں اس کتابچہ کو سمجھا جائے، یہ اشاعت تو اس کا نقش اولین ہے اور مشہور ہے کہ:

نقاش نقش ثانی بہتر کشف زاول

میں اللہ سے دعا کرتا ہوں کہ اس ثانی پھوٹی طبعی و دینی خدمت کو قبول فرما کر اس کا اجر میرے مشائخ، مرحوم والد اور بطور خاص میری باحیات عمر رسیدہ والدہ کو عطا فرمائے کہ والد مرحوم کے بعد زمانہ کی حیز و صوب میں میری ماں میرے سر کا سائبان ہے، بوڑھا درخت پھل نہیں دیتا سایدیتا ہے اور والدین کا سایا ایسی چھاؤں ہے جس کا کوئی بدل نہیں۔ آمین۔

محمد امجد حسین

11 / صفر / 1437ھ 24 / نومبر / 2015ء بروز منگل

ادارہ غفران، راولپنڈی، پاکستان

# حصہ اول

تصوف کی تاریخ، حقیقت اور پس منظر  
ابتدائی صورت گری، بعد کے ادوار

## (باب اول)

## کائنات میں جاری تکوینی و تشریحی نظام

## نظام قدرت کے دو تکوینی نکات

اس کائنات میں اور اس کے تکوینی و تشریحی نظاموں میں اللہ تعالیٰ کی جو حکمتیں کام کر رہی ہیں ان کی حقیقت تک کون پہنچ سکتا ہے؟

اہل حق کا مسلک تو اس باب میں بڑا بن حافظ شیرازی رحمہ اللہ یہ ہے۔۔

حدیث مطرب دے گوہ را از زمانہ کثر جو کہ گمن نہ کفہ و نہ کشاکش حکمت ایں محمد اے  
اللہ تعالیٰ کی حکمت بالغہ پر مبنی نظام برایت میں سے دو نکاتے بار بار بندہ کے دامن دل کو اپنی  
جانب کھینچ کھینچ لیتے ہیں۔ ج

کرشمہ دامن دل بی کفہ کہ چاہتا است ج

## پہلا نکتہ

ایک نکتہ تکوین و تشریح کے بہت سے سلسلوں کا چار کے عدد میں توافقی و تقابلی ہے، مثلاً فرشتوں کی جنس میں سب سے بڑے فرشتے جو تکوین و تشریح کے بنیادی نظاموں کے مدارالہام اور ختم ہیں چار ہیں:

حضرت جبرائیل علیہ السلام، حضرت میکائیل علیہ السلام، حضرت عزرائیل علیہ

۱۔ بارہواہم و مہدی بات کہ در لکھنوی طبع کردمان کی کہ کتابیں کے پکار میں نہ پڑ کر کوئی عقل و فکر کے لئے ہے  
موسم میں کر سکا۔

ج من کرشمہ دامن دل کو اپنی جانب جھوکتا ہے کہ جائے نگاہ ہے تو نہیں بچا ہے۔

اسلام، حضرت اسرار المل علیہ السلام۔

مشہور مقدس آسمانی الہامی کتابیں چار ہیں:

تورات، زبور، انجیل اور قرآن مجید

نبی کریم ﷺ کے خلفائے راشدین چار ہیں:

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان غنی

رضی اللہ عنہ، حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ۔

عالم کبیر یعنی کائنات کے بنیادی عناصر چار ہیں:

پانی، مٹی، ہوا اور آگ ۱

یہ تو عالم اکبر کے بنیادی عناصر ہیں۔

عالم صغیر یعنی انسان (یا دیگر حیوان) میں دیکھیں تو اخلاط کی تعداد چار ہے:

خون، صفراء، سودا، بلغم

اسی طرح مفرد مرکب کیفیات بھی چار ہیں، مفرد یہ چار ہیں:

گرم، سرد، خشک، تر

اور مرکب یہ چار ہیں:

گرم تر، گرم خشک، سرد تر، سرد خشک

اسی طرح بالعموم دنیا کے موسم چار ہیں:

بہار، خزاں، سرما، گرما

اسی طرح کچھ اور چیزیں بھی ہیں، ہدایت کے نظام میں خلفاء راشدین کے علاوہ مزید دیکھیں

قواعد حق کے معروف و متداول فقہی مذاہب چار ہیں:

۱۔ سیدنا سائیں نے ماضی کی تعداد 100 ہاں سے ابھی بڑھادی ہے تو وہ مٹی، لہجہ، زمین کی جنس سے ہی تحلیل و تجزیہ کر کے کثکث عناصر جوڑ چکے ہیں۔ ابوا کے ہم جنس یعنی کثکث گنیمیں جن اس لئے ہوا اور مٹی کے موسم میں ہی داخل و شامل ہیں۔ اچھا۔

حقی، مابکی، شافعی اور حنبلی

اور فقہ باطن یعنی تصوف و سلوک کے معروف و متداول سلسلے بھی چار ہیں:

چشتیہ، قادریہ، سہروردیہ، نقشبندیہ

حالانکہ فقہ و تصوف دونوں میدانوں میں بیسیوں بڑے بڑے امام گذرے ہیں جو مستقل سلسلوں کے بانی ہوئے اور جن کے سلسلے ایک عرصہ تک چلے اور پھلے پھولے بھی، لیکن آخر الامر امت کی غالب اکثریت میں دونوں دھاروں میں چار چار سلسلوں کو ہی زیادہ مقبولیت و شہرت حاصل ہوئی۔

## دوسرا نکتہ

دوسرا نکتہ جو آیت

ثُمَّ يُؤْتِمُ فَهُوَ لَیْسَ ضَالًّا (سورۃ الرحمن آیت نمبر ۲۹)

(یعنی ہر آن اور زمانہ میں اس اللہ کی ایک نئی شان ظاہر ہوتی ہے)

کے تفسیر میں ہے کہ کسی خاص زمانے میں اللہ تعالیٰ عالم خلق یا عالم امر میں کسی خاص نقشے کو ظاہر فرماتے ہیں اور پھر اسے اتمام و تکمیل تک پہنچا دیتے ہیں، یہ سارا عمل ایک تدریج، تنظیم و ترتیب کے ساتھ اس طرح انجام پاتا ہے کہ اس زمانے کے حالات، فضا و زمین کی ساری سرگرمیاں اسی نقشے کے گرد گھومنے لگتی ہیں اور اسی کو پروان چڑھانے کے کام میں مصروف جاتی ہیں، عالم خلق میں تو قدم قدم پر اس کی مثالیں ملتی ہیں اور ہر خاص و عام پر واضح ہیں اگر کوئی اسے اس نظر سے نہ دیکھے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی اس خاص صنعت گری کی عکاسی کرتی نظر آئے تو یہ نظر کا قصور ہے مثلاً برسات ایک موسم ہے جب یہ زمانہ آتا ہے تو وہی زمین جو سخت ہو جانے میں پتھر کی تنگی کو مات دے رہی تھی اور ایک سبز تنقہ لگانے کی بھی رد و ادرا نہیں تھی اس میں روئیدگی کی صلاحیت دیکھتے ہی دیکھتے ایسی مستزاد ہو جاتی ہے کہ وہ ہریالی کے لگانے کے

لئے بے تاب ہو جاتی ہے اور اس کے ہموار و اعلیٰ سب جیسے پہلے پڑتے ہیں، نباتات قوتِ نمو سے بھر بھر جاتے ہیں، ایر و باراں بھیجنے والا رب جب آسمان سے میند کی تھڑکیوں کا منہ کھولتا ہے تو یہ مہدِ حیات مابین طہور زمین پر زرخشاں ہو کر اسے اپنے مہو بہ فیضان سے نہال کر دیتا ہے، گھاس، چارہ، پھول پھل، گل بوئے، فصل اناج، غلے، ترکاریاں، سبز گیہی کو شرباری سے پودھل کر دیتی ہیں۔ رنگارنگ سبز، لہلہاتی کھیتیاں، اور اٹھاتی ہریاں سنگ ہوئی زمین کو سبز پوشاک پہنا کر اور رنگارنگ در و اماؤں کا کمر و پٹو (نئی نوپنی دلہن) کا باغیچہ فراہم کر دیتی ہیں اور چشمِ عالم کو دوستِ نظارہ دیتی ہیں، مزار اس منظر کو ان آیات کے تقاضا میں دیکھا جائے:

أَنصَبْنَا الْمَاءَ صَبًّا. ثُمَّ خَفَفْنَا الْأَرْضَ خِفًّا. فَانْبَثَتْ فِيهَا حَبًّا. وَجَبْنَا  
وَالْقُصْبًا. وَزَيَّنَّا نَازِلًا وَنَخْلًا. وَخَذَلْنَاهُ غُلًّا. وَلَهَا بَهْجَةٌ وَأَنْبَا مُنَا عَالِكُمْ  
وَلَا نُنَاقِيكُمْ (سورہ ص ۳۲-۳۵)

ترجمہ: ہم نے پانی برسا یا اوپر سے موسلا دھار، پھر پھاڑا زمین کو چیر کر، پھر اُگائے اس میں اناج، غلے اور انگور اور ترکاریاں اور زیتون اور کھجوریں، اور گھنے باغات، اور میوے اور گھاس چارہ، فائدہ کے لئے تمہارے اور تمہارے مومنینوں کے۔

## ایک اور آفاقی مثال

ایک اور مثال جو کہ آفاقی بھی ہے اور روزمرہ مشاہدہ میں آتی ہے ہر صبح مشرق کے افق سے آفتاب عالمِ کاب کا طلوع ہے کہ ہر صبح نورِ حق کے چہ ندو پر نور اور وحش و طہور آفتاب کی آمد سے پہلے ہی اس کے اچھی و اچھڑ رہتی ہیں کہ اس کی آمد آمد کی خبر سناتے ہیں اور ٹپٹی ٹپٹی ڈال ڈال دینے کر نقل مچاتے ہیں۔ ۱

۱۔ اور زبانِ مالِ نیک کے حواصی کا گھمڑتے ہیں کہ ۔

دلو کہ گش و سوزِ نوا  
خدا کو کہ داور و سہا

اس شور و غل سے ہی رات کی گھٹا ٹوپ تاریکیوں کے اوسان خطا ہونے لگتے ہیں اور افق کی لالی ابھی کڑوا آفتاب کو اپنے خونِ جگر سے غسلِ آفتابی ہی دے رہی ہوتی ہے کہ شبِ غلّت کی تاریکیوں اور اندھیروں کا دمِ دایمیں ہو چکتا ہے، اندھیارے کچھ ایسے حواسِ باختہ ہو کر بھاگتے ہیں کہ انہیں نہ چھپانے کی جگہ بھی بھرنے نہیں آتی:

”وَأَشْرَقَتِ الْأَرْضُ بِنُورِ رَبِّهَا“

اور بڑا ہلکا حال یہ کہتے جاتے ہیں ع

مارا دیا بغیر میں مجھ کو وطن سے دور

حالانکہ یہی اندھیرے تھے کہ ابھی کچھ دیر پہلے تیرہ دہائے شب کے آخری لمحات تک چاند اپنی چاندنی کی ساری پونجی لٹا کر بھی انہیں شمس سے مس نہ کر سکا، اپنی کرنوں کے ذولِ بھر بھر کر روشنی کی بچا سی زمین پر اٹھ بھٹا رہا، لیکن اندھیروں کی دیرِ جہنم کا سامنا کرتے ہی اس کی اپنی روشنی سسکنے اور غمخیز لگتی۔ ع

بے کاراے غلکِ اہبِ مہتاب بھی ہوتی

ستارے جھک جھک کر تھلا اٹھے، اور راہِ بھٹکے مسافروں اور صحرا نورد قافلوں اور بادِ سیاہ کاروانوں کو نشانِ منزل کا پتہ بتاتا کر تھک گئے، لیکن شبِ دیبجور کی زلیب پر بیٹاں کا ذرا بھی بچہ و دم نہ نکال سکے، ویرانے میں زلیبِ مرتاض کی مٹھلِ شب کا ہم نشین ٹھنڈا چراغِ رہبانی اندھیروں کے آگے روتا، جان کھوتا، گھٹتا اور پتھلا رہا اور پردانے پردانہ دارِ آ کر اس کے حرمِ الفت میں خود سوزی کر کے جانیں نچھاور کرتے رہے، اور اس قربانِ کامِ محبت کے جھینٹ چڑھ کر فداکاری و جاں سپاری کی خونین داستانیں رقم کرتے رہے، لیکن اندھیرے ہیں کہ شمس سے مس نہ ہوئے۔ ع

شیخ کا گھٹنا، پردانے کا جھٹنا ستاروں کا ٹوٹنا ہزاروں مرتلے ہیں صبح کے ہنگام سے پہلے

## امور تشریع میں اس نگوینی نکتہ کا انطباق

کچھ جہی ماجرا عالم امر میں ہدایت و ضلالت اور نور و ظلمات کے دورانیوں اور سرطوں کا بھی ہے، انسانیت کفر و شرک ظلم و ظغیان میں سر تا سر ڈوبی ہوتی ہے۔

جزوی طور پر اصلاح احوال کے لئے وقتاً فوقتاً بخیرے طبقے اور انفرادی اصلاح و طہار کا علم بلند کر کے اپنے اپنے طور پر میدان میں اترتے ہیں، چونکہ وہ خود آسانی ہدایت سے بالعموم محروم ہوتے ہیں اور خالق کی صحیح معرفت سے بیگانہ اور خالق و مخلوق کے درست تعلق سے نا آشنا ہوتے ہیں، اس لئے معاملہ ایک محدود جزوی اصلاح تک ہی رہتا ہے، کیونکہ نکاح ہرے کہ بگاڑ کے ہمہ جہت دھماکوں کا رخ ریت کے گھر وندے کھڑے کر کے تو نہیں موڑا جاسکتا۔ ۱۔ جس طرح رات کے اندھیروں کو شب مہتاب اور تاروں بھرا آسمان زائل نہیں کر سکتا۔

وقت کا ایک نئی آتا ہے وہ گمراہی کی دلدل میں پھنسی ہوئی جاں بلب انسانیت کو وحی الہی سے تجویز شدہ نسخہ کیا استعمال کرتا ہے تو ہدایت کی محتلاشی سعید رو جس نئی زندگی پالیتی ہیں اور حیات جاوداں کی راہ پر گامزن ہو جاتی ہیں اور باتوں پر حق واضح ہو کر تمام جہت ہو جاتا ہے پھر وہ صحت و صحتی اور سرشتی سے باز نہ آئیں تو ایک صحیحہ مدت تک مہلت کے بعد زمین کو ان کے نامبارک وجود سے پاک کر دیا جاتا ہے یا ہی طرح نسل در نسل ہوتا آیا ہے۔

## اُمم سابقہ پر اجمالی نظر

ہدایت و ضلالت کا اپنے اپنے وقت پر آنے اور چھانے کا یہ سلسلہ بہت پرانا ہے، گزشتہ احوال میں

۱۔ انسانی تاریخ میں اس کے سوائے فلاسفہ، حکماء، معطلمیں بعض ایک طہارت و پائا ہوں، معطلمیں اطلاق، شعراء اور اصلاح کی طہر راتر نکوں اور عاصم کی صورت میں ظہر آتے ہیں جن کی اسلام سے پہلے کی تاریخ میں بہت سی مثالیں ملتی ہیں مثلاً فلاسفہ و حکماء نے یونان میں سترائلا، افلاطون، ارسطو و دیگر جاس و غیرہ معطلمین و دانشمندیوں میں انسانی سوانح و ہمارا ہر ایک انور و شیریں داس عادل و غیرہ۔ ۲۔



سے بنی اسرائیل کے حالات چونکہ نسبتاً زیادہ واضح ہیں اور چونکہ ہم بیان کر رہے ہیں اس کی جھلک ان کے سلسلہ رسالت اور دین و ملت میں کافی نمایاں ہے اس لئے اس کا کچھ تذکرہ لکھ کر، پھر ہم اسلامی دور کی طرف متوجہ ہونگے، اور آقائے نامدار حضور رسالتاً و نبیاً کی آفاقی نبوت کے کمالات و برکات اور ملت مرحومہ صلب مسلمہ کی اسلام کے فیوضات کو اخذ کر کے جو ملامتیں اور ثمرات، ہدایت کے مختلف شعبوں میں تاریخ اسلامی کے مختلف ادوار میں ظاہر ہوئیں خصوصاً تصوف کے حوالے سے ان شاء اللہ ان کا ذکر کریں گے۔

## بنی اسرائیل کی تاریخ سے نمونہ

بنی اسرائیل کی تاریخ اور ان کے ابتدائی حالات کا قرآن مجید اور خود اسرائیلی ماخذ سے جو نقشہ سامنے آتا ہے، اس میں ہم دیکھتے ہیں کہ قدیم مصر ایک زبردست تہذیب و تمدن کا گہوارہ تھا، فرعون کے مختلف خاندان صدیوں یہاں کامیابی سے حکومت کرتے رہے، ان کی مستحکم و پائیدار سلطنتیں تھیں جن میں ضعف و کمزوری کے دور دور تک آثار نہیں تھے، پہلے ان کے جو بھی اخلاقی و مذہبی حالات تھے اس کی تفصیل میں جائے بغیر یہ دیکھا جائے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بعثت سے پہلے ایک عرصہ سے یہ سلطنت کیا حیثیت اختیار کر چکی تھی اور کیا رنگ و روپ و حال پچھلی تھی؟ فرعون طاقت کے گھمنڈ اور مادی وسائل و اسباب کی فراوانی کی ترنگ میں آ کر خدائی کا دعویدار بن بیٹھا تھا اس کی قبلی قوم تہذیب و تمدن اور طاقت و سطوت کے نشے میں مبتلا ہو کر تکبر و تراست کی شکار تھی اور زبردست و کمزور قوموں پر (جن میں سبھی قوم یعنی بنی اسرائیل سرنہرست تھی) جبر و قہر ڈھانے میں فرعون وقت کی ہموار تھی، قرآن مجید نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بعثت سے پہلے اور آپ کی بعثت کے بعد ان کے جن جن مظالم اور ظغیان و سرکشی کے سیاہ کارناموں کی خبر دی ہے اور بنی اسرائیل کی مظلومیت اور موسیٰ علیہ السلام کی طرف ان کا رجوع اور شکایت اور موسیٰ علیہ السلام کا ان

کو تسلی دینا اور صبر و عبادتِ قدیمی کی تلقین کرنا بیان کیا ہے، وہ بہت ہی دلہندہ واقعات ہیں، لیکن اس کے باوجود مہلت کی جتنی مدت ان کے لئے مقرر تھی اس دوران وہ پے در پے عہد شکنی کرتے رہے، پھر بھی بچتے رہے، لیکن جب ذمیل کی ازل سے طے شدہ مدت پوری ہو گئی، تو سب مادی اسباب و انتظامات دھرے کے دھرے رو گئے، آنا فانا کان سے کچڑا کر خر قلم میں ڈبو دیئے گئے، ذمیل کے عرصے میں ان کو ابتدائی وارننگ کے طور پر ہلکے پھلکے جھٹکے دیئے جاتے رہے، وہ ہر دفعہ راہِ راست پر آنے کا عہد کر کے عذاب سے چمکا رہا پاتے، اور چمکا رہا پا کر عہد شکنی کرتے رہے (دیکھئے اعتراف ص ۱۳۳ تا ۱۳۴)۔

## ایک قرآنی اصطلاح کی وضاحت

قرآن مجید نے اپنی ایک اصطلاح جا بجا ذکر کی ہے، یہ اصطلاح ”اجل“ یا ”اجل مُسَمًّى“ ہے، ذرا سورہ اعراف کی یہ آیت (نمبر ۱۳۵) ملاحظہ ہو:

فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُمْ الرِّجَازَ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى فَمِنْ بَالِغُوهُ إِذَا هُمْ يَنْكُثُونَ۔

ترجمہ: ”پھر جب ہم نے انھیں ان سے عذاب ایک خاص مدت تک کے لئے جس کو وہ پہنچنے والے تھے تو وہ غورانی اپنے عہد کو توڑ ڈالنے“

یہ اجل یعنی مدت جس کو وہ پہنچنے والے تھے وہی تھی جو عذابِ امر میں پورے فرعونؑ کو لاکھڑا

۱۔ وَلَقَدْ آتَيْنَا آلَ فِرْعَوْنَ الْوَيْسِينَ وَقُلْنَا لَهُمْ بَازِغُوا وَتَعْلَمُونَ أَنَّهَا تُؤْتِيهِمْ إِلَّا جُزْءًا مِّنْهَا وَلَٰكِنَّا نَكْثُفُهُمْ ۖ وَلَا تَلْمِزْهُمْ عَصَافُهُمْ ۚ إِنَّهَا لَمُسْحَرَةٌ بَعْدَ مُسْحَرَاتٍ ۚ بَلْ هُمْ كَافِرُونَ ۚ فَارْجِعْهُمْ إِلَىٰ آبَائِهِمْ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ۚ (النمل ۱۴-۱۳)۔

ترجمہ: اور ہم نے فرعون کے لوگوں کو قند سال اور بیجا اداری کی شیں دکھایا تاکہ ان کو کسی بہتر چیز پہنچے یہ وہاں کہ ان پر غولابی آتی تو وہ کہتے یہ تو امانتِ حق اور ان کے ہاں پر کوئی مصیبت نہ پائی تو اس کو سنی اور ان کے ساتھیوں کی محنت قرار دیتے، جبکہ یہ تو لوہان کی اپنی محنت تھی، جو ان کے علم میں تھی لیکن ان میں کلاؤنگ جانتے نہیں تھے، اور سوائے کہتے تھے کہ تم پر اپنا ہمارا جانے کے لئے چاہے کسی ہی غالی ٹکرا ہاؤ ہم تم پر ایمان لانے والے نہیں ہیں، چنانچہ ہم نے ان پر طوفان اُڑایا، ان کے کپڑے، میز کوں اور لوہان کے عذاب بھیجے، جو سب مجھ و علیہ نہ تھیں، بلکہ انہوں نے ٹکرا کر

۲۔ اے یہ کیا اور وہ سے بزمِ نیک ہے۔

حکومت و طاقت اور سطوت و جبروت کی فرقاتی کی صورت میں آگے ظاہر ہونے والی تھی۔

## حاصل استدلال

حاصل استدلال یہ ہے کہ عالم ظہور میں جس طرح برسات و غزاں اور رات و دن کے الگ الگ اوقات و زمانے اور دائرے و احاطے ہیں ایک میں دوسرے کے مظاہر و رونما نہیں ہوتے اور جب دوسرا آجائے تو اس پہلے کا نام و نشان نہیں رہتا اسی طرح عالم امر میں ہر نظام ہر تہذیب و تمدن ہر حکومت ہر معاشرے کے نشو و نما پانے، بچنے، پھلنے، پھولنے، نکال تک پہنچنے، بگاڑ دہانے اور پھر فنا کے گھاٹ اتر کر زوال آنا ہونے کے لئے لوح محفوظ لکھنے والے رب نے ایک اجل و میعاد رکھی ہے وہ میعاد پوری ہو کر رہتی ہے اس میعاد کے پورا ہونے تک اس نقشے کو کوئی مٹا نہیں سکتا، اور جب وہ اجل مسمیٰ آن لگے جو اس نقشے کے ظاہر ہونے سے بھی پہلے مقدر ہو چکی تھی تو پھر اس نقشے کو مٹایا میٹ ہونے سے کوئی چیز بچا نہیں سکتی یا تو یہ چیز ساوی گرفت و آفتوں سے فنا کے گھاٹ اترتی ہے یا زمینی و تہر بھی اسباب اللہ تعالیٰ اس پر مسلط کر کے اسے خرابی کی طرح مٹا دیتے ہیں۔

قوموں کے عروج و زوال اور جرم و سزا کے معاملے میں قدرت کا یہی ضابطہ ہے، عظیم عاقل و یکساں جانے تو عروج و زوال کے ٹھکانے نظام کے ضمن میں زندگی کے سارے ہنگامے اور حوادث عالم کے نقشے آتے ہیں، قرآن مجید کی اس جامع اصطلاح ”اجل“ یا ”اجل مسمیٰ“ کی وضاحت یوں بھی کی گئی ہے:

”ہر قوم کو دنیا میں کام کرنے کا جو موقعہ دیا جاتا ہے اس کی ایک اخلاقی حد مقرر کر دی جاتی ہے، باری معنی کے اس کے اعمال میں خیر و شر کا کم سے کم تناسب برداشت کیا جاسکتا ہے جب تک ایک قوم کی بری صفات اس کی اچھی صفات کے مقابلہ میں تناسب کی اس آخری حد سے فرورہ رہتی ہیں اس وقت تک اسے اس کی

تمام برائیوں کے باوجود مہلت دی جاتی رہتی ہے اور جب وہ اس حد سے گزر جاتی ہے تو پھر اس بدکار، بد صفات قوم کو مزید کوئی مہلت نہیں دی جاتی۔“

(الربک اصطلاح قرآن میں)

## افراد میں بھی مذکورہ قانون تکوین کا اجراء

اس وضاحت سے اجمل کا مفہوم قوموں، جماعتوں اور معاشروں کے مہلت عمل کے دورانیوں کے متعلق سامنے آ گیا، ہر فرد کا معاملہ تو وہ اس سے بھی زیادہ واضح ہے، ہر انسان کی زندگی کا دورانیہ اور اس کی موت مقدر ہے، یہ ایک بدیہی حقیقت ہونے کی وجہ سے ہی قرآن مجید نے اسے ”الیقین“ کے نام سے موسوم کیا ہے، فرمایا:

”وَالْغُلُوبَةُ كَفَتْ يَأْتِيكَ الْيَقِينُ“ (الحجرہ صریح)

(یعنی اپنے رب کی ہنگامی موت آنے تک کر)

اور اجمل کی اصطلاح قرآن فرد کی موت کے لئے بھی استعمال کرتا ہے، اور اصول دونوں جگہ ایک ہی کار فرما ہے کہ وہ اجمل موعودہ خواہ فرد کی ہو یا قوم کی جب آن پہنچتی ہے تو کچھ بھی تقدیر و تاخیر کی گنجائش نہیں رکھتی۔

”إِذَا جَاءَ أَجْلُهُمْ لَا يَسْتَأْذِنُونَ سَاعَةً وَلَا يَسْتَنْقِذُونَ“ (الاعراف)

ترجمہ: جب ان کا مقررہ وقت آ جاتا ہے تو نہ لہجہ بھرتا خیر ہوتی ہے اور نہ تقدیر۔

اور ایک تیسری اجمل خود اس نظام کائنات کی بھی ہے وہ بھی جب آن لگے گی تو آگے پیچھے نہ ہوگی، مگر عالم دنیا کا خاتمہ ہو کر آخرت و قیامت کا عالم قائم ہو جائے گا، اجمل مسکے پہنچنے کے بعد مزید مہلت عمل نہ ملنا اور موخر نہ ہونا سابقہ دونوں کے ساتھ اس تیسری (یعنی عالم دنیا) میں بھی قدر مشترک ہے، چنانچہ عالم دنیا کی جان کنی کا آغاز سورج کے طلوع مغرب سے ہوگا، اور اس کے ساتھ اذروئے حدیثِ توبہ کے دروازے بند ہو جائیں گے، جو جس حالت میں تھا مومن یا کافر، مطیع یا نافرمان اسی پر ہے گا، اب توبہ قبول نہ ہوگی۔

## (باب دوم)

## شریعت میں تصوف کا درجہ

تصوف کے مختلف سلسلوں کے تاریخی ارتقاء اور تدریجاً ان سلسلوں کا آغاز اور عروج و انحطاط تک پہنچنے کے مرحلے اور پھر بدعات و خرافات اور رگی چیزوں کا بعد کے ادوار میں جزوی یا عمومی طور پر بہت سے سلسلوں پر غالب آنا اور اس کی شرعی افادیت و مقصودیت کا بے ملاحظہ میں چلے جانا اور پھر وقتاً فوقتاً ان میں اصلاح و بگاڑ کی کشمکش کا برپا ہونا اور پھر تقسیم و تفریق کا عمل جاری ہونا مان سب امور کے بیان کرنے سے پہلے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ تصوف کی حقیقت اور شریعت میں اس کا درجہ و مقام متعین کیا جائے اس طرح ایک معیار بھی سامنے آ جائے گا کہ آگے کے مراحل میں کوئی چیز مقصود میں داخل ہے اور کوئی غیر مقصود ہے اور کونسا عمل یا طریقہ کس درجہ کا ہے؟ اور تصوف کا درجہ شریعت میں جب ہی متعین ہو سکتا ہے جب خود شریعت کی حقیقت اور اس کی حدود اور دستوروں کا اندازہ ہو۔

## دین اسلام کی جامعیت و ہمہ گیری

جاننا چاہئے کہ دین اسلام جو کہ دین فطرت ہے اور نبی ﷺ کی بعثت سے لے کر قیامت تک کے تمام انسانوں کے لئے جامع و مکمل شریعت اور دستور زندگی ہے، خواہ وہ انسان مشرق میں رہے ہوں یا مغرب میں، ایشیا میں ہوں یا افریقہ میں یا کسی اور براعظم میں یا اس کے کسی جزیرہ میں اور خواہ پہلی صدی ہجری، خیر القرون کے زمانے میں ہوں یا اس کے بعد کے کسی دور میں، جیسا کہ قرآن مجید کی ان نصوص اور آیتوں سے واضح ہے۔

(۱)۔ سورہ آل عمران میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

إِنَّ إِلَٰهَيْنِ جِندَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ آلِ عَمْرٍاءِ آتِ ۱۹

ترجمہ: بے شک مقبول و پسندیدہ دین اللہ کے نزدیک صرف اسلام ہے (سورہ آل

عمران)

(۴)..... سورہ آل عمران میں ہی ایک مقام پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَمَنْ يَتَّبِعْ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْآخِرَةِ مِنَ

الْخَاسِرِينَ آلِ عَمْرٍاءِ آتِ ۲۵

ترجمہ: اور جو کوئی اسلام کے علاوہ کسی اور دین میں کامیابی اور ہدایت تلاش

کرے گا تو ہرگز اس سے وہ قبول نہ کیا جائے گا اور آخرت میں وہ خسارہ پانے

والے لوگوں میں ہوگا (سورہ آل عمران)

(۳)..... سورہ احزاب میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَهِيدًا وَمُبَشِّرًا وَنَذِيرًا يُؤْذِنُ إِلَى اللَّهِ بِأَذْنِهِ

وَمُبْرِئًا بَيْنَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْكَافِرِينَ آلِ عَمْرٍاءِ آتِ ۶۴

ترجمہ: اے نبی (ﷺ) ہم نے آپ کو بھیجا گواہ بنا کر اور خوشخبری سنانے والا

(مغفرت و نجات کی) اور ڈرانا سنانے والا (کفر و نافرمانی کی صورت میں اللہ

کے عذاب سے) اور اللہ کی طرف بلانے والا اسکے حکم سے اور آپ روشن چراغ

ہیں (سورہ احزاب)

(۴)..... سورہ انبیاء میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ آلِ عَمْرٍاءِ آتِ ۱۰۷

ترجمہ: اور ہم نے آپ کو سارے جہان کے لئے سرایا رحمت ہی بنا کر

بھیجا ہے (سورہ انبیاء)

(۵)..... سورہ ہا میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا خَلْقًا لِلنَّاسِ أَنْبِيَاً وَلَذِينَ الْأَرْسَالِ (سہ ماہیت ۲۸)  
ترجمہ: اور ہم نے آپ کو نہیں بھیجا مگر تمام لوگوں کے لئے بشارت دینے والا اور  
ذرا دانا بنانے والا (سہ ماہیت)

(۶)..... سورہ اعراف میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُؤُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا (اعراف آیت ۱۵۸)  
ترجمہ: آپ فرما دیجئے کہ اے لوگو! میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں (سورہ  
اعراف)

اسی طرح قرآن مجید میں نبی علیہ السلام کی وساطت سے امت پر یہ بھی واضح کیا گیا ہے کہ ہم  
نے ایک مکمل شریعت آپ کو عطا کر دی۔ اب یہی آپ کے لئے قابل عمل ہے اور اس کو چھوڑ کر  
کسی اور ازم و نظام، دستور، قانون، آئین، سوچ اور طرز زندگی کی اتباع نہ کریں جو ان  
انسانوں کا بنایا ہوا ہو جو اللہ کے قانون اور اللہ کی غلطی و مراد کو نہیں جانتے کیونکہ اللہ کی غلطی  
و مراد جو انسانوں کے بارے میں ہے اور ان کی دنیا کی زندگی کے بارے میں ہے وہ خود اللہ  
تعالیٰ کے کسی کو بتانے ہی سے معلوم ہو سکتی ہے اور اللہ تعالیٰ اپنی اس غلطی و مراد کا علم وحی کے  
ذریعے انبیاء علیہم السلام کو عطا فرماتے ہیں، پس یہ شریعت جو آپ ﷺ کو دی گئی یہ اللہ کی اس  
غلطی و مراد کا مجموعہ ہے جو قیامت تک کے انسانوں سے اللہ تعالیٰ کو مطلوب ہے، اس میں ان  
کی زندگی کے سب گوشوں کا احاطہ کیا گیا ہے کہ ہر گوشہ زندگی اور ہر شعبہ حیاۃ میں اللہ تعالیٰ  
ان سے کس طرح کی زندگی اور کس طرح کا طرز و طریقہ چاہتے ہیں، اور اس مجموعہ احکام پر  
”شریعت“ کے لفظ کا اطلاق کیا جو کہ زندگی کے لئے ایک مکمل دستور و قانون کا مفہوم خود اپنے  
انداز سوئے ہوئے ہے، لہذا شریعت کہہ کر اس آسمانی قانون اور نظام کی تمام آئینی  
اور دستور حثیت اور وسعت واضح کر دی کہ یہ پوری زندگی پر حاوی ہے۔  
جیسا کہ اس آیت میں ہے:

لَمْ يَجْعَلْكَ عَلَىٰ شَرِّعَةٍ مِّنَ الْأَمْرِ فَاتَّبِعْهَا وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَ الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ (العنکبوت ۱۸)

ترجمہ: ”پھر ہم نے کر دیا آپ کو اسے نبی (ﷺ) ایک شریعت پر دین میں سے جس آپ اسی کی اتباع کریں اور ان لوگوں کی مرضی اور خواہشات کی اتباع نہ کریں جو نہیں جانتے۔“

## امت سے کامل دین اپنانے کا مطالبہ

اس کی مزید وضاحت اس آیت سے بھی ہوتی ہے جس میں ساری امت کو خطاب فرما کر ان کو کامل دین میں داخل ہونے یعنی اس پر عمل پیرا ہونے کا حکم دیا گیا ہے، کہ یہ نہ ہو کہ کچھ نظریات اسلام کے ہوں کچھ کسی اور لازم اور نظام کے یا عبادات میں اسلام کی اتباع ہو تو معاملات و معاشرت میں یا اخلاقیات میں کسی اور مذہب یا قوم اور معاشرے کی جیسا کہ آج کل بد قسمتی سے مسلمانوں میں یہ مرض بہت پھیل گیا ہے، آیت ملاحظہ ہو:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اذْخُلُوا فِي السِّلْمِ كَآلِفَةً وَلَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ. إِنَّهُ لَحَكْمٌ عَذُوبٌ مُّبِينٌ (البقرة ۲۰۸)

ترجمہ: ”اے ایمان والو! اسلام میں پورے داخل ہو جاؤ اور شیطان کے نقش قدم کی پیروی نہ کرو، بے شک وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔“

اس آیت میں واضح ہے کہ شریعت سے کلی یا جزوی طور پر ہٹنا شیطان کی راہ پر چلنا ہے، زندگی گزارنے کا ایک طریقہ وہ ہے جو رحمن نے متعین اور مقرر کیا اور اس سے ہٹ کر جو بھی زندگی کا کوئی طور طریقہ اختیار کیا جائے گا وہ یا تو لوگوں کی اپنی خواہشات اور ان کے نفس کی تجویز کردہ کوئی سوچ ہوگی (جیسا کہ کجگلی آیت سے معلوم ہوا) اور یا پھر شیطان نے دوسرے وغیرہ ذوال کراں کو وہ راستہ سکھایا اور بتلایا ہوگا (جیسا کہ اس آیت سے معلوم ہوا) اس سے اندازہ



کیا جاسکتا ہے دین اسلام کی جامعیت اور وسعت کا اور اس کے ہمہ گیر مطالبات کا کہ وہ پوری زندگی میں خود سپردگی کا مطالبہ کرتا ہے، کسی ایک شعبے میں یا کسی ایک چیز میں اجماع کو کافی قرار نہیں دیتا، اور اسی کامل خود سپردگی کو کامل ایمان، کامل ہدایت اور کامل نجات کی بنیاد بناتا ہے، اس سے ہٹ کر نفسانی خواہشات یعنی من مانی زندگی گزارنے والا راستہ ہے یا شیطان کے تجویز کردہ کاموں اور انتخاب کردہ راستوں پر زندگی کو ڈالنا ہے اور نفس و شیطان دونوں کی اجماع بلا کست کی طرف لے جانے والی ہے۔

## تصوف کے متعلق دو طرح کے مغالطے

تصوف کی حقیقت اور شرعی حیثیت کیا ہے؟

اس کو جاننے کے لئے جگہ جگہ قائم اور اپنے گرد و پیش میں پھیلی ہوئی بہت سی رکی گدیوں اور نام نہاد گدی نشینوں کے حالات و کردار کو ملاحظہ کر کے فیصلہ کیا جائے؟ یا اسلام کی اصل تعلیمات، اشریعت، مقدسہ کے مقاصد اور ان مقاصد کے تحت زمانہ خیر القرون اور اس کے بعد کے ادوار میں اس خالص اصلاحی شعبے کے وجود میں آنے، بتدریج اس کے اصول قائم ہونے، ضوابط اور نظم طے ہونے کے مرحلوں کو، اور اس شعبے کے مشائخ کی تعلیمات اور ان کی معاشی زندگی کے نمونے کو سامنے رکھ کر فیصلہ کیا جائے؟

اس حوالہ سے لوگ افراط و تفریط کی دو گھاٹیوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔

## اندھی عقیدت کا مغالطہ

ایک بے اعتدالی کی گمانی نام نہاد رکی تصوف کے اندھے عقیدت مندوں کی ہے، جو شریعت کی صحیح تعلیمات سے بے خبر ہیں، اور تصوف کی اصل روح سے ناواقف ہیں، اور ان میں سے اکثر کی دینی و معاشی زندگی بھی شریعت کے احکام کی پابندی سے خالی ہوتی ہے، بس نسل در نسل سے ایک ماحول ان کے سامنے ہے، آباؤ اجداد سے آستانوں، پیر خانوں سے اندھی عقیدت

بغیر کسی اصول اور شرعی تفصیل کے ان کو رشتہ میں ملی ہوتی ہے، نماز روزہ اور دیگر احکام شرع کی بجائے میلوں ٹھیلوں کی رفتی بڑھانا اور بہت سے شرعی خرافات و منکرات اور کھلے فواحش اور عیارت کے ساتھ دھوم دھام سے عرس منانا اور عزاروں پر چڑھاوے چڑھانا ان کے نزدیک مسلمانی کا اونچا کام اور نجات کی کئی ہے، جو ان مشائخ سے محروم ہو تو وہ قرآن وحدیث کے سارے مطالبے بھی پورے کرے اور دین کے راستے میں تن من دھن لٹا دے تو بھی ان کے نکتہ نظر سے مردود محض ہے، یہ تو افراط (عقیدت میں حد سے بڑھنے) کے شاخسانے ہیں۔

### رکی تصوف سے بیزار لوگوں کا مغالطہ

تفرید (چیز کو اس کے واقعی درجے سے گھٹانا) کی گمراہی کا وہ لوگ شکار ہوتے ہیں جو صوفیت اور مشیخت کے نام پر اپنے زمانے کے رائج خرافات کو دیکھ کر اول سے آخر تک اس خالص اسلامی شیعہ کا پتہ ہی صاف کر دیتے ہیں، کبھی اس کو فحشی سازش قرار دیتے ہیں، کبھی شیعیت اور باطنیت سے اس کی کڑیاں جوڑتے ہیں اور ان بڑے بڑے مشائخ اور ائمہ وقت سے بدگمانی اور ان کی بدگوئی کرنے سے بھی نہیں چوکتے، جو اس زمین پر ہدایت کے نشان تھے دین حق کے پاسان تھے دین حق کی اشاعت اور خلق خدا کی رشد و صلاح جن کی زندگی کا اہم مقصد تھا، اس راستے میں انہوں نے اپنی زندگیاں کھپا کیں، انہیں کی قربانیاں، کوششوں اور کاوشوں سے زمین کے مختلف حصوں اور ملکوں میں اسلام نے رفتی پانی ماس طرح ملکوں ملکوں اسلامی معاشرے وجود میں آئے، خود اس خطہ ہند میں مشائخ عظام اور صوفیائے کرام کی اسلامی خدمات کی جو درخشاں تاریخ ہے کون کہہ سکتا ہے کہ اس کے بغیر اس عظمت کدہ ہند میں اسلامی سلطنت اور اسلامی معاشرت کا بقاء ممکن تھا، حضرت علی ہجویری، حضرت خواجہ مصباح الدین چشتی اجمیری، حضرت نظام الدین اولیا، دہلوی، حضرت بابا فرید الدین گنج شکر، مہم اللہ وغیرہم

بسیوں مشائخ تو ہند میں اسلام کی ابتدائی اشاعت کرنے والوں میں سے ہیں، خود بعد کے دور میں جب غیروں کی ریشہ داندوں اور انہوں کی طاقتوں سے اسلام کی بساط اس سرزمین سے لپیٹے جانے کے منصوبے بنے تو میدان میں اتر کر عزیمت کی داستانیں رقم کرنے والوں میں کیا اس طبقہ کے لوگ اور مشائخ وقت کسی سے پیچھے رہے ہیں؟ یا آج کے دوکاندار جاہل بیروں کی طرح زندگی اور اس کے حقائق ماسلام اور اس کے فرائض سے فرار کو انہوں نے وطیرہ بنایا؟ تاریخ خبر دیتی ہے کہ اس میدان میں بھی یہ لوگ سر فرست رہے ہیں، مگر کف بھی، صرف ایک مثال، شتے نمونہ کے طور پر۔

## اکبر کا الحاد اور مجدد الف ثانی کی خدمات

مغل قہرمان اکبر نے جب ملحدین کی چالوں میں آ کر دین الہی کا ڈھونگ رچایا تو وہ شریعت اسلامیہ کی عجیب کسمپرسی کا زمانہ تھا، پھر شیخ مجدد الف ثانی رحمہ اللہ نے اپنے اصلاحی اور تہجدی کارناموں سے اس سرزمین میں دینِ حنبلی کا جو اعتبار قائم کیا اور اس کی بنیادوں کو جتنا مضبوط کیا ایک صوفی سانی اور تصوف کے ایک شیخ وقت کے اس کارنامے اور خدمت کا بار احسان برصغیر کے بیشتر مسلمانوں کی گردنوں پر ہے، ڈاکٹر اقبال مرحوم نے شیخ مجدد کو ذیل کے اشعار میں خراج عقیدت پیش کیا ہے اور ساتھ ہی نام نہاد ہی زادوں کو بھی آئینہ دکھا گئے ہیں:

حاضر ہوا میں شیخ مجدد کی لحد پر	وہ خاک کہ ہے زہرِ فلک مطیع انوار
اس خاک کے ذروں سے ہیں شرمندہ ستارے	اس خاک میں پوشیدہ ہے وہ صاحب اسرار

وہ ہند میں سرمایہ طے کا نگہبان	اللہ نے بروقت کیا جس کو خبر دار
کی مرض یہ میں نے کہ مٹا فقر بوجھ کو	آنکھیں میری بھاہیں لیکن نہیں بیدار
آئی یہ صد اسلسلہ فقر ہوا ہند	جس اہل فقر کشور پنجاب سے ہزار
مارف کا لٹکاؤ نہیں وہ خطہ کہ جس میں	بیدا کلمہ فقر سے ہو طرز و دستار

## (باب سوم)

## تصوف ایک تہائی اسلام

## احکام اسلام کی تین بنیادی قسمیں

مسجدِ مسلمہ کو قرآن و سنت میں جتنے احکام دیے گئے ہیں وہ تین قسم کے ہیں۔

(۱)..... وہ احکام جو عقائد سے تعلق رکھتے ہیں جیسے توحید، رسالت، قیامت کے عقیدے، اسی طرح اللہ کی کتابوں پر، فرشتوں پر اور تقدیر پر ایمان اور عقیدہ۔

(۲)..... وہ احکام جو عملی درجے کے ہیں اور ظاہری اعضاء، ہاتھ، پاؤں، کان، زبان وغیرہ سے وجود میں آتے ہیں، جیسے نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، جہاد، نکاح، طلاق، خرید و فروخت، تہارت، زراعت، ملازمت، ذکر، تلاوت وغیرہ۔

(۳)..... وہ احکام جو باطنی اخلاق اور عادات سے تعلق رکھتے ہیں، بندہ ان کو اپنے باطن اور دل سے انجام دیتا ہے، ان میں دل کے اچھے افعال اور اخلاق بھی ہیں جیسے صبر، شکر، توکل، استغناء، شفقت و محبت، تواضع و انکساری، رضا بالقضا وغیرہ، جن کو خصائلِ حمیدہ اور فضائل کہتے ہیں، اور دل کے برے اعمال اور اخلاق بھی ہیں جیسے تکبر، حسد، منافقت، بزدلی، خود پسندی، حرص وغیرہ ان کو رذائل کہتے ہیں۔ اس باب میں شریعت کے احکام فضائل سے دل کو آراستہ کرنے، نفس کو سنوارنے اور رذائل سے دل کو پاک کرنے اور نفس کا تزکیہ کرنے کے متعلق آئے ہیں۔

تصوف کو تزکیہ باطن، سلوک اور احسان کے ناموں سے بھی یاد کیا جاتا ہے، حدیث شریف میں (حدیث جبریل میں) اس کو احسان کے نام سے ذکر کیا گیا ہے۔

احکام کی یہ تینوں قسمیں ایک دوسرے کے ساتھ جڑی ہوئی اور پیوست ہیں اور شریعت

کو تینوں مطلوب ہیں، قرآن مجید میں ان تینوں قسموں کا بیان الگ الگ عنوان سے نہیں ہوا، بلکہ یکجا ان کو بیان کیا گیا ہے، بغیر اس کے کہ ہر ایک قسم کا الگ نام اور اصطلاح ذکر کر کے اس کو بیان کیا ہو۔

اسی طرح احادیث میں بھی ان سب احکام کا ملّا جلا مذکور ہے، کیونکہ شریعت کا مقصد یہ ہے کہ انسان اپنی پوری زندگی کو، اپنے تمام حرکات و سکنات کو دین کے سانچے میں ڈھال لے، اور دین کو زندگی کے لئے ایک مکمل دستور اور کامل ضابطے کی شکل میں سامنے رکھے، اور اس معیار پر زندگی کو ڈھال کر ہی آدمی کامل مومن بن سکتا ہے۔

احکام کی مذکورہ درجہ بندی اور ان کے الگ الگ عنوان ثانوی درجہ اور ضمنی حیثیت رکھتے ہیں، جن کو انسان اپنی سہولت اور انتظام کے تحت خود درجوں اور قسموں میں تقسیم کر سکتا ہے، تاکہ سمجھنے، سمجھانے میں آسانی پیدا ہو اور ان کے فرق مراتب کی رعایت بھی ہو سکے، چنانچہ احکام کی یہ تقسیم اور اس تقسیم کے تحت دین کے مختلف شعبوں کو قائم کرنا اور ہر ایک کو الگ الگ باقاعدہ فن کی شکل دینا اور ہر اس کے اصول و فروع کی تشکیل کرنا اور ان میں سے ہر فن کے لئے الگ الگ ماہرین شرع مقرر ہونا اور خاص اس فن کے میدان میں ان ماہرین کا خدمات انجام دینا تصنیف و تالیف کرنا، اداروں کا وجود میں آنا اور ہر فن والوں کا اپنی بنیادی صلاحیتیں خاص اس فن کی خدمت اور نشر و اشاعت میں لگانا۔

یہ سارا انتظام نبی علیہ السلام اور صحابہ کرام کے بعد کے زمانوں میں وجود میں آیا۔ اس کی ابتداء یوں ہوئی کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور ان کے بعد تابعین کے دور میں جب مسلمانوں پر فتوحات کا دروازہ کھل گیا، ملک فتح ہوتے گئے اور قوموں کی قومیں اسلام میں داخل ہوتی گئیں، بڑے بڑے متمدن ملک اور ترقی یافتہ تہذیبیں اور معاشرے اسلام کی حکومت اور مسلمانوں کی قلمرو میں شامل ہو گئے، قیصر و کسریٰ کے قارس و روم مسلمانوں کی مملعداری میں آ گئے، تو مسلمانوں کو عربوں کی سادہ معاشرتی و تہذیبی زندگی سے باہر نکل کر ایک دم ان

بڑے بڑے مستند معاشروں اور دنیوی اعتبار سے ترقی یافتہ قوموں سے واسطہ پڑا، نئی نئی چیزیں سامنے آئیں، مختلف نظریات اور تمدنی طریقوں سے ساجد پڑا۔

یہ صورتحال اس مسئلہ کے لئے عموماً اور نبی علیہ السلام کے وارثین اہل علم کے لئے خصوصاً بڑا چیلنج تھی، ماب قرآن و سنت میں اصول تو سب موجود ہیں، جو قیامت تک انسانیت کی ہر شعبہ زندگی میں رہنمائی کے لئے کافی ہیں، لیکن ان اصولوں کو نئے نئے چیلنج آنے والے واقعات و حوالہ جات پر منطبق کرنا، اور ان جدید مستند معاشروں کی عملی و اجتماعی اور معاشرتی زندگی کی ایک ایک بات کو شریعت کے اصولوں کے تناظر میں دیکھنا اور اسلام کی کسوٹی پر پرکھنا اور ان کے صحیح و غلط ہونے کا فیصلہ کرنا اور اس بات کا فیصلہ کرنا کہ کون سی چیز کس حد تک قریم سے جواز کے دائرے میں آ سکتی ہے، یہ ایک بڑا وسیع کام تھا۔

پھر خود ان معاشروں اور قوموں میں اخلاقیات اور روحانیت کی روح پھونک کر اسلام کا پرچارنگ ان پر چڑھانا جس طرح صحابہ کرام پر نبی علیہ السلام کی صحبت و تربیت سے اور تابعین پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی صحبت و تربیت سے چڑھا تھا، اس کی بھی اہمیت کچھ کم نہ تھی، اس کام کے لئے حکومتی قوانین اور ریاستی نظام جو اگرچہ اسلام ہی کا عطا کردہ ریاستی نظام تھا، کافی نہ تھا بلکہ ضروری تھا کہ معاشرتی سطح پر رضا کارانہ طور پر اہل علم اور اہل صلاح افراد سازی (یعنی افراد کی کردار سازی) کے ذریعے اس عمل کو تکمیل تک پہنچائیں، کیونکہ ریاست اور حکومت جتنے بھی انتظامات کر لے اور نظام اجتماعی کو جتنا بھی منظم کر لے وہ معاشرے کو بیرونی طور پر رضا بطوں کا پابند بنا سکتی ہے۔

جبکہ اسلام کا حراز یہ ہے کہ وہ اصلاح کا عمل فرد کی تربیت اور اس کے دل میں قلعہ مع اللہ پیدا کر کے اور خدا غوثی اور خود احتسابی کی چنگاری سلکا کر شروع کرتا ہے، اس مضبوط بنیاد پر جب افراد تیار ہو کر معاشرہ اور قوم کی تشکیل کرتے ہیں تو اس معاشرہ کے ریاستی اداروں اور حکومتی نظام کی عمارت بہت پائیداری اور استحکام کے ساتھ وجود میں آتی ہے، اداروں

کو مثنیٰ سیرت و کردار اور امانت و دیانت کے اوصاف سے متصف افراد میسر آ کر ”گنہ گورخص“ کی تشکیل کرتے ہیں، یہ افراد ایک طرف روحانیت کے تقاضوں کو ملحوظ رکھ کر اپنی اخروی سعادت کی فکر کرتے ہیں تو دوسری طرف اپنے سیرت و کردار اور عمل سے دنیوی اعتبار سے بھی معاشرے کو ایک مثنیٰ معاشرہ بنا دیتے ہیں، اب افراد کے اندر یہ قوی ترین محرک پیدا کرنا جو خدا خونی اور خود احتسابی سے عبارت ہے اور جس کی وجہ سے ان افراد سے تشکیل پانے والا معاشرہ ہر قسم کی دنیوی و اخروی سعادتوں کا جامع ہوتا ہے اس کے لئے مستقل اداروں اور رجال کار کی ضرورت تھی جو پورے طور پر شریعت کے رنگ میں رنگے ہوئے ہوں اور پھر وہ نبوی منہج پر افراد کی تربیت سازی کا انتظام قائم کریں۔

پس یہ وہ سارا ایس منظر تھا جس کی وجہ سے خیر القرون کے بعد کے ادوار میں دینی احکام کی مذکورہ بالا تین قسموں کی بنیاد پر علماء و فقہاء وقت نے تین الگ الگ شعبے تشکیل دے کر دین کی حفاظت دینا اور اشاعت و تبلیغ کا کام شروع کیا۔

### (۱)..... عقائد و ایمانیات (علم الکلام)

کچھ حضرات نے عقائد اور ایمانیات کے شعبے کو لیا اور قرآن و سنت کے نصوص جو اس باب میں ہیں ان کو منہج و مرجب کیا، اسلامی عقائد کے اصول ان نصوص کی روشنی میں مرتب کئے اور پھر شاخ و در شاخ اس کی فروعات جمع کیں اور صحابہ کے آخری دور سے ہی امت میں جو مختلف گروہ فرقوں نے جنم لیا شروع کیا تھا اور سنت و صحابہ کے طریقے سے ہٹ گئے تھے ان کے اعتقادات اور شبہات کا جائزہ لیا اور ان کے چمکنے اور بجکنے کے اسباب کی تحقیق کی اور پھر قرآن و حدیث کے دلائل و دیراہین کے ہتھیاروں سے مسلح ہو کر ان کی گمراہی کو واضح کیا اور امت کو ان کے فریب میں آنے اور ان کے پھیلانے ہوئے مشکوک و شبہات سے بچانے کا انتظام کیا، یہ حضرات متکلمین اسلام کہلائے، ان کی دماغ سازیوں اور محنتوں سے علم الکلام

ایک مستقل علم و فن بن گیا اور اس کے لڑ بچے پر مشتمل وسیع اسلامی کتب خانہ وجود میں آیا۔  
 متکلمین اسلام کے دو تین سطے معروف ہیں، ایک اشعر یہ جس کے بانی شیخ ابوالحسن اشعری  
 ہیں، دوسرے ماتریدیہ جس کے بانی شیخ ابو منصور ماتریدی ہیں، تیسرے حنابلہ۔ مسلمانوں کی  
 فرقی حنابلہ کے علاوہ دیگر ادیان و مذاہب باطلہ، یہودیت، عیسائیت، و ہریت وغیرہ کے  
 اعتراضات کا جواب اور خود ان کے بودے نظریات کی تردید بھی علم کلام کا موضوع بحث رہا ہے۔  
 انہوں نے ایسے نازک وقت میں امت کی رہنمائی اور ان کے عقائد کی حفاظت کا کام سرانجام  
 دیا جب معتزلہ، دروافض، خوارج، باطنی، طہرین، حمیہ، قدریہ، جریہ وغیرہ گمراہ فرقے  
 اور فلاسفہ یونان کے قبیح بعض اسلامی فلاسفہ مسلمان معاشرے میں در آئے تھے اور اپنے فاسد  
 نظریات اور نفسانیت و مبالغہ آمیزی پر مبنی خیالات و رجحانات سے امت کو بگاڑ کے راستے پر  
 ڈالنے کے لئے کوشاں تھے۔

## (۲)۔۔۔ فقہی احکام

دوسرا شعبہ زندگی کے عملی احکام کا ہے، جیسا کہ پیچھے ذکر ہوا کہ نئے نئے تمدن اور معاشرے  
 کثرت سے اسلام کی مصلحتی میں آ گئے جن کی زندگی عربوں کی طرح سادہ اور بالکل ابتدائی  
 فطری طریقوں پر مبنی تھی بلکہ زندگی کے مختلف میدانوں میں اس وقت کے لحاظ سے وہ بہت ترقی  
 یافتہ تھے، حکومت، سیاست، معاشرت، اقتصادیات، قانون، لطیفہ، ادب، آرٹ ان سب  
 میدانوں میں دنیا ان کا لوہا نئی تھی جیسے کہ فارس اور روم کی قوموں میں جسے والی اقوام کا حال تھا۔  
 اب ان کو اسلامی معاشرت میں رنگنے کے لئے پورے اسلامی تمدن اور معاشرت کا خاکہ ان  
 کے سامنے دکھنا اور جو چیزیں خود ان کے تمدن میں ایسی تھیں کہ شریعت کے اصولوں سے ان کا  
 جواز ثابت ہو یا معمولی اصلاح سے ان کے تمدن و ثقافت کی بہت سی مفید چیزیں ان کو اسلامی  
 دنیا جاسکتا ہو تو یہ بہت بڑا کام کا میدان تھا اور وقت کا چیلنج تھا اس چیلنج سے عہدہ برآ ہونے



کے لئے اجتہاد و استنباط کی صلاحیت کے مالک قرآن و سنت کے گہرے علم کے حامل علماء و فقہاء کی ضرورت تھی سو اس قابلیت کے لوگ اس میدان میں اتر آئے اور مختلف فقہی مذاہب کی شکل میں اسلامی عملی زندگی کا پورا ایک دستور اور مرقع امت کے سامنے رکھ دیا، چونکہ اسلامی معاشرت کے حوالے سے نئے معاشرہ کو اسلام کے رنگ میں پورا پورا رنگنے کے لئے اس چیز کی سب سے زیادہ ضرورت تھی اس لئے امت اس چشمہ صافی پر نولٹ پڑی اور تھوڑے ہی عرصہ میں ہم دیکھتے ہیں کہ امت کی غالب اکثریت چار فقہی مذاہب سے روشنی لے کر زندگی کی اسلامی شاہراہ پر گامزن ہو گئی۔

### (س)..... تزکیہ قلب (تصوف)

اس شعبے کے تحت اس بات کی ضرورت محسوس کی گئی کہ یہ لاکھوں کروڑوں لوگ جو دین اسلام کی روشنی میں آگئے اور ہدایت پا گئے اور عقائد کے باب میں بھی ان کی پوری شرعی رہنمائی کا انتظام ہو گیا، نیز عملی زندگی کے احکام میں بھی فقہی مسائل کی تدوین کی صورت میں ان کی رہنمائی کا انتظام ہو گیا اور اسلامی سلطنت موجود ہونے کی وجہ سے سارا ماحول اور سارے ادارے اسلامیت کے رنگ میں ہی رنگے ہوئے ہیں تو اب کی صرف اس چیز کی ہے کہ ان لوگوں کے دلوں پر بھی منت کر کے ان کے دلوں کو اچھے اخلاق اور قلبی صفات سے مزین کیا جائے اور برے اخلاق اور روزاں سے ان کے قلوب اور ان کے نفس کو پاک کر دیا جائے۔ درحقیقت ایمان کے بعد یہی چیز سب سے زیادہ اہمیت رکھتی ہے، تمام آسمانی شریعتوں میں انبیاء علیہم السلام اپنے قبیحین کی (یعنی جو ان پر ایمان لا چکے) اسی انداز میں تربیت کرتے رہے ہیں کہ ان کے دلوں کو نیک و مصلحی کرتے رہے، نبی ﷺ کے بھی فرض منصبی کا یہ اہم حصہ تھا جیسے کہ ارشاد ہے:

لَقَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولًا مِنْ أَنْفُسِهِمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ

﴿لَا يَزِيدُ فِيهِمْ وَيُغْنِيهِمْ﴾ الْكِتَابُ وَالْحِجْمَةُ ﴿سورة اہل عمران آیت ۱۶۴﴾

ترجمہ: البتہ اللہ نے اہل ایمان پر احسان فرمایا جب اس نے بھیجا ایک رسول انہی میں سے جو ان کو پڑھ پڑھ کر سنا تا تھا قرآن کی آیتیں اور ان کے دلوں کو پاک کرنا تھا اور ان کو تعلیم دیتا تھا کتاب اور حکمت کی۔

لوگ تلاوت آیات کے نتیجے میں جب ایمان لے آئیں تو انکا عمل پھر ان کے دلوں کی تعلیم اور تزکیہ کا ہے اور پھر کتاب و سنت کی تعلیمات سے اس روشن دل کو زندگی کی شاہراہ پر استوار کرنے کا عمل ہے، نبی علیہ السلام نے صحابہ کی جو تربیت فرمائی وہ اس آیت کی رہنمائی کے مطابق فرمائی۔

اب اسے لوگ جب ایک دم اسلام میں داخل ہوئے تو ضرورت تھی کہ اس طرح باطنی صفائی کرنے اور قلوب و نفوس کی اصلاح کرنے کے لئے مستقل انتظام ہو یہ میدان جن بزرگوں نے سنبھالا وہ مشائخ اور صوفیاء کہلائے اور تربیت کا یہ ادارہ سلوک و احسان اور تصوف کے نام سے معروف ہو گیا۔ نور کیا جائے اس مذکورہ بالا آیت میں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے تین فرض منصبی جو بیان ہوئے ہیں یعنی تلاوت آیات، تعلیمات کتاب و سنت اور تزکیہ قلوب یہ مذکورہ تینوں شعبوں کی اصل بنیاد ہیں جو امت میں کلام (عقائد و ایمانیات) فقہ اور تصوف کے تین عنوانوں سے پہلے اس تفصیل سے یہ واضح کرنا مقصود تھا کہ علم الکلام و الفقہ و علم الفقه اور علم تصوف شریعت کے تین بنیادی مقاصد اور احکام شریعت کی اصل تین قسموں کے اصطلاحی نام ہیں قرآن و حدیث میں ان سب کے احکام بغیر تقسیم و تعین اور عنوان و اصطلاح کے مذکور ہیں، انہی بنیادوں پر نبی علیہ السلام نے صحابہ کی تربیت فرمائی اور صحابہ نے بعد والوں کی، لیکن بعد کے ادوار میں مختلف اسباب و وجوہات سے (جن کا اوپر ذکر ہو چکا) ان مقاصد شرع کی تقسیم اور الگ الگ تدوین ہوئی اور الگ الگ اصطلاحات ان کے اندر مقرر ہوئیں، اور ان کے الگ الگ شعبے قائم کر کے ہر شعبے کی خدمات و انتظامات کا الگ دائرہ کار و جواز میں آیا، تاکہ تقسیم کار کے اصول پر آسانی سے ہر شعبے کے مقاصد حاصل کئے جاسکیں۔

## (باب چہارم)

## خیر القرون میں تصوف

## صحابہ و تابعین کا دور

خیر القرون کا زمانہ جو حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، تابعین کرام اور تبع تابعین کے ادوار میں پھیلا ہوا ہے۔ ۱۔  
اس میں تصوف کی حقیقت تو ضرور موجود تھی، لیکن وہ انتظامی حدود و قیود اور فنی اصطلاحات موجود نہ تھیں جو بعد میں بتدریج مصلح و تعلیماء وجود میں آئیں۔

## صحابہ کرام کا مقام صحبت و صحابیت

دینِ فطرت، شریعتِ مطہرہ کے ہر صافی سے سب سے پہلے سیراب ہونے اور نبی کریم ﷺ کی صحبت و تربیت سے براہِ راست فیضیاب ہونے والی جماعت حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی پاکہاز جماعت ہے، نبی ﷺ کی صحبت و تربیت، ہدایت اور سعادت کے حصول کا ایسا نسخہ کسیر تھا کہ جس سے مرتبہ احسان حاصل ہو جاتا، مرتبہ احسان ہی عبدیت و بندگی کی معراج ہے۔ ۲۔

۱۔ ان تینوں زمانوں کو حدیث میں خیر القرون کے نام سے یاد کیا گیا ہے جیسا کہ حدیث ہے: *خیر القرون الثلثین* بلونی، ثم الثلثین، بلوہم، ثم الثلثین، بلوہم (مسلم)۔ تینوں زمانوں میں اللہ کے رسول نے اسلام اور آخر کے طالب ہونے کی تہذیبی حق، پروردگار کی ملیح اسلام اور صحابہ کرام کا زمانہ ہے، دوسرا تابعین یعنی صحابہ کے شاگردوں اور تبع تابعین کا زمانہ ہے، تیسرا تبع تابعین یعنی تابعین کے شاگردوں اور تبع تابعین کا زمانہ ہے۔ پڑانے کی تہذیبی حق بلوہم میں پہلے ہوتے ہیں۔

۲۔ حدیث ترمذی میں آپ ﷺ نے انسان کی یہ حقیقت بیان فرمائی ہے:

﴿بقی حاشیہ گے صفحہ پہلے فرمائی﴾

مرتبہ احسان یہ ہے کہ بندہ بمومن کو اللہ چارک و تعالیٰ کی معیت خاصہ اور ان کی عظمت و بزرگی کا دائمی انتظار قلب میں حاصل ہو جائے اور یہ کیفیت طبعیت میں اچھی طرح راسخ ہو جائے۔

نبی علیہ السلام کی صحبت و تربیت نے صحابہ کرام کو کہاں سے کہاں پہنچا دیا۔

خود نہ تھے جو راہ پر اوروں کے ہادی بن گئے اللہ اللہ کیا نظر تھی جس نے نرودوں کو مسیحا کر دیا

﴿ کوشش مطبعہ کا جتنی عاشرہ ﴾

”ان نصیحات کمال تکبراء فان لم تکن تراء فانہ یو اک“ (اصحیح مسلم ج ۱ کتاب الایمان)

کہ اللہ تعالیٰ کی بندگی اس طرح کر کہ گویا تو اسے دیکھ رہا ہے، اگر تو اسے نہیں دیکھ رہا تو وہ تو تجھے دیکھ رہا ہے، احسان کا یہ لفظ اور اچھا ہے کہ ”گو اللہ کو دیکھ رہا ہے“ ایسی کہنیت اور اوق حاصل ہو جاتا ہے (اخلاص و وحدت کے نتیجے میں) کہ موجودات کے ہر جلوے میں، کائنات کے ہر ذرے سے جس اللہ تعالیٰ جلوہ نما نظر آتے ہوں قبول مجھے۔

جہاں کے دار سے سے عیاں ہیں جہ سے جلوے  
نظر کھوش؟ نہیں سکا کھانا ہے کہاں تیرا  
اس مقام میں سا کمال پہنچنے پر کون چلے دل میں پہنچتا ہے، اس کا دل تجلیا تہ ربانی کی جلوہ گاہ بن جاتی ہے۔  
تھوڑا کوئی دم کوئی دوسرا نہیں ہے  
باتیں تو ہیں ہر دم تیرا دلا نہیں ہے

یہ مقام تو بڑے فیصلہ ورانہ کو حاصل ہوتا ہے جو جلوہ نفس اور شیطان سے مقابلہ کے میدان کے چر سے چر سے جدا اور اور مرد و میدان کو ہے جس کی وجہ تو جو عقلی کار پر مقام ہے بعد کے اور اس تصوف میں اس سطح میں وحدت الوجود، وحدت الوجود و کسے نام سے اصطلاحات و حدود میں آئیں اور مشرق صوفیاء نے اس کی تفصیلات سے علوم کے دریا بہا دیے کتابی بحر دہیں دیکھا شکاف و دار و اسے لکھنے سے کیا کیا سرایت ہو چکے کون کون دکان کے دار کا مال کئے، شیخ اکبر کی تفسیرات و تفہیم الہام تو حیات کی فیر و کش اس سطح میں بڑے گہر سے سر اور اور موزوں کیے گئے ہیں، مگر شیخ صاحب عارفی و رابطہ کے احکامات اور وحدت الوجود و تفہیمات تصوف کا ایک اور ذرا دکھائی ہیں، اور مرتبہ احسان کا وہ اور ہے جس کو حدیث میں ”اگر تو اسے نہیں دیکھ رہا تو وہ تو تجھے دیکھ رہا ہے“ سے تعبیر کیا ہے گویا یہ ہے کہ عقلی طور پر اللہ تعالیٰ کی معیت و ہدایت کا انتظار نہ کئے اور ہر عمل میں بہت سے اخلاص پیدا کر کے احسان کا وہیہ پر سلطان ”معمولیٰ قبول اور انجام سے حاصل کر سکتا ہے، تصوف کی ارتقا و حدیث ”اصلاح احوال و اصلاحات“ سے ہوتی ہے، اگر احوال کا دار و دار بنیاد ہے۔ اس نے ساک (تصوف) و سلوک کے راستے پر سفر کرنے والا سب سے پہلے ہر عمل میں اپنی بہت کی سمجھ اور بہت میں اخلاص پیدا کرنے کا انجام کر کے اور تصوف کی اچھا اور عقلی مرتبہ احسان کے حصول پر ہوتی ہے جس کا حدیث ہر عمل میں ذکر ہے اس مقصد کے لئے مشافہت سارے جلوے سے کرتا ہے جس سے ذکر انیاں ہوتی ہیں وہ تمام طاقت اور کلا سے کہ اس کا انجام کر لیا جاتا ہے اور اگرچہ یہ ہے کہ جانتا نفس اس طرح اچھا نہیں اور مگر انیوں کے بغیر جابہ میں نہیں آتا مگر عقلی نہیں، لہذا تاہم تاہم سے وہی عقلی خود تصور نہیں، بلکہ تصور میں معادن اور تصور کے حصول کا ذریعہ ہیں۔

اسی وجہ سے صحابی کا لقب اور صحابیت کا منصب اس قدوسی جماعت کی پہچان اور ان کا سرمایہ افتخار قرار پایا، صحابی کے لفظ میں سارے روحانی کمالات اور عظمت و سعادت کے سارے مقامات سموئے ہوئے ہیں، یہ لقب نبوت کے بعد ہدایت کے ارتفع و اعلیٰ ترین مقام کا عنوان جلی ہے، چنانچہ خود صحابہ کرام مجاہد بھی تھے اور ایسے مجاہد کہ چار دانگ عالم میں جنہوں نے اسلام کا سکہ بٹھایا اور گمراہیوں کے اندھیاروں میں آسمانی ہدایت کا ڈنک بجا دیا بقول اقبال۔

دشت تو دشت ہے دریا بھی نہ چھوڑے ہم نے  
بہر ظلمات میں دوڑاویسے گھوڑے ہم نے

اور

دیں اذانیں، کبھی یورپ کے کھیساکاں میں  
کبھی افریقہ کے پتے ہوئے صحراؤں میں

### صحابہ کی مختلف شانیں اور کمالات

اس طرح صحابہ خلیفہ، حاکم وقت، گورنر، فوجوں کے سپہ سالار، لشکروں کے کمانڈر و جنرل، ریاستی، انتظامی اور سیاسی قوانین کے مدون و مقنن تھے۔ بڑے بڑے ہاجرت شہنشاہوں اور قیصر و کسریٰ کے درباروں میں اسلامی سلطنت کے سفارتکار اور سفیر بھی بن کر گئے، اور ان خالص دنیوی و مادی مناصب اور کشور کشائی و جہان بانی کے عہدوں پر فائز ہو کر اپنی لیاقت، صلاحیت، مہارت اور قابلیت کے جس طرح کے جوہر انہوں نے دکھائے دنیا آج تحسین شمس و قمر کے دور میں بھی ان سب میدانوں میں ان کا لوہا نہاتی ہے اور اس کا عشرِ عشر بھی پیش نہیں کر سکتی۔

اسی طرح صحابہ حافظ قرآن، قاری، محدث، مفسر، مبلغ، داعی، راویوں کے رہبان، دونوں کے غازی و فرسان، دلفیہ، مجتہد، علمی مجالس کے معلم، تعلیمی حلقوں کے مدرس، منیر و مہراب کے بہترین خطیب و داعی بھی تھے، جن میں سے ہر ہر لقب شرف و کمال کا مستقل عنوان ہے لیکن خود اللہ تعالیٰ نے قرآن میں، نبی علیہ السلام نے اپنی احادیث میں اور سلف سے خلف تک پوری

امت نے ان کی پوری پوری تعریف، تعارف اور پہچان کے لئے جو لقب چنا وہ صحابی کا لقب ہے جو صحبت سے نکلا ہے اور نبی کی صحبت اٹھانے کی وجہ سے ان کو ملا ہے۔

یہ ایک لفظ ہی اپنے اندر انسانی سعادتوں اور کمالات کی وہ ساری تفسیریں سمیٹے ہوئے ہے جو صحابہ کو حاصل تھیں چنانچہ پھر دیکھئے کہ صحابہ کے بعد کے طبقات میں، امت میں بڑے بڑے فقہ، امام ابوحنیفہ و شافعی جیسے، بڑے بڑے محدث، امام بخاری جیسے، بڑے بڑے مفسر، امام رازی، طبری اور ابن کثیر جیسے، چوٹی کے مجاہد، صلاح الدین ایوبی جیسے، بڑے بڑے واعظ و خطیب، ابن جوزی جیسے، بڑے بڑے متکلمین اور اسلام کے ترجمان، امام غزالی جیسے، بڑے بڑے صوفی اور زاہد شہلی و بایزید اور جنید جیسے آئے اور اپنے اس خاص میدان میں عزیمت و عظمت کی تاریخ رقم کرنے کی وجہ سے وہ اپنے اپنے شعبہ میں امت کے امام و پیشوا بنے، اور اپنے دائرہ عمل کے مناسب لقب سے معلق ہوئے۔

کوئی محدث کہلا یا اور کوئی فقہ، کوئی مفسر تو کوئی صوفی و زاہد بلکہ امت نے اسی لقب سے ان کی عظمت کے گن گائے لیکن یہ ان کمالات کی وجہ سے صحابہ والے کمال سے بازی نہ لے پاسکے اور کیونکر بازی لے پاسکتے تھے جب خود صحابہ رضی اللہ عنہم میں بھی یہ سارے کمال ہونے کے باوجود ان کا صحبت والا شرف ہی ان کے لئے درجہ امتیاز قرار پایا تھا۔ بعد کے زمانے میں جب (ان مقاصد کے تحت جن کا پیچھے ذکر ہو چکا ہے) تصوف کا مستقل ادارہ وجود میں آیا تو اس میں اصلاح و تزکیہ کے عمل میں صحبت کی بنیادی اہمیت رہی اور آج بھی مشائخ تصوف کے ہاں اس کی یہی اہمیت ہے۔ صحبت ہی سے اللہ والے بزرگان دین و مشائخ جو اللہ کے رنگ میں رنگے ہوئے ہوتے ہیں ان کا یہ رنگ مریدین صادقین پر منتقل ہوتا ہے اور بتدریج مرتبہ احسان کی طرف وہ گامزن ہو جاتے ہیں حضرت شیخ شرف الدین یحییٰ منیری درمطابق معروف مکتوبات صدی میں ایک موقع پر فرماتے ہیں:

”صحبت بھی ایک بڑی اہم چیز ہے اور طبیبوں میں صحبت کی غیر معمولی تاثیر ہوا

کرتی ہے یہاں تک کہ باز جوا یک پرندہ ہے آدمی کی صحبت میں دانا ہو جاتا ہے اور طوطا بولنے لگتا ہے، تربیت سے گھوڑے انسان کی صحبت میں رہ کر حیوانیت چھوڑ دیتے ہیں اور آدمی کی عادتیں اختیار کر لیتے ہیں، مشائخ و مراد کے یہاں صحبت فریضت کا دھبہ رکھتی ہے اور ان سب کی اصل بنیاد یہی ہے کہ نفس سرکش عادات کا تابع ہوتا ہے اس کو اسی سے آرام و سکون حاصل ہوتا ہے یہ جس گروہ کی صحبت اختیار کرے گا انہی کے افعال کو اپنائے گا (مرد خاص و عابد)۔

## خیر القرون میں تصوف کے لئے زہد کی اصطلاح

صحابہ و تابعین کے ادوار میں تصوف کے باب کی تعبیر ہمیں زہد کے عام اور جامع عنوان کے تحت ملتی ہے، خیر القرون کے تینوں طبقوں کے عامۃ المسلمین عموماً اور اہل علم و فضل حضرات فقہاء، محدثین اور مفسرین خصوصاً اسی زہد کے رنگ میں رنگے نظر آتے ہیں، ان کی سیرت و سوانح کے مطالعہ سے واضح نظر آتا ہے کہ یہی زہد ان حضرات کے مزاج کا عمومی رنگ ہے، ان کے ذوق و ترجیحات پر اسی کی چھاپ لگی ہوئی ہے، ان کے اقوال و افعال اور عادات و اطوار کی صدائے بازگشت میں اسی کی گونج سنائی دیتی ہے۔

اس زمانہ میں خیر غالب تھی پورا اسلامی معاشرہ نیکی اور بنداری کے رنگ میں رنگا ہوا تھا بشریت کے مقاصد اور دین کے احکام کا شعور عام تھا، ہمتیں بلند تھیں، جذبے جوان تھے، دلوں کی آگیں شعلیں محبت و معرفت کی آگ سے آتش تھیں، تقویٰ و طہارت اور اخلاص و التمسیت نے گھر گھر ڈیرا ڈالا ہوا تھا، دین کی فخر و شامت اور اسلام کی سر بلندی زندگی کا بڑا مقصد تھی، کسی منکر اور خلاف شرع بات کا ارتکاب معاشرتی سطح پر اتنا بڑا جرم تھا کہ جس کا تہائی میں ارتکاب کرنے والے کو بھی کئی بار سوچنا پڑتا تھا کہ اس کا نتیجہ کیا نکل سکتا ہے؟ ۱

مسلمان معاشرہ عمومی طور پر انفرادی و شخصی زندگی میں بھی اور اجتماعی و معاشرتی زندگی میں بھی احساسِ ذمہ داری کا حامل تھا اور ملتِ مسلمہ ہونے کی حیثیت سے قرآن مجید میں اور نبی علیہ السلام کی احادیث میں ان کا جو فرضِ منصبی متعین کیا گیا تھا اور آخری آسمانی برحق دین کے حامل ہونے کی وجہ سے شارع کے ان سے جو مطالبات تھے اور اس آسمانی شریعت کے جو مقتضیات تھے ان کا وہ گہرا شعور رکھتے تھے، اور اسی ہم منظر میں انہوں نے ترجیحات کی تعیین کر کے اپنی زندگی کو خیرِ الہام کے سانچے میں ڈھال لیا تھا۔

اس لئے دین کے ہر شعبے کا الگ الگ رنگ بھی خیر القرون کے معاشروں میں اسی طرح نمایاں تھا جس طرح دین اسلام کا مجموعی مزاج اور تمام شعبوں کے مجموعے کا مزاج ان کے ایک ایک فرد کی ایک ایک اداء سے جھلکتا تھا، اور ایک ایک عمل میں چمکتا تھا، اور چونکہ تصوف ابھی باقاعدہ ایک فن اور مستقل اسلامی شعبہ کی صورت میں تشکیل پذیر نہ ہوا تھا اس کی الگ فنی اصطلاحات مرتب و مقرر ہوئی تھیں، نہ الگ سے کتب تصوف کی تدوین ہوئی تھی اور نہ ہی اس کا اس طرح نصاب و نظام وجود میں آیا تھا جو بعد کی صدیوں میں سلاسل اور بعد سہروردیہ، قادریہ، وغیرہ اور دیگر سلسلہ ہائے تصوف میں نظر آتا ہے (جس طرح کہ فقہ اور علم کلام میں بھی یہ ترتیب، تنظیم، تقسیم و تدوین بعد میں بتدریج ہوئی) لیکن تصوف کی روح اور حقیقت یعنی دلوں کی صفائی اور تزکیہ اور تعلق مع اللہ کی دولت وہ شروع سے ہی موجود تھی،

### ﴿ گزشتہ صفحے کا نتیجہ حاشیہ ﴾

اور خلافت عباسیہ کا ابتدائی دور بوزان خیر القرون کے محاصرے میں ادارہ میں بہت دفعہ خلافت و حکومت کے ادارے میں جو کھلاڑ بھاڑ ہوئی اور سیاسی امور چمکاؤ آتے رہے، جس میں خونِ طراب، بدمعاشی اور گم ہوشی بھی کئی خلافِ شرع چیزیں عام نظر آتی ہیں، اس کے اثرات کثرت و کثیفیت دونوں اعتبار سے محدود و مخصوص تھے، جو کچھ اثرات اس کے پھیلے وہ سیاسی رخ کے تھے، بہت کی غالب اکثریت اور سوا اعلیٰ جماعت و اہل سنت و اہل اجماعت سے عبارت ہے اس کی معاشرتی قدریں صحابہ، تابعین، تبع تابعین ان تین طبقوں کے سامنے میں آتی تھیں، گہری اور شیوہ تھیں اور اہل علم و فضل کے اثرات اور ان کی سیرت و گفتاری اور حریمت کے نقوش ان معاشروں پر اسے انہوں طرح سے ثبت تھے کہ سیاسی ادارے میں دیکھا فوٹا، ٹھنڈے، یونین جھونپال اور بادھر صر کے ٹیڑھے ٹھنڈے ایک جی جادوئے کی طرح آکر گڑا رہا ہے۔



اور اسلامی معاشرے میں سرایت کی ہوئی تھی۔

اصطلاحات تو محض تعلیم و تہذیب کی آسانی کے لئے مقرر ہوئیں۔ اور مخصوص طریقہ کار یا نظام کی سہولت کے لئے بعد میں آہستہ آہستہ وجود میں آیا اور نہ بعد کے ادوار میں بھی اہل حق صوفیہ کا مقصود تصوف کی وہی روح اور حقیقت ہی تھی جو زمانہ خیر القرون سے ایک تسلسل کے ساتھ چلی آ رہی تھی، اور شریعت کے چشمہ صافی سے ماخوذ تھی، مگر یہ روح اور حقیقت ہاتھ نہ آئے تو محض اصطلاحات فن اور رسمی ضابطوں میں کیا رکھا ہے؟

## صحابہ کرام کے زہد کے کچھ نمونے

مرحبہ احسان کا لازمی اثر دنیا سے بے رغبتی یعنی زہد اور ہر دم اللہ تعالیٰ سے لولگائے رکھنے کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے خیر القرون میں یہ دولت سب زمانوں کے مقابلے میں زیادہ عام تھی اور بعد میں مشائخ تصوف نے ہر زمانے میں اس کو پورے طور پر زندہ رکھا اور اسلامی معاشرے میں اس کو عام کرنے کے لئے کوشاں رہے۔ بادشاہوں کے درباروں سے لے کر ایک فاقہ مست مسلمان کی جھوپڑی تک یہ دولت عام کرتے رہے۔

سلف میں زہد کی دولت کس قدر عام تھی اس کا اندازہ امام محدث عبداللہ ابن مبارک کی کتاب الزہد، امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کی کتاب الزہد اور اسی طرح امام ابو یوسف (المعروف ابن ابی الدنیا) کی کتاب الزہد سے لگایا جاسکتا ہے یہ دوسری اور تیسری صدی ہجری کے بزرگ ہیں انہوں نے صحابہ و تابعین سے لے کر اپنے زمانے تک سلف کے اقوال اور احوال ابن کتابوں میں جمع کئے ہیں، جس سے زہد کے ایسے بے مثال نمونے سامنے آتے ہیں کہ آج کی ماوجہ خالصہ کے عہد میں اس کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا، یہ بہر حال ہمارا ہی بھولا ہوا سبق ہے، چند نمونے ملاحظہ ہوں۔

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ اپنی سند سے (جو کتاب الزہد میں پوری لکھی ہوئی ہے) نقل فرماتے

ہیں کہ:

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ روپا کرو (اللہ تعالیٰ کی محبت و عظمت اور موت کے بعد پیش آنے والے مشکل مرحلوں کی ہولناکی سے) اگر روٹا نہیں آتا تو رونے والوں کی صورت ہی نکالیا کرو۔ دوسری سند سے نقل فرمایا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ایک موقع پر فرمایا کاش میں مومن آدمی کے پہلو کا ایک ہال ہوتا (جس کو حساب کتاب کا ڈرنیکس)

ایک اور سند سے نقل فرمایا کہ:

ایک صحابی حضرت اسلم رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اس حال میں دیکھا کہ اپنی زبان کو ہاتھ سے پکڑا ہوا تھا اور فرما رہے تھے کہ یہ مجھے ہلاکت کی گھنٹی میں لے جانا چاہتی ہے۔

ایک اور سند سے نقل فرمایا ہے کہ:

جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا مرض الوفا شروع ہوا تو اپنی بیٹی ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ میرے یہ دو کپڑے (جو استعمال میں تھے) دھو کر انہیں میں مجھے کفن دینا اس لئے کہ نئے کپڑوں کے زندہ لوگ مرنے والوں سے زیادہ محتاج ہیں (کتاب زاد المعاد میں باب مذہبی بکر علیہ السلام)

ابن ابی دنیا کتاب الزہد میں اپنی سند سے نقل فرماتے ہیں کہ:

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اپنے خطبے میں فرمایا کرتے تھے کہاں گئے وہ حسین و جمیل چہروں والے جنہیں اپنی جوانی و محبت پر ناز تھا؟ کہاں ہیں وہ بادشاہ جنہوں نے بڑے بڑے شہر آباد کئے اور انہیں دیواروں کے ذریعے قلعوں کی طرح محفوظ کر دیا؟ وہ لوگ کہاں گئے جو ہمیشہ میدان جنگ میں غالب رہتے تھے؟ حوادث زمانہ نے انہیں مٹا کر رکھ دیا جتنا نچہ وہ سب کے سب قبر کی تاریکیوں

میں جا بیسے، جلدی کرو، جلدی کرو، نہایت حاصل کرو، نہایت حاصل کرو۔

خلیفہ وقت حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے ایک ستر کا واقعہ نقل کرتے ہیں کہ:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایک سیاہی مائل اونٹ پر سوار ہو کر مقام جابیہ تشریف لے گئے۔ ٹنگے سر ہونے کی وجہ سے دھوپ کی قنارت سے سر چمک رہا تھا، رکاب نہ ہونے کی وجہ سے پاؤں مبارک کھاوے کے دونوں طرف لٹک رہے تھے اور ایک اونٹنی چادر زین کے طور پر اونٹ پر ڈالی ہوئی تھی پڑاؤ کے وقت وہی چادر بستر بن جاتی ایک تھیلا جس میں کھجور کی پھال بھری تھی ستر کے دوران تھیلے کے طور پر اور پڑاؤ کے وقت ٹنگے کے طور پر استعمال میں تھا، ایک سو فی کرہ جو میلا پھیلا ہو چکا تھا پہنے ہوئے تھے جو کہ کئی جگہ سے پھٹ بھی چکا تھا، فرمانے لگے یہاں (مقام جابیہ) کے امیر (حاکم علاقہ) کو بلاؤ، آنے پر فرمایا کہ میرا کرتہ دھلو اور اسے پیوند بھی لگا دو اور عاریہ مجھے کوئی کرتہ پا کیزا جسم ڈھا پینے کے لئے دے دو، حسب حکم کتان کپڑے کی ایک قمیص پیش کی گئی تو فرمایا یہ کیا ہے بتایا گیا کتان ہے فرمایا کتان کیا چیز ہے لوگوں نے بتا دیا تب آپ نے اپنا کرتہ اتار کر وہ پہن لیا جب اپنا کرتہ دھل کر پیوند لگ کر آ گیا تو وہ پہن لیا اور یہ کرتہ واپس کر دیا۔

## علامہ اقبال کے ہاں زہد کی متبادل تعبیریں

یہ زہد کیا ہے؟ اس کو ہم فقر سے بھی تعبیر کر سکتے ہیں اس کی حقیقت دنیا سے بے رغبتی ہے اور نفس کے خواہشات کی قید سے آزاد ہو کر ملکوتی شان کے ساتھ عبادت و بندگی سے معمور زندگی گزارنا ہے، بلور نفس کی نگرانی اور اس کا ہر وقتی محاسبہ کرتے رہنا ہے، علامہ اقبال کے فارسی اور اردو دونوں قسم کے کلام میں فقر اور خودی کی مدح و ستائش اور صدر اسلام کے مسلمانوں کا فقر اور خودی کے صفات سے موصوف ہونے کا جو نہایت دل آویز تذکرہ ہے اور

موجودہ مسلمانوں کو بھی اپنے اندر فقر اور خودی کا جو ہر پیدا کرنے کی پرزور دعوت ہے، وہ اسی حقیقت کے گرد گھومتی ہے، اور اس کے پہلو پہ پہلو اقبال نے جو رنگی چیری مریدی اور مختلف خرابیوں پر مبنی خانقاہی نظام پر تنقید کی ہے وہ اسی انحطاط یافتہ اور زوال پذیر تصوف پر تنقید ہے، جس کا پیچھے ہم نے تذکرہ کیا ہے، تصوف کا اصل مرکز قلب اور دل ہے، قلب جب سلیم ہوتا ہے تو زہد و فقر اس کا شعار ہوتا ہے، یہی قلب سلیم خداوند قدوس کی تجلیات کی جلوہ گاہ، شریعت کو مطلوب اور قرآن کی آواز ہے قرآن مجید میں ارشاد ہے کہ:

”إِنَّمَنْ اتَّقَى اللَّهَ يَغْلِبْ عَلَيْهِ“ (شعراء ۸۹)

کہ جو اللہ تعالیٰ کے پاس قلب سلیم لے کر آئے وہی مراد کو پائے گا۔

غیرالقرآن میں نبی علیہ السلام کے فیضِ صحبت سے صحابہ کو اور صحابہ کے فیضان اور نفوسِ گرم کی تاثیر سے تابعین اور تبع تابعین کا قلب سلیم کی دولت عطا ہوئی تھی، اور اس قلب سلیم میں زہد و فقر کی پانچوں ان کا سرمایہ حیات تھا، اس زہد کی وجہ سے وہ فقیری میں بادشاہی اور بادشاہی میں فقیری کرتے تھے، بقول اقبال ۔

آں مسلماناں کہ میری کردہ اندر      در شہنشاہی فقیری کردہ اندر

## مستشرقین کی مغالطہ آمیزی

زہد کا محرک بھی دیگر شرعی محرکات کی طرح قرآن مجید کی تعلیمات اور نبی کریم ﷺ کا ہر اطرز زندگی آپ کا انداز تربیت اور احادیث مبارکہ کی شکل میں آپ کے ارشادات ہیں، مستشرقین (Orientalist) یعنی ”اسلامی علوم و فنون اور لٹریچر کے مغربی فضلا و ماہرین“ اس باب میں بھی بہت دور کی کوڑی لائے ہیں وہ اسلامی معاشرے میں تصوف کے آغا و شیوخ کی کڑیاں کہیں سنبھال رہا نہایت سے ملاتے نظر آتے ہیں۔ ۱۔

۱۔ غلط ہو گلدز زہر (Goldzisher) کے تصوف کے متعلق مہاسط ”التصوف الاسلامی جلد دوم“ لکھتے ہیں کہ ”غیرہ کے تجربے کو لے کر“ ”مذہب الی تصوف الاسلامی“ میں۔

اور کہیں یونانی لواط لطونیت سے اور کہیں ہندی جوگ اور بدھ مت سے۔ یہ ان کا فریب و نظر ہے، کیونکہ خود نبی علیہ السلام کے ارشادات میں رہبانیت کی نفی موجود ہے، اور قرآن مجید کی سورۃ حدید میں رہبانیت کے حوالے سے نصاریٰ کی بے اعتدالیوں اور اس باب میں انجیل کی تعلیمات سے ہٹ کر ان کی خود ساختہ یہ روایت ڈالنے کا اور پھر اس کو ہاد نہ کئے کا ذکر ہے۔ ۱۔

قرآن وحدیث کی ان تعلیمات کے سامنے ہوتے ہوئے مسلمانوں سے یہ کیسے ممکن ہے کہ وہ زہد کی شاہراہ پر گامزن ہوں تو قرآن وحدیث کی صاف شفاف تعلیمات اور ہدایات کو چھوڑ کر جہاں ”کُلُّهُنَّ کُفَّهَارُهَا“ کی شان پائی جاتی ہے اس باب میں گمراہ مسیحیوں کی ایک خود ساختہ بدعت اور ان کے کھوئے سکول پر فریفتہ ہو جائیں جس کی ایمان و عرفان کے بازار میں کوئی قدر و قیمت ہی نہیں؟

قرآن مجید میں درج اور تقویٰ پر ابھارا گیا ہے دنیا اور اس کی رنگینوں کی بے ثباتی کا بہت سوٹر اور دل آویز نقشہ چاہجا کھینچا گیا ہے اور گرد و پیش میں پھیلی ہوئی واقعاتی ، کائناتی ، مثالوں اور انسان کے رات دن کے مشاہدات کے تناظر میں دنیا کی حقیقت ذہن نشین کرائی گئی ہے ، اور ان رنگینوں سے کنارہ کش رہنے کی تلقین کی گئی ہے ، اور دنیا کی بے ثباتی و بے وقعتی اور آخرت کی عظمت ، شان کو مختلف جہات سے سمجھایا گیا ہے ، اور موت کے بعد کے حقائق اور آخرت و قیامت کے ہولناک واقعات کا بیجا جامنا نقشہ کھینچا گیا ہے ، ان حقائق کی ایسی سوٹر منظر کشی کی گئی ہے کہ روح آخرت کی رغبت و فکر سے لبریز ہو جاتی ہے ، اور دل لرز جاتے ہیں ، اگر دل میں ایمان و یقین کی پونجی موجود ہو تو قرآن کے آئینے میں یہ کچھ ملاحظہ

١. ثُمَّ لَقَيْنَا عَلَى الْارْحَمِ بَرْنِيلًا وَلَقَيْنَا بَعْضَ الْفِرْقَةِ الْاِنْجِلِ وَخَلَعْنَا فِي قُلُوبِ الْيَمِينِ النُّفُوزَ وَالْاُذُنَ وَزَعَيْنَا وَزَعَيْنَا الْبَدَنُوهَا عَا حَمَلْنَاهَا عَلَيْهِمْ اِلَّا الْيَتَامَ وَخَوَّانَ الْهَلَاكِتَ وَخَوَّانَ عَلَ وَخَوَّانَ فَالْتَمْنَا الْيَمِينَ اَتَمْنَا مِنْهُمْ اَجْرَهُمْ وَخَمَّرْنَا مِنْهُمْ فَايُفُوزَ (سورة الحديد، رقم الآية ٢٤)

کرنے کے بعد دنیا کی وقعت اور اس کی رنگینیوں اور جولاہیوں کی کوئی قدر و قیمت لگا ہوں میں نہیں رہتی، اس ساری مظہر کشی کے پہلو پہ پہلو قرآن نے مختلف عبادات نماز، روزہ، حج، قیام اللیل، استغفار، ذکر، ثابت و رجوع الی اللہ کی صورت میں اپنے احکامات اور مطالبات رکھے ہیں اور موجودیت و بندگی کے آداب اٹلائے ہیں، عباد الرحمن یعنی اللہ کے نیک بندوں کی صفات اٹلائی اور گمراہی میں کہ بندے میں بندگی اور عہدیت کی شان ہونی چاہئے اس طرح انبیائے سابقین اور سابقہ امتوں کے مومنین صالحین کے احوال بیان کر کے نیکی اور خدا پرستی کا عملی نمونہ پیش کیا ہے، مزید قرآن جنت اور اس کی نعمتوں اور جہنم اور اس کی مصیبتوں کا آنکھوں میں کھوسا ہوا نقشہ پیش کرتا ہے، جس سے ایک مسلمان میں جنت کے حصول کے لئے جنتیوں کے اعمال کی رغبت اور جہنم سے بچنے کے لئے جہنمیوں کے اعمال کی نفرت و کراہت پیدا ہوتی ہے۔

اس کا دل خوف اور امید دونوں سے لبریز ہو جاتا ہے، یہ خوف بھی قوی ہو کر اپنا اثر دکھاتا ہے اور امید بھی حوصلے پر حوصلہ بڑھاتی ہے اس امید اور خوف کے درمیان درمیان ہی ایمان ہے، یہی چیز زندہ کو پیدا کرتی اور بڑھاتی ہے خود احتسابی پر بھی انسان کو آمادہ کرتی ہے، یہی تصوف کی حقیقت ہے، اور خیر الفردن میں یہی ہر گھر کی دولت، ہر فرد ہر دل کی پونجی تھی، اور معاشرے کی زندہ قوت تھی، بس تصوف کا مخصوص نام نہیں تھا، اور یہ اصطلاحات نہیں تھیں، جو بعد میں اہل تصوف میں رائج ہوئیں، اور نام سے کیا ہوتا ہے، اصل تو کام ہے وہ حاصل ہے تو سب حاصل ہے، وہ حاصل نہیں تو نام سے کچھ حاصل نہیں۔

كُلُّ يَدْعِي وَصَلًا بِلَيْلِي      وَلَيْلِي لَا يَفْقَرُ لَهُمْ بِذَاكَ

آگ اس کی پھونک دیتی ہے ہر برتاؤ کو  
لاکھوں میں ایک بھی ہو اگر صاحب یقین

## (باب پنجم)

## تصوف عہد بہ عہد

(خیر القرون کے عہد سے فقیرانہ تاریخ)

## صحابہ و تابعین کے بعد کے صوفیائے عظام

چوتھی صدی کے آخر تک عہد بعد جو بزرگ تصوف و سلوک کے راہوں کے راہی اور تہذیب و روشی کے قافلے کے رہبر اور مہر کارواں بننے رہے جو صدق و صفاء، اخلاص و عزیمت کے میدان کے شہسوار اور توحید و معرفت کے ناپید اکثار سمندر کے شکار تھے، اور امت نے ان کو سر آنکھوں پر بٹھایا، ان میں زیادہ مشہور ذیل کی ہستیاں ہیں۔

(۱)..... شیخ حسن بصری (م ۱۱۰ھ) تصوف کے چار مشہور سلسلوں میں سے نقشہ بند یہ کے علاوہ باقی تینوں کی نسبت ان ہی کے واسطے سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچی ہے۔

(۲)..... امام سفیان ثوری (عظیم محدث بھی ہیں، متوفی ۱۶۱ھ)

(۳)..... شیخ الصوفیہ عبدالواحد بن زیاد (متوفی ۱۷۰ھ)

(۴)..... حضرت حبیب عجمی (شیخ حسن بصری کے ہم عصر)

(۵)..... حضرت دلف و طائی (متوفی ۲۰۶ھ)

(۶)..... حضرت ابراہیم بن ادھم (متوفی ۱۶۲ھ)

(۷)..... حضرت فضیل بن عیاض (متوفی ۱۸۷ھ)

(۸)..... حضرت علی (حضرت فضیل بن عیاض کے بیٹے)

- (۹)..... شیخ شفیق الحئی (متوفی ۱۷۴۳ھ)
- (۱۰)..... شیخ یوسف بن اسحاق (متوفی ۱۹۵ھ)
- (۱۱)..... شیخ معروف کفئی (متوفی ۲۰۰ھ)
- (۱۲)..... شیخ ذوالنون مصری (متوفی ۲۲۵ھ)
- (۱۳)..... شیخ بشر حافی (متوفی ۲۲۷ھ)
- (۱۴)..... شیخ ابوسلیمان دارانی (متوفی ۲۱۵ھ)
- (۱۵)..... شیخ باجید بسطامی (متوفی ۲۶۱ھ)
- (۱۶)..... شیخ سری سطلی (متوفی ۳۵۳ھ)
- (۱۷)..... شیخ حارث مجاہدی (متوفی ۲۲۳ھ)
- (۱۸)..... شیخ جنید بغدادی (متوفی ۲۹۸ھ)
- (۱۹)..... شیخ حاتم اسم (متوفی ۲۲۷ھ)
- (۲۰)..... شیخ محمد بن عبداللہ ابوبکر الدقاق (متوفی ۲۹۰ھ)
- (۲۱)..... شیخ ابو جعفر منصور الصوفی (متوفی ۲۵۹ھ)
- (۲۲)..... احمد عبدالجبار الرمثی (متوفی ۳۲۸ھ)
- (۲۳)..... شیخ الصوفی محمد بن داؤد (متوفی ۳۳۲ھ)
- (۲۴)..... محمد بن داؤد ابوبکر الصوفی (متوفی ۳۶۰ھ)
- (۲۵)..... ابو عمر الزاهد (متوفی ۳۶۰ھ)
- (۲۶)..... منصور بن عبدالوہاب الصوفی۔ رحمہم اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین۔

## دوسری تیسری صدی ہجری کی اہم کتب تصوف

ان صدیوں میں جو محیر القردان اور اس کے بعد قریبی دور پر مشتمل زمانہ ہے، جو اہم اور قابل



ذکر تصنیفی کام، تصوف کے باب میں اس شعبہ کے ائمہ صوفیاء کی جانب سے ہوا، اور جن میں سے کئی کتابوں کی اہمیت، شہرت اور ترجیح آج تک برقرار ہے، درج ذیل ہیں:

- (۱)..... شیخ حسن بصری (متوفی ۱۱۰ھ) کی ”کتاب الاخلاص“
- (۲)..... عظیم محدث عبداللہ بن مبارک (۱۸۱ھ) کی ”کتاب الخرج“
- (۳)..... امام احمد بن حنبل (۲۴۱ھ) کی ”کتاب الخرج“
- (۴)..... ابو عبداللہ محمد بن زیاد (۲۳۱ھ) کی ”کرامات الاولیاء“
- (۵)..... ابو سعید کی ”کتاب الادب“
- (۶)..... ابو عبداللہ محمد بن زیاد (۲۳۱ھ) کی ”مقام الاولیاء“
- (۷)..... شیخ یحییٰ بن معاذ رازی کی ”کتاب المریدین“
- (۸)..... شیخ حارث بن اسد الحاسبی (۲۷۳ھ) کی ”کتاب الفکر والاعتبار“  
اور ”رسالہ السیر شریف“
- (۹)..... ابن ابی الدنیا کی ”کتاب الخرج“ ”کتاب الاخلاق“ ”کتاب  
التقویٰ“ ”کتاب مکارم الاخلاق“ ”کتاب مکامہ طہیطان“
- (۱۰)..... شیخ ابو جزمہ البصری (۲۸۹ھ) کی ”مکتاب المصمین“ ”العباد المخصوصین“
- (۱۱)..... ہشام القاری (۳۹۲ھ) کی ”کتاب التوکل“
- (۱۲)..... شیخ ابوالحسن احمد بن محمد انوری الصوفی (۴۹۵ھ) کی ”کتاب القلوب“
- (۱۳)..... شیخ جنید بغدادی کی ”کتاب الرسائل“ ”کتاب احوال القرآن“۔

یہ زیادہ تر تیسری صدی ہجری کا سلوک و احسان کے باب میں تصنیفی کام ہے۔

## چوتھی صدی ہجری کی قابل ذکر کتب تصوف

چوتھی صدی کی اہم سب تصوف جو بعد کے زمانوں میں تصوف کے سلسلوں کے لئے ماخذ کی

حیثیت رکھتی ہیں، یہ ہیں:

- (۱)..... شیخ ابونصر سراج طوسی (۷۷۸ھ) کی ”کتاب المبع فی التصوف“
  - (۲)..... شیخ ابوبکر محمد بن ابراہیم بخاری (۷۸۰ھ) کی ”کتاب التعرف“
  - (۳)..... شیخ سہل بن عبد اللہ تسری کی ”مواہد العارفین“
  - (۴)..... شیخ ابوعالی بنی (۷۸۶ھ) کی ”قوت القلوب فی معاملۃ الخوہ“
- اور ”وصف طریق المرید الی مقام التوحید“

## پانچویں صدی ہجری کا متصوفانہ لٹریچر

اس صدی ہجری کی معرفت کتب یہ ہیں:

- (۱)..... شیخ محمد بن حسین نیشاپوری (۸۱۲ھ) کی ”طبقات الصوفیہ“ یہ کتاب اس بات کا دستاویزی ثبوت ہے کہ سلف صالحین میں علم و فن کے ہر میدان حدیث، تفسیر، فقہ، اصول فقہ وغیرہ کے حاملین کا طبع زہد و فقر اور تزکیہ باطن کی بھی پوری پوری جمع پونجی اپنے دل کے کمرے میں رکھتے تھے، اور معرفت و حقیقت کی بلند سے بلند نسبتوں کے حامل تھے۔

- (۲)..... عظیم محدث ابوجیم (۸۳۰ھ) کی ”حلیۃ الاولیاء و طبقات الاصفیاء“ (کئی عظیم جلدوں میں ہے، اردو میں مترجم شائع ہو چکی ہے)

- (۳)..... محدث امام نکاتی (۸۵۸ھ) کی ”کتاب الزہد“
- (۴)..... امام عبدالکریم قشیری (۸۶۵ھ) کا ”رسالہ قشیریہ“ اور ”مدارج الاخلاص“

- (۵)..... غزنی سے لاہور آ کر ایمان واپچان کی شمع اس علمیت کدہ ہند میں فروزاں کرنے والے عظیم بزرگ اور سرخیل اولیاء شیخ ابوالحسن علی ہجویری (۸۷۰ھ) کی

”کشف المحجوب“

(۶)..... خواجہ عبداللہ انصاری حروی (۷۸۱ھ) کی ”طبقات الصوفیہ“ اور

”منازل السالکین“

## امام غزالی اور سلاسل اربعہ کا زمانہ

پانچویں صدی کی بہت بڑی قد آور شخصیت، حجت الاسلام امام غزالی رحمہ اللہ کی ہے، جن کا تصنیفی کام تصوف و سلوک اور شریعت کے سب شعبوں میں تجدیدی شان کا حامل ہے، آپ کی کیسیائے سعادت، منہاج العابدین اور احیاء علوم الدین شریعت و طریقت کی عظمت کے وہ نشان ہیں، جن کی سرسبزی و شادابی آج بھی روز اول کی طرح ہے۔

امام غزالی رحمہ اللہ مجددانہ شان کی حامل ہستی تھی، آپ کی خدمات و تصنیفات، کاموں اور کارناموں کے اثرات صرف اپنے زمانے پر نہیں بلکہ آنے والے سب زمانوں پر بھی گہرے مرتب ہوئے، آپ نے ہکا بکا فساد کے اصل دھاروں کا رخ موڑا، یونانی فلسفیانہ علوم کے سیلاب بے تمیزی کے آگے بند باندھا، تصوف اور اصلاح و تزکیہ کے شعبہ کو انہوں نے نئی آب و تاب اور نیا آہنگ عطا کیا اس لئے ان کی ذات گذشتہ اور آئندہ کے درمیان ایک پل کا کام دیتی ہے، آپ کا زمانہ پانچویں صدی ہے آپ کے حصول شیخ عبدالقادر جیلانی (بانی سلسلہ قادریہ) اور شیخ شہاب الدین سمرودی کا زمانہ ہے (پچھٹی صدی ہجری) اور ان کے ساتھ بچست شیخ معین الدین چشتی اجمیری کا زمانہ ہے، اللہ تعالیٰ کی اس میں کیا کھوبی نکھتیں ہوں گی کہ مذکورہ سب بزرگ جو ایک دوسرے کے ہم عصر اور قریب قریب زمانے کے ہیں آگے تصوف کے سلسلے زیادہ وسیع پیمانے پر انہی سے پھیلے اور آج تک کسی نہ کسی شکل میں قائم ہیں۔

## (باب ششم)

## فتنہ تاتار کے بعد تصوف کا فروغ

(اسلام کی نشاۃ ثانیہ کا عہد)

## سلاسل ار بعد دیگر معروف سلسلوں کا آغاز

پچھلے جو تفصیلات ذکر ہوئیں ان سے یہ معلوم ہو گیا کہ خیر القرون کے زمانہ میں تصوف کی کیا نوعیت تھی؟ اور اس کے بعد پانچویں صدی ہجری تک کے نامور مشائخ تصوف اور کتب تصوف کا بھی اجمالی تذکرہ ہو گیا۔ اب آگے چھٹی اور ساتویں صدی ہجری سے تصوف کے خالص اسلامی و اسلامی ادارے کا جو ایک نیا دور شروع ہوتا ہے اس کا تذکرہ کیا جائے گا۔

یہاں یہ امر ملحوظ رہے کہ چھٹی صدی ہجری اور اس کے بعد کے زمانے میں تصوف کے جو دسیوں سلسلے معروف و مقبول ہوئے جن میں سلاسل ار بعد (یعنی چار مشہور سلسلے چشتیہ، سہروردیہ، قادریہ اور نقشبندیہ) بھی شامل ہیں۔ ان سلسلوں کے بانی حضرات مشائخ کو فیض اپنے شیوخ اور اساتذہ سے ہی حاصل ہوا جو ان سے مقدم تھے اور ان کو اپنے سے پہلے شیوخ و اساتذہ سے فیض حاصل ہوا یہاں تک کہ یہ سلسلہ فیض اور ردو حانیت کی لڑی مسلسل طریقہ سے بغیر کسی انقطاع کے درجہ بدرجہ اوپر جا کر حضرات تابعین عظام، پھر صحابہ کرام اور پھر نبی کریم آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچ جاتا ہے جیسا کہ مختصراً پیچھے ہم ذکر کر آئے ہیں کہ سلاسل ار بعد میں سے تین سلسلے یعنی چشتیہ، قادریہ اور سہروردیہ تابعین میں حضرت خواجہ حسن بصری علیہ الرحمۃ تک اور پھر ان کے واسطے سے حضرت علی رضی اللہ عنہ تک پہنچتے ہیں اور چوتھا سلسلہ نقشبندیہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تک پہنچتا ہے (نقشبندیہ کی ایک مخصوص

لڑی، حضرت حسن بصری رحمہ اللہ تک بھی پہنچتی ہے، جو آگے شجرہ تصوف میں درج ہے، کہاں اتنا ضرور ہے کہ بائیان سلاسل جن سے یہ مختلف سلسلے منسوب و موسوم ہوئے ان کی تہذیبی شان اور روحانی قابلیتوں و صلاحیتوں سے تعبیر پذیر زمانے اور بدلے ہوئے حالات کے مطابق ان سلسلوں کو نئی زندگی ملی اور لوگوں کی قابلیتوں اور استعدادوں میں جو تبدیلی یا کمزوری آئی اس کا لحاظ کرتے ہوئے اصلاح کے طریقوں اور روحانی تربیت کے نصاب میں حالات کے مطابق انہوں نے مناسب ترمیمیں کیں اور ان کے زمانے تک جاہل، نااہل اور نام نہاد درویشوں و گدو نشینوں نے جو کچھ خرافات و بدعات تصوف میں داخل کر کے اس خالص اصلاحی شعبے کو فترت و بددینا کر دیا تھا ان کو ایک ایک کر کے چھانٹ ڈالا اور تزکیہ باطن کے اس مقدس و پاکیزہ ادارے کو شریعت منظرہ کے چشمہ صافی سے ہم آغوش کر دیا۔

در کئے جامع شریعت در کئے سندان عشق ہر ہوسنا کے کپاواند جام و سندان باققن

## ساتویں صدی ہجری کا پُر آشوب عہد

ساتویں صدی ہجری میں تصوف کی تشکیل جدید اور نئی شیرازہ بندی کا اہم سبب اس صدی میں عالم اسلام کو چیش آنے والا تاریخی یلغار کا خونچکاں سانحہ ہے، امت مسلمہ پر گزشتہ چودہ سو سال تاریخ میں اس دنیا کے فانی میں جو عظیم ترین حوادث و مصائب چیش آئے ان میں فتنہ تاتاری اپنی ہلاکت خیزیوں اور حشر سامانیوں کی وسعت اور عالمگیریت کی وجہ سے سب سے نمایاں ہے۔

۱۔ بالآخر مغرب کے استعماری استبدادی تسلط (بارہویں صدی ہجری و اٹھارویں صدی مسیحی سے لے کر تاحال) کا ساتھ مل گیا ہے، جو اپنی دہشت و عالمگیریت میں فتنہ تاتاری سے کم نہیں، اس کے شرعیہ کے مظاہر باہمی دنیا اور عالم مسمومیت سے آگے بڑھ کر روحانی اور معنوی دنیا کو بھی پست میں لے ہوئے ہیں۔ غالب سے گزر کر قلب پر پہنچا اور ہے۔ منظریت و جدیت اور صنعتی ترقی کے اس عالم نے امت مسلمہ کا، جیسری دنیا کے انسانوں کا اور دنیا بھر کی قوموں کا کھینچا اور صدیوں میں جتنا خون بہا ہے جتنا خون چسما ہے وہ کتنا تاریک خون ریزی سے بڑھتا دکھائی کم ہو چکا اس پر مفسر اس ﴿بقیہ حاشیہ گئے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

تاج تاجی درندوں نے لگ بھگ نصف صدی تک مسلمانوں کے خون سے جو ہولی کھیلی اور پوری مشرقی دنیا میں عالی شان اسلامی سلطنتوں، دریا ستوں، حکومتوں، معاشروں، علمی اداروں کو بے نام و نشان کیا، امت کے بہترین دماغوں اور درجہ اول کار کو خاک و خون میں تڑپایا اور چھ سو سال میں تشکیل پنے پر ہونے والی عظیم آفاقی اسلامی تہذیب و تمدن کو ملیا میٹ اور شہروں و بستیوں کو تہہ بالا کیا ہے اس کا پورا پورا نقشہ کھینچنے سے مورخین کے قلم بھی عاجز رہے۔

بعض مورخین کی صراحت کے مطابق تاریخ کی یہ امانت فرض منصبی سے مجبور ہو کر روٹے دل، خوفناک لکھنوں اور لڑکھڑاتے قلم کے ساتھ انہوں نے سپرد قلم کی ہے (سما عالین محمدی ج ۱ ص ۷)۔  
دس کروڑ سے زیادہ انسان تاج تاجی سیلابِ بلا کی نذر ہوئے اور صحرائے گوبی کے آس پار سے اٹھنے والے وحشی درندوں کے طوفانِ بے تیزی میں خرقاب ہوئے۔ رہے نام اللہ کا۔

## ”پاسباں مل گئے کعبے کو صنم خانے سے“

یہ تاج تاجی تہذیب مسلمانوں پر خداوندِ قدوس کے عذاب کا تازیانہ تھا یا کیا کہ سزاوی کا یہ عمل پورا ہوتے ہی، اسلام کی نشاۃ ثانیہ اور احیاءِ جدید کے لئے اللہ نے انہی تاج تاجیوں کو اسلام کی جھولی میں ڈال دیا، تاج تاجیوں کی ابھی ایک دو سیلیں ہی گزرنے کی دیر تھی کہ تیسری نسل کے ہوئے پھل کی طرح اسلام کے دامن میں آ کر گرنی شروع ہو گئی اور پھر اس سے اگلی نسل تو قریب قریب پوری ہی اسلام کے آغوش میں آ کر حلقہ گروش اسلام ہوتی چلی گئی۔

﴿گزشتہ صفحے کا نتیجہ حاشیہ﴾

کے شرفدار کے دو عالمگیر مظاہر ہیں جو اس نے انسانیت کو سچا ہیبت اور ہیبت کے راستوں پر ڈال کر پٹائی کئے ہیں۔ یہ حالات آدم کی ساری اولاد کو گمراہ راستہ سلک کو خصوصاً اطمینان و حفاظت کے ایسے راستوں پر لے آیا ہے جو ازلت کے ساتھ ساتھ دنیا کی بھی پوری جاکت و ہادی کی ہے لیکن منزل تک پہنچانے والے ہیں۔ یہی آگاہ ہے یہ عالمگیر جغرافیہ نظامِ مستقبل میں رہا ہونے والے جہانی نظام کا پٹائی جسے اس نے حالات و حال کا ہر اہل رستہ ہے۔ اللہ چاہے کہ حق تعالیٰ ہی شر سے خیر نکالے والے اور کفر کے انحصاروں میں نور حق جھلکانے والے اور مادی کی گتہ نوپ جڑ کیس سے امید کی گتہ کر دیاں ظاہر کرنے والے ہیں۔ امن و محبت، المظہر الما دعاء و یکتشف السوء و الحمد۔

اس طرح وہ سلفیتیں اور علاقے جہاں وحشی منگولوں نے مسلمانوں کے خون کی ندیاں بہا کر ہتھیائے تھے خداوند قدوس کی حکمت ہالہ سے تھوڑے عرصہ میں کسی کشت و خون کے بغیر تاجاریہوں کے اسلام لانے کی صورت میں واپس اسلام کی جھولی میں آگرے، اور ان خارج عالم حاکموں نے اپنے ان مفتوح ملکوں کے دین کے آگے ہتھیار ڈال دیے جن کے سروں کی فصل کو انہوں نے کل کا جرمولی کی طرح کاٹ کر ان سروں سے جتا کر کھڑے کر کے اپنی لذت و زندگی کو تسکین پہنچائی تھی۔ اللہ اکبر۔

ہے عیاں یورش تاجار کے فسانے سے پاساں مل گئے کبے کو ختم خانے سے۔  
یوں ساتویں صدی ہجری میں خداوند قدوس کے اس شاہی فرمان کا وسیع پیمانے پر مظاہرہ ہوا۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّبِعُوا الْفَقْرَاءَ إِلَى اللَّهِ. وَاللَّهُ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيدُ. إِنْ يُشَاءْ لَنُجِيبَنَّكُمْ وَيَأْتِ بِخَلْقٍ جَدِيدٍ. وَعَاذُكَ عَلَى اللَّهِ بِغَيْرِ ذِي سُلْطَانٍ

آیت (۱۷۱۵)

ترجمہ: ”اے لوگو! تم سب اللہ کے محتاج ہو اور اللہ تعالیٰ بے نیاز تعریفوں کے لائق ہے، اگر وہ چاہے تو تمہیں لے جائے اور کوئی نئی قوم لے آئے اور یہ اللہ کے لئے کوئی دشوار نہیں“

## مسلمان ہار گئے، اسلام جیت گیا

تخت تاجار کے نتیجہ میں مسلمان ہار گئے، اسلام جیت گیا۔

آج کے طاغوت کے مقابلے میں بھی عالم اسلام چاروں شانے چت ہے جبکہ اسلام آج کے طاغوت کے دروازوں پر دستک دے رہا ہے اور بہت سوں کے گھروں میں ڈیرے بھی ڈال چکا ہے۔ تخت تاجار گواہ ہے کہ امت مسلمہ عمومی طور پر نافرمانی کا راستہ اختیار کرے تو اللہ چارک و تعالیٰ کو اپنے دین کی حفاظت و بقا اور اشاعت کے لئے ان کی کوئی احتیاج نہیں ان کی کوئی پروا نہیں۔

## عذاب الہی کی ایک بدترین شکل

جو قوم اللہ سے منہ موڑتی ہے زمین و آسمان اور ان کے درمیان کی ساری مخلوقات اس سے منہ موڑ لیتی ہیں پھر اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے دشمنوں اور منکروں کو ان بے وفا دوستوں پر مسلط کر دیتے ہیں جو دوستی اور غلامی کا عہد و پیمان کر کے برسر عام، علی الاعلان، ڈکے کی چوٹ پر اسے توڑ دیتے ہیں، مسلمان نے مسیح مسیح کے ایک ایک فرد نے، ہر مرد و عورت، جوان اور بوڑھے نے کلمہ پڑھ کر دین الہی شریعت محمدی کا دم بھر کر اللہ تعالیٰ سے غلامی اور عہدیت کا عہد کر رکھا ہے۔

جب یہ احکام شرع کو پا مال کر کے عہد شکنی کرتا ہے اور یہ عہد شکنی عام ہو جاتی ہے تو پھر خداوند قدوس کو، بادشاہوں کے بادشاہ کو غیرت آتی ہے پھر وہ ذات ان بے وفا دوستوں کو اپنے ہاتھ سے سزا دینا بھی پسند نہیں فرماتے بلکہ اپنے دشمنوں کو ان بے وفا دوستوں پر مسلط فرما دیتے ہیں۔ دیکھا جائے تو یہ اللہ تعالیٰ کے عذاب کی بہت ہی رسوا کن شکل ہے۔

آسمان سے پتھر برسنے اور زلزلے برپا ہونے سے بھی زیادہ بری ہے کہ وہ اپنے ہاتھ سے عذاب دینے کی شکل ہے اور یہ اپنے ہاتھ سے عذاب دینے کو بھی گوارا نہ کرتے ہوئے دشمنوں اور اپنے مہموض لوگوں سے پھانے کی شکل ہے۔ جیسے کوئی آقا اپنے ایسے غلام کو جس پر اس نے بے پایاں احسانات کئے ہوں اور پورا اعتماد اس پر رکھا ہو پھر وہ آقا کی امیدوں اور آرزوؤں پر پانی پھیرتے ہوئے بے وفائی کرے، غداری کرے، حتم بددی کرے، آقا کے عہد و پیمان کی دھجیاں اڑا دے تو آقا اپنے ہاتھ سے سزا دینے کے قابل بھی اسے نہ سمجھتے ہوئے اپنے پالتو کتے کو اس پر مسلط کرے اور وہ کتا بھوکا بھی ہو جو آن کی آن میں اس کا ٹھہار غلام کی نگہ بونی کر دے اور ہڈی پھلی ایک کر دے، چڑی ادھیڑ دے اور کھال اتار لے۔ اور آخرت کا عذاب سراگ۔ وَلْعَذَابُ الْآخِرَةِ أَكْبَرُ لَوْ كُنَّا نَعْلَمُونَ۔





کی معاشرے کی، بلکہ سلطنت و ریاست کی یوں کاپیا پلٹ جائے، جیسے کسی نے کہا ہے۔  
 رہا کھٹکانہ بیڑے کو مونج پلا کا      ادھر سے ادھر پھر گیا رخ ہوا کا

## فتنہ تاتار کے زخم خوردہ دلوں کا مرہم

حقیقت یہ ہے کہ تصوف کے راستے سے مشائخ کو جو درد دل، تاثر و محبت اور روح کی بالیدگی پیدا کرنا مقصود ہوتی ہے، یہ ماحول اس کے لئے انتہائی سازگار تھا۔ مشرقی دنیا کی ساری فضا سوگوار تھی، سارا ماحول غمزدہ تھا۔ ایک ایک مسلمان دکھیا تھا۔ یہ عام ماحول جو پیدا ہو گیا تھا مشائخ تو بڑی رگزار انجوں اور مہاجدوں سے گزار کر سالک کو اس منزل تک پہنچاتے ہیں۔ تب کہیں اس کے دل میں محبت و معرفت کی چنگاری شعلہ زن ہوتی ہے، اللہ تبارک و تعالیٰ نے اضطراری طور پر تاتاریوں کے مظالم سے یہ ماحول پیدا کر دیا تھا۔

اس لئے لوہا گرم تھا ضرب لگانے کی دیر تھی ضرب لگانے والے آگے بڑھے اور مس خام کو کندہ بناتے چلے گئے اور یہ کندہ جس بھٹی کی آگ سے بنا تھا وہ تصوف کی بھٹی تھی مشائخ عظام کی دسوزیوں کی آگ تھی اس لئے زمانہ پر ان بھٹیوں کی چھاپ پڑ گئی۔ ان کا فیضان عام ہو گیا، ان کا آواز و مشرق سے مغرب تک بلند ہو گیا۔ ان کی خانقاہیں پر رونق ہو گئیں۔

ان کے فیض یا فتنان آتش جہاں بن گئے، حرارت ایمانی شعلہ جوالہ بن گئی، سید سے سید سلگتا گیا، دہیے سے دیا جلتا گیا۔

یہ آگ پھر جنگل کی آگ کی طرح پھیلتی چلی گئی اور وحشی فاقہین اور حاکموں کی دلیہز بھی پار کر گئی۔ جو تلواریں ہنر کے سوا کوئی ہنری نہ جانتے تھے محبت فاتح عالم نے ان فاقہین عالم کو گھائل و مائل کر کے مغلوب کر دیا۔

## ایک نئی سلطنت اسلام کی گود میں

جب مسلمانوں میں ایمان کی نئی بہا آئے گی تو چھٹی ہوئی سلطنتیں بھی واپس ملتی چلی گئیں کہ

سلطنتوں والے ہی مقتدر و زکا سے بیزار ہو گئے اور اسلام و ایمان سے ہم آغوش و ہم کنار ہو گئے۔ اور مزید انعام میں خداوند قدوس نے ان بزرگوں کی قربانیاں اور اسلام کے لئے جانفشانیوں کی لاج رکھتے ہوئے ہندوستان بھی وسیع و عریض بنی سلطنت بھی عطا فرمادی کہ شاہی درویشی نے کیا ہو کر کفر و شرک سے الٹی پٹی یہ سلطنت خون پسینہ ایک کر کے کما کی۔ پہلے پہلے علی گھوڑی اور معین الدین چشتی رحمہ اللہ کی شکل میں درویشی آئی اور یہاں ایمان کا جوت چکا یا پھر درویشی کے قدم بقدم سلطانی آئی صاحب الدین غوری فوجیں لے کے آیا اور دلی و اجیر کو اسلام کے قدموں میں لا ڈالا، پھر صوفیاء کے جتنے آئے، سہلین و دامین کے قاتلے آئے اور خلعت کدہ ہند کے پپے پپے میں پھیل گئے اور ایمان کا نور بانٹتے چلے گئے۔

## تاتاریوں کو اپنا ہم نوا بنانے کی عالم گیر مہم

ساتویں صدی ہجری میں یہ عالمگیر انقلابات مسلمانوں کی جاہی اور پھران کا دوبارہ سنبھلنا اور اسلام کی حقانیت کے نئے کرشمے ظاہر ہونا، یہ سب سود و زیاں کے سلسلے ایسے لگا تار سامنے آتے گئے کہ ظاہر بین آنکھ فیصلہ ہی نہیں کر پاتی کہ کونسا سبب ہے اور کونسا سبب۔ کوئی علت ہے کونسا معلول، کونسا عمل ہے کونسا رد عمل، کوئی سعی و جہد ہے اور کونسا ثمرہ و نتیجہ۔ مثلاً عروس اہلاد و ہندو دارالاسلام میں خلافت کی بساط حلا کو خان کے ہاتھوں بعد میں تہہ ہوئی اور دلی و اجیر میں سلطان اسلام کی مصلوباری پہلے قائم ہوئی، خراسان، ایران اور سرقد و بخارا سے علماء و مشائخ اور تاجداروں اور شہزادوں کے خانماں برباد قافلے بعد میں گنگا جمنہ کے کنارے اترے، پنجاب و ہند میں علم و معرفت کے مرسلے اور تاج و تخت کے سلسلے پہلے قائم ہوئے۔ ظاہر بین مورخوں کے لئے تاتاریوں کا مسلمانوں کو مغلوب کر کے تھوڑے ہی عرصے میں اسلام کا حلقہ گھوش بن جانا آج تک ایک عجیبہ معجزہ اور لا فہم عقیدہ بنا ہوا ہے۔ کیونکہ تاتاریوں کے ہاتھوں مسلمانوں کے پائمال ہونے کے بعد نصاریٰ اور بدھ مت والے

تاریخوں کو اپنے مذہب میں داخل کرنے کی حرص کرنے لگے تھے۔

ہر قوم یہ چاہتی تھی اور پوری طرح کوشاں بھی تھی کہ یہ سادہ لوح اور وحشی قوم جو مذہب و تمدن اور مذہب سے عاری ہے۔ آج قارئین عالم بن چکی ہے اگر یہ ہمارے مذہب میں داخل ہو جائے تو ہم بیٹھے بٹھائے سپر پاور اور قارئین عالم ٹھہریں گے اور بعضوں کو اس سلسلہ میں جزوی کامیابی بھی ہوئی، لیکن اللہ تبارک و تعالیٰ کی حکمت بالغہ کچھ اور ہی تھی۔

## مستشرقین کا اظہارِ حیرت

ذرا مشہور مستشرق پروفیسر آرنلڈ کی کتاب ”دعوتِ اسلام (Preaching in Islam)“ میں اس کا حیرت بھرا یہ اقتباس ملاحظہ ہو۔

”لیکن اسلام اپنی گزشتہ شان و شوکت کی خاکستر سے پھراٹھا اور واعظین اسلام نے ان ہی وحشی مظلوم کو جنہوں نے مسلمانوں پر کوئی ظلم باقی نہ رکھا تھا مسلمان کر لیا، یہ ایسا کام تھا جس میں مسلمانوں کو سخت مشکلیں پیش آئیں کیونکہ وہ مذہب اس کوشش میں تھے کہ مظلوم اور تاریکوں کو اپنا معتقد بنائیں وہ حالت بھی عجیب و غریب اور دنیا کا بے مثل واقعہ ہوگی جس وقت بد مذہب اور عیسائی مذہب اور اسلام اس جدوجہد میں ہوں گے کہ ان وحشی اور ظالم مظلوم کو جنہوں نے ان تین مذہبوں کے معتقدوں کو پامال کیا تھا اپنا مطیع بنائیں۔“

اسلام کے لئے ایسے وقت میں بد مذہب اور عیسائی مذہب کا مقابلہ کرنا اور مظلوموں کو ان دونوں مذہبوں سے بچا کر اپنا حق و جانا ایسا کام تھا جس میں بظاہر کامیابی ناممکن معلوم ہوتی تھی..... خاتمانہ مغل جو اسلام کے سوا اور سب مذہبوں پر مہربان تھے اسلام کے ساتھ مختلف درجے کی نفرت و عداوت رکھتے تھے، چنگیز خان نے حکم دیا تھا کہ جو لوگ جانوروں کو شرع کے مطابق ذبح کریں ان کو قتل کر دیا جائے..... کیونکہ خاتمانہ نے اپنے عہد میں سارا انتظام سلطنت و عیسائی

وزیروں کے سپرد کر رکھا تھا انہوں نے مسلمانوں کو سخت اذیتیں پہنچائیں، اور غو خان نے بھی جو چوتھا سلطان بنی بادشاہ ہوا مسلمانوں پر ظلم کئے اور عدالت اور مال کے محکموں میں جس قدر اسامیاں ان کے پاس تھیں خالی کرالیں اور ان کا دربار میں آتا بند کر دیا یا جو وہ ان مشکلات کے مظلوم اور وحشی قوموں نے جو مظلوموں کے بعد آئیں انہی مسلمانوں کا مذہب قبول کیا جن کو انہوں نے اپنے چیلروں میں روک رکھا تھا (تاریخ احمد، ج ۲، ص ۲۴۳)

## سلطان محمد خدا بندہ کا قبول اسلام

دعوت اسلام میں ہی ایک اور موقعہ پر آریٹلڈ لکھتے ہیں:

”۱۳۰۳ء میں غازیان کا بھائی سلطان محمد خدا بندہ کے نام سے تخت ایران پر بیٹھا اس سلطان کی ماں عیسائی تھی اور بچپن میں اس کی تعلیم و تربیت بھی عیسوی طریقہ پر ہوئی تھی اور کنگز کے نام سے اس نے اصطہاغ پایا تھا۔ ۱۔  
لیکن ماں کے مرنے کے بعد اپنی بیوی کے کہنے پر وہ مسلمان ہو گیا۔  
ابن بطوطہ نے لکھا ہے کہ کنگز خان یعنی سلطان خدا بندہ کے مسلمان ہونے سے مظلوموں میں بڑا اثر پیدا ہوا، غرض اس زمانہ سے سلطان کی سلطنت اور مملکت میں اسلام سب مذہبوں پر غالب آ گیا“ (ہذا ص ۲۴۳)

## سلطان غازیان خان کا قبول اسلام

اسی طرح خود سلطان غازیان کے اسلام لانے کا علامہ ابن کثیر نے ”البدایہ والنہایہ“ میں ۱۔ عیسائیوں کی مذہبی رسم جو بچپن میں ہو جاتی ہے کے لئے لکھا کہ جاتی ہے کہ اسے ایک عیسوی بانی کے عوض میں جو کہ جگرہاں میں دھو دھو ہے دھو دھو ہے اور سمجھا جاتا ہے کہ اب اس پر عیسائیت کا رنگ چڑھ گیا مگر ان مجید نے سورہ بقرہ کی آیت ”صبغة الله، ومن احسن من الله صبغة“ میں عیسائیوں کی اس رسم کی تردید اور اس پر تنقید کی ہے۔

۶۹۳ھ کے واقعات میں بڑی خوشی سے ذکر کیا ہے۔ مورخین کے بیان کے مطابق اس سلطان کے اسلام لانے کا سہرا ایک نیک دل مسلمان ترک امیر قوزون کے سر ہے۔

ابن کثیر کا بیان ملاحظہ ہو:

”اس سال چنگیز خان کا چڑھتا کا زان بن ارغون بن ایغا بن تولی بن چنگیز خان تاتاریوں کا بادشاہ ہوا اور امیر قوزون کے ہاتھ پر طائے مشرق پر اسلام ہوا اور تاتاری کل یا اکثر اسلام میں داخل ہو گئے جس روز بادشاہ نے اسلام قبول کیا اس روز سونا چاندی اور موتی لوگوں کے سروں پر بچھا دیے گئے اس نے اپنا نام محمود رکھا اور جمعہ اور خطبہ میں شریک ہوا۔ بہت سے مندر اور گرے گرادیے گئے اور ان پر جزیہ مقرر ہوا، بغداد اور دوسرے شہروں اور ملکوں کی غصب کی ہوئی چیزیں واپس کر دی گئیں اور انصاف قائم کیا گیا۔ لوگوں نے تاتاریوں کے ہاتھوں میں تسبیحیں اور..... دیکھے اور اللہ کے فضل و احسان کا شکر ادا کیا (ابن کثیر، ص ۳۰۳)

(معارف، ص ۳۰۳)

## تاتاریوں کی چغتائی شاخ میں اسلام کی اشاعت

اسی طرح مغلوں کی چغتائی شاخ جس کا بانی چنگیز خان کا بیٹا چغتائی خان تھا اور بلا واسطہ پر ان کی حکومت تھی اس لڑی میں سب سے پہلے چغتائی خان کے چڑھتے براق خان نے اسلام قبول کیا اور سلطان غیاث الدین اپنا نام رکھا۔

آرٹلڈ نے چغتائیوں کے اسلام لانے کی تفصیل بھی لکھی ہے۔

اب تاتاریوں کی غارت گری اور پھر ان کے حلقہ مجوش اسلام ہونے کی اس بحث کو سمیٹتے ہوئے آخر میں حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی علیہ الرحمۃ کا ایک بیان نقل کرتے ہیں جس میں ترک تاتاریوں کی ہدایت و اصلاح کے لئے تصوف کے ایک امام وقت اور بانی سلسلہ کی

نہیں تشکیل کا ذکر ہے۔

ان الشيخ بهاء الدين نَصَبَ مجدداً للإحسانِ إلى أرضِ الترك وَ  
كُتِبُوا لِقَوى البهيمَةِ وَكُنَّ هُوَ مُجذوباً لَدَ قَبلِ سرهِ المَلِكِ نوراً  
الهِباً وَ تَدليلاً فصولِ من نسبته وَ تربيته طَريقة مفيدة غاية الإفادة  
(تفہیمات الہیہ ج ۱ ص ۸۶)

ترجمہ: مقام احسان (تزکیہ و تصوف) کی تہذیب کے لئے شیخ بہاء الدین نقشبند  
(بانی سلسلہ نقشبندیہ، زمانہ آٹھویں صدی ہجری) ترکوں کی سر زمین میں مقرر کئے  
گئے، اور ترکوں کا بیکسی (ضیائی) پہلو بہت پر زور تھا خود حضرت خواجہ نقشبند  
مہذب تھے (یعنی ذات حق تعالیٰ نے ان کو اپنی طرف کھینچ لیا تھا) ان کی فطرت  
کے منطقی پہلو نے الہی نور کو قبول کیا اور نورانی کافضان ان پر ہوا اسی وجہ سے ان کی  
شخصی نسبت اور جن لوگوں کی تربیت ان سے متعلق تھی دونوں کے اجتماعی تقاضے  
نے حد سے زیادہ فائدہ بخش طریقہ پیدا کیا (کمال شاہ، ص ۱۸۶) ۱۔

## اسلام کی علمبرداری نو بت بہ نو بت

اسلام چونکہ آفاقی اور آفری دین ہے جو قیامت تک انسانوں پر خدا کی جہت ہے اس لئے

۱۔ اصلی ایشیا ترکستان کا اقلہ، واضح رہے کہ ترک دنیا تو سوائے ایک دوسرے کے نام سے موسم کیے جاتے ہیں، کیلکچہ  
اور ہاکرہم نسب ہو جاتے ہیں، چنانچہ جو رنگ جہاں میں صدی ہجری کا مشہور ترک فاتح عالم ہے وہ چانچ اور ہاکرہ  
چانچرخان سے ملتا ہے، جو ہری کی نسل سے ہندوستان کے حمل ہیں، جنہوں نے برصغیر پر تین سو سال سے زیادہ حکومت کی  
اور ترکوں کی دوسری شاخ عثمانی ترک ہیں، جنہوں نے آرمی سے زیادہ اسلامی دنیا پر پانچ سو سال سے زیادہ عرصہ تک  
حکومت کی۔

حتیٰ کہ کبھی جنگ عظیم میں جب خلافت عثمانیہ ذریعہ حکومت اٹھتی تھی تو کابل، تاجک جیسے بد دین لہڑے نے خلافت کے خاتمہ  
کا طعن کیا، اور ترکی میں تیکلار حکومت کی قیادہ الہ۔ جس پر اقبال مرحوم نے اظہار تاسف کرتے ہوئے کہا تھا  
چاک کردی ترک ہاں نے خلافت کی قبا  
سار کی سلطہ کچھ نہ لیر کی ماری بھی نہ کچھ

اس کے قیام و بقاء اور حفاظت و اشاعت کو خداوند قدوس نے محض کسی خاص قوم، خاص علاقے یا خاص معاشرے سے وابستہ نہیں کیا۔ اس چودہ سو سال کے عرصے میں کتنی قومیں اول بدل کر اس کی طلبہ دار بننے کی سعادت حاصل کرتی رہیں، پھر رفتہ رفتہ جب ایک قوم یا جماعت اس سعادت کے فرض منصبی کی ہوائی میں کوتاہی کرتی رہی تو اللہ تبارک و تعالیٰ کی شان بے نیازی اس قوم سے بے نیاز و بے پروا ہو کر اس سے سعادت کا یہ منصب واپس لے کر کسی اور قوم کو دیتی رہی اور کئی دفعہ اس معزول شدہ قوم کو کوتاہی اور نالائقی کی سزا بھی اسی قوم سے دلاوتے رہے جو اس کی جگہ لیتی رہی۔

تختہ تبار تو اس پر گواہ ہے ہی ماس کے علاوہ قریش مکہ کے اکثر لوگوں نے جب نبوت کی اس لازوال اور سدا بہار نعمت اور دولت کی قدر نہ کی جو بنی مانگے بے نیاز رب نے ان کو ان کے گھر میں بیٹھے بٹھائے عطا فرمائی تو اللہ تبارک و تعالیٰ نے نبوت کی یہ دولت انصار مدینہ کی جھولیوں میں ڈال دی (ان کو اس دولت کی طلب بھی تھی اور اس نعمت کی قدر بھی تھی اس لئے تو ہجرت سے پہلے حج کے دنوں میں مکہ آ کر خفیہ طور پر بیعت عقبہ کی شکل میں نبی علیہ السلام کے ساتھ وفا کے عہد و پیمان ہاندھتے رہے)

پھر بدر واحد گواہ ہیں کہ انہی انصار اور مہاجرین کے ہاتھوں اللہ تبارک و تعالیٰ نے قریش کی فرعونیت اور اطراف جوانب کے ہٹ دھرم و سرکش قبائل عرب کے غر و تکبر کو خاک میں ملایا۔ اس طرح عربوں کے بعد ترکوں، مغلوں، تاجاریوں، ایرانیوں، تورانیوں، خراسانیوں اور ہندوستانیوں کو مختلف زمانوں میں یکے بعد دیگرے درجہ بدرجہ یہ دولت منتقل ہوتی رہی اور اسلام کی آفاتیت کی شان نمایاں ہوتی رہی۔ اور خداوند قدوس کا یہ فرمان پورا ہوتا رہا:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي تَسُبُّوهُ وَاللَّهُ هُوَ الْغَنِيُّ الْخَبِيرُ. إِنَّ يَسْأَلُكُمْ عَنْكُمْ وَنَأْتِ بِخَلْقٍ خَيْرٍ. وَنَا ذَلِكَ عَلَى اللَّهِ بِعَزِيزٍ (سورہ احقر)



## (باب ہفتم)

## چار معروف سلسلوں کے شجرہائے نسبت

تصوف کے چاروں معروف و متداول سلسلوں چشتیہ، قادریہ، سہروردیہ اور نقشبندیہ کے مشائخ کی سنہری روحانی لڑی موجودہ اہل حق مشائخ سے لے کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک یہاں مسلسل درج کی جاتی ہے۔

چاروں سلسلوں میں نیچے مدار استاد اور مرکزی ہستی شیخ العرب والہم حضرت حاجی ادا اللہ مہاجر کی رحمت اللہ کو بتایا گیا ہے جو برصغیر پاک و ہند میں اس پچھلے دور میں اہل حق مشائخ میں مرکزیت و تہذیبیت کا مقام رکھتے ہیں اور چاروں سلسلوں میں صاحب نسبت تھے اور بیعت لینے تھے، اگرچہ اصل رنگ آپ پر چشتیت کا تھا، اصل میں حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کے وقت سے یہ طریقہ چلا آ رہا ہے جو حضرت شاہ صاحب ہی کا اختیار کردہ ہے کہ بیعت کے وقت چاروں خاندانوں (چشتیہ، سہروردیہ، قادریہ، نقشبندیہ) کا نام لینے تاکہ ان سب سے فیض حاصل ہو اور ان کی خصوصیات سے حصہ لے اس طریقہ کا ایک بہت بڑا فائدہ یہ بھی ہوا کہ ان مختلف سلسلوں کے متوسلین اور وابستگان کے درمیان قرب اور ہم آہنگی بڑھی اور واسطے کم ہوئے، چاروں سلسلوں کے اشغال، اور لواذکار اور مراقات و مجاہدات اور طریق اصلاح میں باہم کچھ فرق اور امتیازات ہیں گویا ایک ہی منزل تک پہنچنے کے حسب ذوق و مزاج مختلف راستے ہیں۔

ان سلسلوں کے سند اور نسبت کی ایک لڑی تو وہ ہے جو ہر سلسلہ کے بانی سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچتی ہے اور دوسری موجودہ مشائخ سے بانی سلسلہ تک۔  
آگے نیچے سے اوپر تک ہم مسلسل ہر لڑی کو ذکر کرتے ہیں۔

## حضرات مشائخ چشت اہل بہشت (سلسلہ چشتیہ)

- (۱)۔ شیخ الشائخ قلب الاقطاب سید الطائفہ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمہ اللہ  
(پیدائش ۱۲۳۳ھ برطانی ۱۸۱۷ء، وفات ۱۳۱۷ھ برطانی ۱۸۹۹ء)
- (۲)۔ حضرت اقدس میاں جیو نور محمد صاحب تحفہ انواری رحمہ اللہ (پیدائش ۱۲۰۱ھ)
- (۳)۔ حضرت شیخ الطایف عبدالرحیم صاحب ولایتی (شہادت ۱۲۳۶ھ)
- (۴)۔ حضرت شاہ عبدالباری صدیقی رحمہ اللہ (وفا ۱۲۲۶ھ)
- (۵)۔ حضرت شیخ عبدالباہوی رحمہ اللہ (پیدائش ۱۰۸۳ھ وفات ۱۱۹۰ھ)
- (۶)۔ حضرت شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ (پیدائش ۱۰۷۳ھ وفات ۱۱۷۰ھ یا ۱۱۷۲ھ)
- (۷)۔ حضرت شاہ محمد مکی رحمہ اللہ (تاریخ معلوم نہیں ہو سکی)
- (۸)۔ شیخ سید محمدی اکبر آبادی پیدائش (۱۰۴۱ھ وفات ۱۱۰۷ھ)
- (۹)۔ شیخ خواجہ محبت اللہ آبادی (وفات ۱۰۵۳ھ یا ۱۰۵۸ھ)
- (۱۰)۔ شاہ ابوسعید نعمانی رحمہ اللہ (وفات ۱۰۴۹ھ)
- (۱۱)۔ شیخ نظام الدین قاضی رحمہ اللہ مغل اکبر بادشاہ کے ہم زمانہ تھے (وفات ۱۰۲۳ھ یا ۱۰۳۵ھ)
- (۱۲)۔ شیخ جمال الدین محمود قاضی رحمہ اللہ (ولادت ۸۹۳ھ وفات ۹۶۹ھ)
- (۱۳)۔ شیخ الشائخ شاہ عبدالقدوس گنگوہی رحمہ اللہ (ولادت ۸۶۹ھ وفات ۹۴۳ھ)
- (۱۴)۔ شیخ محمد بن شیخ عارف رحمہ اللہ (وفات ۸۹۸ھ)
- (۱۵)۔ شیخ عارف رحمہ اللہ (وفات ۸۸۲ھ)
- (۱۶)۔ شیخ احمد عبداللہ رودلووی رحمہ اللہ (وفات ۸۳۶ھ)
- (۱۷)۔ شیخ جلال الدین کبیر اولیاء رحمہ اللہ (ولادت ۶۹۵ھ وفات ۷۶۵ھ)

- (۱۸)..... شیخ شمس الدین ترک پانی پتی رحمہ اللہ (وفات ۱۵۷۵ء)
- (۱۹)..... خواجہ علاء الدین علی احمد صابری کلیری (تقریباً وفات ۱۶۹۰ء)
- (۲۰)..... شیخ فرید الدین شیخ شکر رحمہ اللہ (ولادت ۱۵۸۵ء، وفات ۱۶۶۰ء، تاریخ فرشتہ کی تحقیق کے مطابق)
- (۲۱)..... حضرت شیخ قطب الدین بختیار کاکی رحمہ اللہ (وفات ۶۳۳ھ)
- (۲۲)..... خواجہ معین الدین چشتی، جمیری رحمہ اللہ، ہانی سلسلہ چشتیہ برصغیر پاک و ہند میں (ولادت ۵۳۷ھ، وفات ۶۳۳ھ، ایک قول کے مطابق)
- (۲۳)..... خواجہ عثمان حارونی رحمہ اللہ (ولادت ۵۲۶ھ، وفات ۶۱۷ھ)
- (۲۴)..... خواجہ شریف زعمی رحمہ اللہ (ولادت ۴۹۲ھ، وفات ۶۱۲ھ)
- (۲۵)..... خواجہ سوری چشتی رحمہ اللہ (ولادت ۴۳۰ھ، وفات ۵۲۷ھ)
- (۲۶)..... خواجہ سید ابوسعف چشتی (وفات ۴۵۹ھ)
- (۲۷)..... خواجہ ابو محمد بن ابی احمد چشتی رحمہ اللہ (ولادت ۴۳۱ھ، وفات ۴۸۱ھ)
- (۲۸)..... خواجہ ابو احمد ابدال چشتی رحمہ اللہ (ولادت ۴۶۰ھ، وفات ۴۵۵ھ)
- (۲۹)..... خواجہ ابواسحاق چشتی رحمہ اللہ (وفات ۴۲۹ھ)
- (۳۰)..... خواجہ طلوع مشاد دینوری رحمہ اللہ (وفات ۴۹۸ھ)
- (۳۱)..... خواجہ ابو صحر و بصری (ولادت ۱۶۷ھ، وفات ۲۸۷ھ)
- (۳۲)..... خواجہ خذیفہ الرمشی (وفات ۲۰۲ھ، مشہور قول کے مطابق)

۱۔ سلسلہ چشتیہ آپ ہی سے موسم ہے پشت کہ ہے دلساں سلسلہ آپ پہلے بزرگ تھے۔ آپ کے بعد کے ہار مشائخ (یعنی خواجہ سوری چشتی تک) بھی چشتی ہی کے تھے دالے تھے پانچ پتھوں تک اس سلسلہ کے مشائخ کا پشت سے حلق ہونے کی وجہ سے بعد میں اس نام سے یہ سلسلہ مشہور ہو گیا۔ برصغیر میں اس سلسلہ کو لانے اور رائج کرنے والے چونکہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی الجمیری علیہ الرحمہ ہیں اور فقہ حنفی کے پیرو شوبہ دور کے بعد اس سلسلہ کو اپنی زندگی دینے والے آپ ہی ہیں اس لئے آپ کی طرف اس سلسلہ کی نسبت معروف ہو گئی۔ پشت افغانستان کے صوبہ پروت میں ایک قصبہ تھا۔ موجودہ طریق میں اس کا نام مانا تو اس لکھا ہے۔

(۳۳)۔ حضرت سلطان ابراہیم بن اوجم رحمہ اللہ (وفات ۱۶۲ھ)  
 (۳۴)۔ خواجہ فضیل بن میاض المکی رحمہ اللہ (وفات ۱۸۷ھ) آپ پہلے ڈاکوؤں کے  
 سردار تھے مقبولیت کی گھڑی آئی تو ایک خاص واقعہ سے اثر لے کر توبہ تائب ہو گئے، زہد و  
 عبادت اور تقویٰ و طہارت میں بڑے اونچے مقام تک پہنچے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی خدمت  
 میں بھی رہے۔

(۳۵)۔ خواجہ عبدالواحد بن زید (وفات ۷۱۰ھ)  
 (۳۶)۔ خواجہ حسن بصری رحمہ اللہ (ولادت حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور خلافت  
 کے آخری سالوں میں ہوئی۔ وفات ۱۱۰ھ)  
 (۳۷)۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ (شہادت ۴۰ھ)  
 (۳۸)۔ آقائے دو جہاں سردار عالم حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم۔

## سلسلہ نقشبندیہ کی سنہری کڑیاں

- (۱)۔ شیخ المشائخ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمہ اللہ۔
- (۲)۔ یہاں جیونور محمد تھنچھانوی قدس سرہ۔
- (۳)۔ حضرت سید احمد شہید بریلوی قدس سرہ (ولادت ۱۲۰۱ھ وفات ۱۲۳۶ھ)
- (۴)۔ حضرت شاہ عبدالعزیز الدہلوی قدس سرہ (ولادت ۱۱۵۹ھ وفات ۱۲۳۸ھ)
- (۵)۔ حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی قدس سرہ (ولادت ۱۱۱۵ھ وفات ۱۷۷۶ھ)
- (۶)۔ حضرت شاہ عبدالرحیم دہلوی قدس سرہ (ولادت ۱۰۵۴ھ وفات ۱۱۳۱ھ)
- (۷)۔ حضرت سید عبداللہ قدس سرہ (وفات ۱۰۵۴ھ کے بعد)
- (۸)۔ حضرت سید آدم بنوری قدس سرہ (وفات ۱۰۵۴ھ)
- (۹)۔ حضرت شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی قدس سرہ (ولادت ۹۷۱ھ وفات ۱۰۳۴ھ)

- (۱۰)..... حضرت خواجہ بابا باللہ قدس سرہ (ولادت ۹۷۱ھ و وفات ۱۰۱۲ھ)
- (۱۱)..... حضرت خواجہ اسکنگلی قدس سرہ (ولادت ۹۱۸ھ و وفات ۱۰۸۰ھ)
- (۱۲)..... حضرت خواجہ المدد ویش محمد قدس سرہ (وفات ۹۷۰ھ)
- (۱۳)..... حضرت خواجہ زاهد قدس سرہ (وفات ۹۳۶ھ)
- (۱۴)..... حضرت خواجہ عید اللہ احرار قدس سرہ (ولادت ۸۰۶ھ و وفات ۸۹۵ھ)
- (۱۵)..... حضرت خواجہ یعقوب چرخی قدس سرہ (وفات ۸۰۲ھ)
- (۱۶)..... حضرت خواجہ علاء الدین عطار قدس سرہ (وفات ۸۰۲ھ)
- (۱۷)..... حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبندی قدس سرہ (ولادت ۱۸۷۸ھ و وفات ۱۷۹۱ھ بابا سلسلہ نقشبندیہ)
- (۱۸)..... حضرت خواجہ سید امیر کمال قدس سرہ (وفات ۷۷۲ھ)
- (۱۹)..... حضرت خواجہ محمد بابا اسماعیلی قدس سرہ (وفات ۷۵۵ھ)
- (۲۰)..... حضرت خواجہ علی رامینی قدس سرہ (پیدائش ۶۳۱ھ و وفات ۷۱۵ھ، اور بھی اقوال ہیں)
- (۲۱)..... حضرت خواجہ محمود انبیا الخیر فتویٰ قدس سرہ (وفات ۷۱۵ھ)
- (۲۲)..... حضرت خواجہ سید تاجدارف دیوگری قدس سرہ (ولادت ۷۵۱ھ و وفات ۶۱۶ھ)
- (۲۳)..... حضرت خواجہ عبدالخالق عجمی قدس سرہ (وفات ۷۵۵ھ)
- (۲۴)..... حضرت خواجہ یوسف ہمدانی قدس سرہ (ولادت ۷۴۰ھ و وفات ۷۳۵ھ)
- (۲۵)..... حضرت خواجہ ابی علی فارمدی قدس سرہ (ولادت ۷۴۰ھ و وفات ۷۷۵ھ)
- (۲۶)..... حضرت خواجہ ابوالقاسم قشیری گرجانی قدس سرہ (وفات ۷۵۰ھ)
- (۲۷)..... شیخ ابوالحسن غرقانی قدس سرہ (وفات ۷۲۵ھ)
- (۲۸)..... حضرت خواجہ بابا زید بسطامی قدس سرہ (ولادت ۷۳۲ھ و وفات ۷۲۶ھ)
- (۲۹)..... حضرت شیخ جعفر صادق قدس سرہ (ولادت ۸۰ھ و وفات ۱۲۸ھ)

(۳۰)..... حضرت قاسم بن محمد بن ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ (وفات ۱۰۸ھ، طبقات ابن سعد کی تحقیق کے مطابق)

(۳۱)..... حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ (وفات ۳۶ھ)

(۳۲)..... حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ (وفات ۱۳ھ)

(۳۳)..... حضور نبی کریم رؤف الرحیم علیہ الصلوٰۃ والسلام ائی یوم الدین۔

نقشبند یہ کایہ شجرہ نسبت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تک پہنچتا ہے اور یہی معروف ہے۔ لیکن ایک اور لڑی سے یہ سلسلہ نسبت بھی حضرت خواجہ حسن بصری اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مل جاتا ہے۔

وہ ہے شیخ ابوالقاسم قشیری (جو اس شجرہ مذکورہ میں چھبیسویں نمبر شمار آتے ہیں) کے واسطے سے خواجہ ابوبعلی دقاق کی لڑی، کیونکہ شیخ ابوالقاسم قشیری کو شیخ ابوالحسن خرقانی رحمہ اللہ کے علاوہ شیخ ابوبعلی دقاق سے بھی نسبت حاصل تھی اور شیخ ابوبعلی دقاق کا سلسلہ نسبت یوں ہے:

شیخ ابوبعلی دقاق ان کے شیخ خواجہ ابوالقاسم نصیر آبادی، ان کے شیخ خواجہ ابوبکر شلی

(وفات ۳۴۲ھ) ان کے شیخ خواجہ جنید بغدادی (وفات ۲۹۸ھ) ان کے شیخ

خواجہ سری سقلی (وفات ۲۵۳ھ) ان کے شیخ خواجہ معروف کرقنی رحمہ اللہ (وفات

۲۰۰ھ) ان کے شیخ خواجہ داؤد طائی رحمہ اللہ (وفات ۲۰۶ھ) ان کے شیخ خواجہ

حبیب گنجی رحمہ اللہ ان کے شیخ خواجہ حسن بصری رحمہ اللہ۔

بعض روایات میں شیخ ابوالقاسم اور شیخ جنید کے درمیان کے تین مشائخ نیچے سے اوپر بالترتیب یہ ہیں:

شیخ عثمان مغربی، شیخ ابوبعلی کاتب اور شیخ ابوبعلی ردوہاری (آگے شیخ جنید بغدادی)

اس طرح شیخ ابوالقاسم قشیری کی کئی نسبتیں ہو کر شجرہ اوپر جاتا ہے۔

اس وجہ سے مختلف شجروں میں اوپر کے ناموں میں اختلاف ہو جاتا ہے۔

نیز خواجہ معروف کرفی رحمہ اللہ کی بھی دو نسبتیں ہیں، ایک نسبت شیخ داؤد طائی سے جو ایک واسطے سے حسن بصری تک پہنچتی ہے، دوسری شیخ علی بن موسیٰ رضا سے جو حضرت جعفر صادق کی وساطت سے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ تک پہنچتی ہے۔

اور شیخ ابوالحسن خرقانی رحمہ اللہ کی خواجہ بایزید بسطامی رحمہ اللہ سے نسبت ایسی طریق پر ہے، دوسری نسبت شیخ خرقانی کی خواجہ بسطامی سے یوں ہے:

شیخ خرقانی عن شیخ ابونظر عن شیخ بزیہ عشتی، عن شیخ محمد مغربی عن شیخ بایزید بسطامی اسی طرح برصغیر میں حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ کے مختلف خلفاء سے آگے الگ الگ نسبتیں جاری ہوتی ہیں۔

ہمارے اس شجرہ میں جس کا مدار نیچے حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر کی رحمہ اللہ پر ہے، یہ حضرت مجدد صاحب کی طرف آپ کے خلیفہ حضرت سید آدم بخوری رحمہ اللہ کی وساطت سے پہنچتا ہے۔

دوسرا معروف سلسلہ حضرت مجدد صاحب کے صاحبزادے حضرت خواجہ محمد معصوم رحمہ اللہ کی وساطت سے ہے جس میں نیچے خواجہ سیف الدین مجددی، خواجہ مظہر جان جاناں، خواجہ شاہ غلام علی، حضرت شاہ ابوسعید و شاہ احمد سعید، حضرت حاجی دوست محمد قندھاری، حضرت خواجہ عثمان دامانی علیہم الرحمہ معروف بزرگ ہیں۔

## سلسلہ قادریہ کا شجرہ نسبت

(۱)۔۔۔ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر کی رحمہ اللہ

(۲)۔۔۔۔۔ حضرت میان جیونو رحمہ تعالیٰ رحمہ اللہ

(۳)۔۔۔۔۔ حضرت خواجہ عبدالرحیم دلاچی شہید رحمہ اللہ

(۴)۔۔۔۔۔ حضرت خواجہ عبدالہادی امرودی رحمہ اللہ

- (۵)..... حضرت خواجہ عبدالہادی امرودی رحمہ اللہ
- (۶)..... حضرت خواجہ محمد الدین امرودی رحمہ اللہ
- (۷)..... حضرت خواجہ محمد کی رحمہ اللہ
- (۸)..... حضرت شاہ محمدی رحمہ اللہ
- (۹)..... حضرت خواجہ محبت اللہ الہ آبادی رحمہ اللہ
- (۱۰)..... حضرت خواجہ ابوسعید گنگوہی رحمہ اللہ
- (۱۱)..... حضرت خواجہ نظام الدین بٹنی رحمہ اللہ
- (۱۲)..... حضرت خواجہ جلال الدین قباچیری رحمہ اللہ (پیدائش ۸۹۴ھ وفات ۹۸۹ھ)
- (۱۳)..... حضرت خواجہ عبدالقادر گنگوہی رحمہ اللہ (پیدائش ۸۵۲ھ وفات ۹۳۵ھ بمطابق ۱۵۳۷ء)
- (۱۴)..... حضرت خواجہ محمد قاسم اودھی رحمہ اللہ
- (۱۵)..... حضرت خواجہ سید بدیع الرحمن بہرائچی رحمہ اللہ
- (۱۶)..... حضرت خواجہ مخدوم جہانیاں جہاں گشت رحمہ اللہ
- (۱۷)..... حضرت خواجہ جلال الدین بخاری رحمہ اللہ
- (۱۸)..... حضرت خواجہ سعید بن حبیبی رحمہ اللہ
- (۱۹)..... حضرت خواجہ سعید بن ابی قاسم رحمہ اللہ
- (۲۰)..... حضرت خواجہ ابوالکلام قاضی رحمہ اللہ
- (۲۱)..... حضرت خواجہ قطب الدین ابوالغنیہ رحمہ اللہ
- (۲۲)..... حضرت خواجہ شمس الدین علی گیلانی رحمہ اللہ
- (۲۳)..... حضرت خواجہ شمس الدین عداور رحمہ اللہ
- (۲۴)..... حضرت شیخ المشائخ سید عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ (بانی سلسلہ قادریہ)



- (۲۵)..... حضرت خواجہ ابو سعید مخزومی رحمہ اللہ  
 (۲۶)..... حضرت خواجہ ابوالحسن القرشی رحمہ اللہ  
 (۲۷)..... حضرت خواجہ ابوالفتح طرطوسی رحمہ اللہ  
 (۲۸)..... حضرت خواجہ عبدالواحد بن عبدالعزیز رحمہ اللہ  
 (۲۹)..... حضرت خواجہ ابو بکر شبلی رحمہ اللہ (وفات ۷۳۳ھ)  
 (۳۰)..... سید الخاٹک حضرت خواجہ جنید بغدادی رحمہ اللہ (وفات ۴۹۸ھ)  
 (۳۱)..... حضرت خواجہ سری سقطی رحمہ اللہ (وفات ۴۵۳ھ)  
 (۳۲)..... حضرت خواجہ معروف کرشی رحمہ اللہ (وفات ۴۰۰ھ)  
 (۳۳)..... حضرت خواجہ داؤد دہلوی رحمہ اللہ (وفات ۴۰۶ھ)  
 (۳۴)..... حضرت خواجہ حبیب عجمی رحمہ اللہ  
 (۳۵)..... حضرت خواجہ حسن بصری رحمہ اللہ  
 (۳۶)..... حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ  
 (۳۷)..... آقائے نامدار حضور نبی کریم ﷺ الف الف مرۃ۔

### سلسلہ سہروردیہ کا شجرہ طیبہ

- (۱)..... حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمہ اللہ  
 (۲)..... حضرت میاں جیو نور محمد تنخواٹوی رحمہ اللہ  
 (۳)..... حضرت خواجہ عبدالرحیم دلائی شہید رحمہ اللہ  
 (۴)..... حضرت سید عبدالہادی امرودی رحمہ اللہ  
 (۵)..... حضرت خواجہ عبدالہادی امرودی رحمہ اللہ  
 (۶)..... حضرت خواجہ عبداللہ بن امرودی رحمہ اللہ

- (۷)..... حضرت خواجہ محمد کی رحمہ اللہ
- (۸)..... حضرت شاہ محمدی رحمہ اللہ
- (۹)..... حضرت خواجہ حبیب اللہ الہ آبادی رحمہ اللہ
- (۱۰)..... حضرت خواجہ ابوسعید گنگوہی رحمہ اللہ
- (۱۱)..... حضرت خواجہ نظام الدین بلخی رحمہ اللہ
- (۱۲)..... حضرت خواجہ جلال الدین قہار میری رحمہ اللہ (پیدائش ۸۹۴ھ و قات ۹۸۹ھ)
- (۱۳)..... حضرت خواجہ عبدالقدوس گنگوہی رحمہ اللہ
- (۱۴)..... حضرت سید اجل بھرا بھگی رحمہ اللہ
- (۱۵)..... حضرت سید جلال الدین بخاری رحمہ اللہ
- (۱۶)..... حضرت سید رکن الدین ابوالفتح رحمہ اللہ
- (۱۷)..... حضرت سید صدر الدین رحمہ اللہ
- (۱۸)..... حضرت سید بہاء الدین ذکر الہیاتی رحمہ اللہ
- (۱۹)..... حضرت سید امام الطریقہ شہاب الدین سہروردی رحمہ اللہ (بانی سلسلہ سحروردیہ)
- (۲۰)..... حضرت سید ضیاء الدین ابوالنجیب سہروردی رحمہ اللہ
- (۲۱)..... حضرت وجہ الدین سہروردی رحمہ اللہ
- (۲۲)..... حضرت سید ابی محمد عبداللہ رحمہ اللہ
- (۲۳)..... حضرت سید احمد الدینوری رحمہ اللہ
- (۲۴)..... حضرت سید مشتاد علوی دینوری رحمہ اللہ (وقات ۲۹۸ھ)
- (۲۵)..... حضرت سید جنید بغدادی رحمہ اللہ
- (۲۶)..... حضرت سید سری سقطی رحمہ اللہ
- (۲۷)..... حضرت سید معروف کرشی رحمہ اللہ

(۶۸)..... حضرت سید داؤد طائی رحمہ اللہ

(۶۹)..... حضرت سید حبیب گنجی رحمہ اللہ

(۷۰)..... حضرت سید حسن بصری رحمہ اللہ

(۷۱)..... حضرت علی کرم اللہ وجہہ

(۷۲)..... آقائے نامدار صاحب اولاد حضور نبی کریم ﷺ تسلیم کیا کثیرا کثیرا۔

## تصوف کے سلسلے شاخ در شاخ کیسے ہوئے؟

تصوف کے چاروں معروف سلسلوں کا یہ شجرہ جو حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر گنجی صاحب رحمہ اللہ کی نسبت سے یہاں درج کیا گیا، یہ ملحوظ رہے کہ ہر سلسلے میں نیچے سے اوپر تک ہر شاخ اور بزرگ کے عموماً کئی کئی خلفاء ہوئے ہیں اور کم و بیش ہر خلیفہ نائب سے اپنے شاخ اور اس کے سلسلہ کا فیض آگے منتقل ہوتا رہا ہے۔ اس طرح روحانی نظام کا یہ سلسلہ نسبت بھی ہر نسل میں شاخ در شاخ ہوتا اور ہر زمانے میں نئے برگ و بار لانا چلا آ رہا ہے بیچم جیسے شجرہ نسب میں اوپر ایک فرد سے نسل چلتی ہے اور نیچے ہر پشت میں بچھلتی اور بڑھتی چلی جاتی ہے، ایک باپ کے چار بیٹے ہوں ہر بیٹے سے دو دو تین تین اولادیں ہوں پھر ان میں سے ہر ایک سے ایک سے زیادہ اولاد ہو تو ایک دو پشتوں میں یہی ایک دادا اور پردادا کا خاندان ایک پورا قبیلہ بن جاتا ہے، پس تصوف کی بر لڑی میں بھی ہر بزرگ کا مین ممکن ہے کہ دوسرا بیڑ بھائی بھی ہو بلکہ دسیوں بیڑ بھائی بھی ہوتے ہیں جو سب اوپر ایک ہی بزرگ سے نسبت حاصل کئے ہوتے ہیں ان میں سے ہر ایک کے پھر آگے کئی کئی مرید اور خلفاء ہوتے ہیں اس طرح ہر زمانے میں یہ متوازی لڑیاں جاری رہتی اور بچھلتی چلی جاتی ہیں۔ پس مذکورہ سلسلوں میں بھی یہ ملحوظ رکھنا چاہئے کہ ہر سلسلے کی یہی واحد لڑی نہیں جو درج ہوئی بلکہ نوع در نوع اور شاخ در شاخ متحد لڑیاں ہوا کرتی ہیں جو اس سلسلے کے مختلف وابستگان اور خانوادوں میں اوپر تک جاتی

ہیں کوئی کسی پشت میں جا کر دوسرے سے مل جاتا ہے کوئی کسی پشت میں، چنانچہ بچی دیکھ لیں کہ اوپر غولہ حسن بصری ایک نام آتا ہے، ان کے خلفاء بھی اقلیوں پر ہی گئے جاتے ہیں لیکن پھر آگے ہزار بارہ سو سال میں نسل در نسل اس میں وہ وسعت ہوئی کہ دسویں سلسلے بن گئے اور سارے عالم اسلام کو محیط ہو گئے اور اس عرصہ میں کروڑوں بندگان خدا ان بزرگوں کے فیوض سے مالا مال ہو کر اصلاح یافتہ اور فلاح یافتہ ہو گئے اور اللہ کے مقرب بندے بن کر معراج انسانیت پا گئے۔

آج بھی ان سلسلوں کا فیض عالم اسلام میں جاری و ساری ہے، گو اس زمانہ میں ان سلسلوں کے نام پر جنہل سازی بھی بہت ہو گئی اور نا اہل و ہوا و ہوس کے چہاری اور بد عمل و بد عقیدہ لوگ بھی بزرگوں کا نام استعمال کر کے مختلف سلسلوں کی طرف اپنے آپ کو منسوب کر کے ان خالص اصلاحی اداروں کو بدنام کر رہے ہیں، لیکن ہائیں اسرائیل حق اور ان سلسلوں کے صحیح عاملین اور قبیح سنت بزرگ بھی بھگدائے کچھ کم نہیں۔

بس سالکین کو پہچان پیدا کرنے کی ضرورت ہے۔

دنیا میں رہنا ہے تو پہچان پیدا کر لہاں خضر میں ہزاروں درجن پھرتے ہیں  
آدی گچ معنوں میں حق کا محتاشی ہوا اور شریعت کی بنیادی معلومات اسے حاصل ہوں تو توفیق  
الہی خود ہدایت کی طرف اسے کشاں کشاں کھینچ لاتی ہے۔

راہ طلب میں جذبہ کامل ہو جن کے ساتھ خود ان کو صوفیہ یعنی ہے منزل کبھی کبھی

## فتنہ تاتار کے معاصر مشائخ تصوف

ساتویں صدی ہجری فتنہ تاتار کا، چنگیز و جلا کو کا بڑا آشوب عہد ہے، اس عہد میں اور اس سے آگے پیچھے قریبی عہد میں بڑے نامور مشائخ تصوف ہوئے ہیں، جن کا نام اور کام آج بھی زندہ ہے، مشہور سلاسل کے بانی مشائخ بھی اسی عہد میں تھوڑے تھوڑے وقفے سے گزرے

ہیں۔ ۱۔

ان بزرگوں کی وقیع اسلامی خدمات اور امت کی صلاح و فلاح اور شیرازہ بندی کی کوششیں  
مختصاً تارکے آگے اور پیچھے کے زمانے میں یکجہلی ہوئی ہیں۔

اس کے علاوہ کچھ مزید سلسلے جو زیادہ عالمگیر شہرت حاصل نہیں کر سکے اور اس دور میں شروع  
ہوئے چند ان میں سے یہ ہیں۔

حدوی سلسلہ: بانی شیخ حدوی بن مسافر (متوفی ۵۵۷ھ)

یونسیہ سلسلہ: بانی یونس بن یوسف شیبانی (متوفی ۶۱۹ھ)

عاریہ سلسلہ: (۶۷۵ھ ابوالفتح امام احمد)

جلالیہ سلسلہ: سید جمال الدین بخاری (۸۰۰ھ)

بعد کی صدیوں میں مزید بھی کئی سلسلے وجود میں آئے ہندوستان میں ایک تو سلاسل اربعہ کی  
شکل میں باہر سے آنے والے ان قدیم سلسلوں کو نئی زندگی ملی اور فروغ حاصل ہوا حتی کہ ان  
سلسلوں کی مستقل ہندوستانی شاخیں وجود میں آئیں اور پھر یہاں سے ساری دنیا میں پھیل  
گئیں جیسے سہروردیوں کی کبرویہ شاخ اور نقشبندیہ کی مجددیہ شاخ اور سلسلہ فردوسی، اسی طرح  
بعض سلسلے تو شروع ہی ہندوستان سے ہوئے اور باہر والوں نے یہاں آ کر اس کا فیض

۱۔ معروف مشائخ کے متبعین پر ان کے وفات کا طالع ہوا:

۴۵۰..... ۴۵۰

امام غزالی و سلف

۴۵۰..... ۵۶۱

فتح مہد القادر و بیانی و سلف (بانی سلسلہ قادریہ)

۵۰۰..... ۵۷۸

امام رافعی (امام بن علی) و سلف (بانی سلسلہ رافعیہ)

۵۳۹..... ۶۳۲

فتح شہاب الدین سہروردی و سلف (بانی سلسلہ سہروردیہ)

۵۳۶..... ۶۳۳

غریب نعم الدین چشتی و سلف (بانی سلسلہ چشتیہ)

۷۱۸..... ۷۷۹

غریب بہاء الدین نقشبندی و سلف (بانی سلسلہ نقشبندیہ)

۵۶۰..... ۶۳۸

فتح اکبر الدین دکنی و سلف (مصابہ قوامت کبیرہ و سلف اکبر)

۶۰۴..... ۶۷۷

مولانا جمال الدین دکنی و سلف (مصابہ شہنوی و بانی سلسلہ مولویہ)

۵۱۳..... ۶۲۶

غریب طریق الدین عطار (مصابہ چاند سادہ و شلق الطیر)

حاصل کیا اور پھر اپنے ساتھ مکوں مکوں میں لے گئے جیسے مدار پہ قلندر پہ شطار پہ وغیرہ۔

## تصوف کے چار سلسلے اور جنت کی چار نہریں

ہمارے شیخ و مرشد حضرت اقدس نواب عشرت علی خان قیصر صاحب نور اللہ مرقدہ (متوفی ۱۴۳۱ھ دسمبر 2011ء) ۱۔

لطیف کلمے کے طور پر فرماتے تھے کہ قرآن مجید کی سورہ عمہ میں جنت کی چار قسم کی نہروں کا ذکر ہے:

(۱) پاک و شفاف پانی کی نہر (۲) دودھ کی نہر (۳) شراب طہور کی نہر اور (۴) شہد کی نہر۔  
بعض بزرگوں نے بطور تمثیل کے اصلاح کے ان چار سلسلوں کو ان چار نہروں سے تشبیہ دی ہے اور ان چاروں سلسلوں کا جو باہم مزاج و مذاق اور طریقہ کار کا اختلاف ہے۔ معنوی طور پر اور ذائقہ کے اعتبار سے اسے ایسا ہی قرار دیا ہے جیسا اختلاف شہد، شراب طہور، دودھ اور پانی کے ذائقہ و مزاج کا ہے، مثلاً حضرات چشتیہ میں شوق و محبت اور وادگی بہت زور کی ہوتی ہے۔ اس سلسلے کو مذکورہ چار نہروں میں شراب طہور کی نہر سے تشبیہ دی ہے، علیٰ حد القیاس۔ حضرت اقدس نواب قیصر صاحب رحمہ اللہ ہی کے بقول چشتیہ کا حال اس شعر کے مصداق ہے:

افروغین و سوغین و جامہ و ریدن  
شیخ ذمیں پروانہ ذمیں گل ذمیں آموشت ۲

سورہ محمد کی آیت: ۱۰۱۔

فَمَنْ لَّمْ يَغْتَبِرْ كَبَاسًا مِّنَ الْمُتَفَرِّقِينَ. فَمِنْهُمْ مَّنْ مَّا يَكُنْ لَهُ مِنَ الْإِيمَانِ لَمَّا يَأْتِيهِ الْمَوْلَىٰ فَيَكُونُ مَعَهُ. وَمِنْهُمْ مَّنْ يَكُونُ مَعَهُ لَمَّا يَأْتِيهِ الْمَوْلَىٰ فَيَكُونُ مَعَهُ. وَمِنْهُمْ مَّنْ يَكُونُ مَعَهُ لَمَّا يَأْتِيهِ الْمَوْلَىٰ فَيَكُونُ مَعَهُ. وَمِنْهُمْ مَّنْ يَكُونُ مَعَهُ لَمَّا يَأْتِيهِ الْمَوْلَىٰ فَيَكُونُ مَعَهُ.

۱۔ آپ کو حضرت مولانا اشرف علی تھانوی کے دو خطا، مولانا کبیر علی خان جلال آبادی رحمہ اللہ اور مولانا العزیز الرحمن رحمہ اللہ سے عقائد حاصل تھی اور برادر راست حضرت تھانوی کے ہاتھ پر بھی شربِ رحمت حاصل تھا، اور حضرت حکیم الامت تھانوی رحمہ اللہ کو حضرت مائی اور ادا اللہ مہاجر کی برسات سے عقائد حاصل تھی۔

۲۔ بحرِ انوار، جلد ۱، صفحہ ۱۰۱۔

مُصَفًّى. وَلَهُمْ فِيهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرَاتِ وَمَغْفِرَةٌ مِّن رَّبِّهِمْ. تَكُنَّ هُوَ  
خَالِدًا فِي السَّعَادَةِ وَسُقُوا مَاءً حَمِيمًا فَقَطَّعَ أَمْعَاءَهُمْ (سورہ  
محمد آیت ۱۵)

ترجمہ: جس جنت کا حقیقوں سے وعدہ کیا جاتا ہے اس کی کیفیت یہ ہے کہ اس میں  
بہت سی نہریں تو ایسے پانی کی ہیں جس میں ذرا تغیر نہیں ہوگا (نہر میں نہ رنگ  
میں نہ حرے میں) اور بہت سی نہریں دودھ کی ہیں جن کا ذائقہ ذرا بدلا ہوا نہ ہوگا  
اور بہت سی نہریں ہیں شراب کی جو پینے والوں کو بہت لذیذ معلوم ہوگی اور بہت  
سی نہریں ہیں شہد کی جو بالکل پاک صاف ہوگا اور ان کے لئے وہاں ہر قسم کے  
پھل ہوں گے اور ان کے رب کی طرف سے بخشش ہوگی، کیا ایسے لوگ ان جیسے  
ہو سکتے ہیں جو ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے اور کھولتا ہوا پانی ان کو پینے کو دیا جائے گا  
تو وہ ان کی استریوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالے گا۔

نہ چھان خرقہ پوشوں کی ارادت ہو تو دیکھان کو بد بیضائے بیضے ہیں اپنی آستینوں میں  
تصوف کے مذکورہ سلسلوں کے بارے میں یہ بات بھی یاد رکھنے کی ہے کہ ان سلسلوں میں  
اوپر سے نیچے تک کے بزرگوں کا مختلف فقہائے کرام کے مسلک سے تعلق رہا ہے، اور کسی  
خاص فقہی مسلک حق سے وابستگی کا اختلاف شیخ اور مرید کے درمیان اختلاف کا باعث نہیں  
بنا، افسوس کہ آج ہمارے خطے کے لوگوں میں یہ وسعتِ نظری اور اجتہادی مسائل میں چلب  
مفقود ہے۔

تمنا درد دل کی ہو تو کر خدمت فقہروں کی  
نہیں ملتا یہ گوہر بادشاہوں کے خزیںوں میں

(باب پنجم)

# حصہ دوم

چاروں سلسلوں کے بانی مشائخ کے سوانح  
مع تذکرہ چراغ دیلوی، سلطان باہو



## (باب اول)

## حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمہ اللہ

## نام و نسب

آپ کا نام معین الدین حسن بن خواجہ غیاث الدین، آپ نجیب الطرفین سید ہونے کی وجہ سے حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما دونوں سے منسوب رہتے تھے، والد ماجد کی طرف سے حسینی سید اور والدہ ماجدہ کی طرف سے حسنی سید تھے، والد ماجد کی طرف سے آپ کا شجرہ نسب دو طرح سے نقل ہوا ہے، ایک میں آپ کے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے درمیان چند واسطے ہیں اور دوسرے میں بارہ واسطے ہیں، واللہ اعلم۔

## ولادت یا سعادت

زیادہ مشہور روایت کے مطابق آپ کی تاریخ ولادت ۱۴ ربیع الثانی ۷۵۳ھ بروز جمعہ ہے بوقت صبح صادق بمقام حجر آپ کی ولادت ہوئی جیسا کہ ان اشعار سے آپ کی سن ولادت نکلتی ہے۔

سید عالم معین الدین ولی	مقتدائے دین شہ ہندوستان
سال تو لیدش بگو بدر منیر	باز سرور عارف صوفی بنواس
۷۵۳ھ	۷۵۳ھ

## وطن مآلوف

آپ کے وطن کی نسبت کئی روایتیں ہیں، سیستان (یا جہان)، ہزارستان، اصفہان،

سنجرستان، زیادہ اقوال سیستان (جہان) کے متعلق ملتے ہیں اور قرین قیاس بھی یہی ہے، چنانچہ آپ کے اسم گرامی کے ساتھ امیری سے پہلے تجزی لگایا جاتا ہے جو وطن اصلی ہی کی نسبت سے ہے، یعنی جہان سے تجزی، البتہ بعض تذکروں میں سنجر ہی لکھا ہے، لیکن ثقہ و مستتر تذکرہ نگاروں نے اسے کتابت کی لفظی قرار دیا ہے اور اس پر صاف کیا ہے کہ تجزی ہی صحیح ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

### ہند میں ورود

اللہ تعالیٰ نے عظمت کدہ ہند میں دین اسلام کی اشاعت کا کام آپ کے لئے مقدر فرمایا تھا اس لئے اسلامی دنیا کی طویل سیاحت کے بعد (جو استفادہ علوم ظاہری و استفادہ علوم باطنی کی فرض سے آپ نے فرمائی تھی) اشارہ فیہی پا کر آخر الامر دیار ہند کو لازم سفر ہوئے اور امیر میں آ کر بسیر کیا، پھر یہیں کے ہور ہے، بلکہ کفر و شرک اور گمراہی میں حیرہ و تاراس وسیع و عریض اور سرسبز و شاداب خطہ ارضی کو تو را سلام سے مستحیر و ضیاء ارک کے اٹھے، اس برصغیر میں آپ کی روحانی فتوحات اور اشاعت اسلام کی خدمات کا دائرہ محیر العقول حد تک پھیلا ہوا ہے، آپ کے عہد، برصغیر میں آپ کی آمد اور یہاں اشاعت اسلام کے سلسلے میں آپ کی خدمات کے تاثر میں تاریخ کے طالب علم کے سامنے بظاہر تاریخ کا ایک عجیب و غریب معرہ ظاہر ہوتا ہے، جس کی ظاہر بین نگاہیں معلوم نہیں کیا تو چپ کر یں گی لیکن ایمانی بصیرت کے

۱۔ قدیم عہد میں جہان فرامان کا مصداق تو فرامان کا قلم عمل کرتا ہی کی بحث ہے اپنے دور میں موجود امراء و اعلیائے کے و شرفاء نے فرامان کی تکمیل کرتے تھے اسلامی دنیا کے قدیم و جلیل القدر اطباء و افاضیہ و ائمہ کی تصریح کے مطابق جہان کا مرکزی مقام زرغ قاضی کے کنڈرات اب امراء کے مشہور شہزادان کے قریب پائے جاتے ہیں اور موجودہ افغانستان میں یہ علاقہ جمیل درہ کے آس پاس اور اس کی مشرقی سمت کا علاقہ ہوتا ہے، وہاں جلیل اور دیگر جود پاس جمیل میں آ کر رہتے ہیں اس سب کا احوال اس جہان کا علاقہ ہوتا تھا اور یہ جہان کا قلم فارسی قلم نگار کی قریب ہے (بحرانیہ خلاصہ مشرقی)

حالمین اسے اللہ تعالیٰ کی حکمت کا عظیم مظاہرہ قرار دیتے ہیں۔ ۱

## اسلامی تاریخ کا ایک خوشگوار واقعہ

اسلامی تاریخ میں پچھلی اور ساتویں صدی ہجری عالم اسلام کے لئے نہایت پُر آشوب اور ارتقا و آزمائش سے بھرپور دور تھا، اس زمانہ میں عالم اسلام جو صلیبی جنگوں کے طویل صدے سے ابھی تک صحیح معنوں میں سنہل بھی نہیں پایا تھا کہ اسے تھکا تا باد جیسے قیامت خیز سانحہ سے سنبھلے پڑا، وحشی تاتاری صحرائے گوبی کے اس پار سے اٹھ کر وسطی ایشیاء کو پامال کرتے ہوئے دریائے آمو سے اس پار اترے، اور پوری مشرقی دنیا کو روند ڈالا، یہاں تک کہ ۶۵۶ھ میں خلافت بغداد کا خاتمہ ہلاکو خان کے ذریعہ اسی قوم کے ہاتھوں ہوا، لیکن ایسے مایوس کن اور نازک ترین حالات کے پہلو بہ پہلو چھٹی صدی کے آخر میں وسیع اسلامی دنیا میں ایک ایسے نئے وسیع ملک کا اضافہ ہونے چاہا تھا، جو قدرتی غزائوں اور انسانی صلاحیتوں سے مالا مال تھا اور جس کے لئے مستقبل قریب میں اسلامی دعوت کا عالمگیر مرکز اور اسلامی علوم کا محافظ و امین بننا مقدر ہو چکا تھا، یہ ملک ہندوستان تھا، بالفاظ دیگر برصغیر پاک و ہند کا پورا خطہ تھا اگرچہ ہندوستان کے ساحلی مقامات اور سندھ کے خطہ میں ملتان تک اسلام کا نفوذ و شیوع اسلام کے ابتدائی قرونوں میں بنو امیہ کے عہد میں ہی ہو چکا تھا، اور پھر پانچویں صدی میں سلطان محمود غزنوی نے پنجاب کو اپنی فکرو میں شامل کر لیا تھا اور ہندوستان پر کئی بار چڑھائی کر کے خاطر خواہ کامیابیاں حاصل کی تھیں، لیکن غزنوی نے اندرون ہند کا قاعدہ کوئی حکومت قائم نہیں کی، اس کی سلطنت کی حدود پنجاب (لاہور) تک ہی رہیں، غزنوی کے تفریباً پانچ

۱۔ مراد یہ ہے کہ علوم انسانی تاریخ میں تو قوموں کے عروج و زوال کا عمومی منہاجہ یہ ہے کہ کچھ قومیں تو ایسی ہوتی ہیں کہ ان کو کتب و رسائل سے چند روز میں اور ان کے دن کچھ گراہ بارش جلا اور ٹپک دوسری تاریخ و سنی قومیں ایسی ہوتی ہیں کہ ان کے لئے ان کا عروج و زوال کا قاعدہ پارینہ کن چائیں، لیکن اس مسئلہ کا مطالعہ یہ ہے کہ ہر زوال کے پرے میں ان کا عروج پہنچا دیتا ہے، ہر زوال کے ساتھ ساتھ اچانک شروع کر دیتا ہے۔ ۵

مؤرخین کی فراست ہوتی کافی ہے انکار

دو سو سال بعد سلطان شہاب الدین غوری نے دلی و اجمیر کے مہاراجہ پر قہوی راج کو شکست فاش دے کر یہاں اسلامی حکومت کی بنیاد رکھی۔ ۱

## روحانی تسخیر اور سیاسی غلبہ ایک ساتھ

اس وقت ہندوستان کے سیاسی مراکز تین تھے، دلی، اجمیر اور قنوج۔ قنوج پر راجہ بے چنکی حکومت تھی، اور دلی و اجمیر کی راج چوکی رائے چھو را (پرتھوی راج) کے پاس تھی، سلطان شہاب الدین کے حملے سے ذرا پہلے خواجہ معین الدین چشتی رحمہ اللہ کا اجمیر میں درود مسعود ہو چکا تھا، اور آپ اپنے روحانی مشن میں پوری تندرستی کے ساتھ لگے ہوئے تھے، اور آپ کی ذات باریکات کے فیوضات کفر و شرک کی تیرہ و تاروں پر فائز ہونے لگے، مہکم روحانیت اور سلطنت ایمان و معرفت کے اس سلطان کی بارگاہ میں جب خلق خدا کا رجوع عام و از دعام ہونے لگا تو رائے چھو را کو اپنی سلطنت دگرگوں ہوتی نظر آنے لگی۔

## رائے چھو را کے لئے آپ کی بددعاء

رائے چھو را (پرتھوی راج) نے حضرت خواجہ صاحب کے متعلق نہایت نامناسب رویہ اختیار کیا اور آپ کی شان میں برے الفاظ کہے اور اپنے ایک سردار کے ذریعے حضرت خواجہ صاحب کی خدمت میں پیغام بھیجا کہ وہ اپنے ہمراہیوں سمیت جلد از جلد اجمیر سے نکل جائیں، حضرت کو جب یہ پیغام پہنچا تو اس عارف حق نے بصیرت و عرفان کی بناء پر تامل و فحی سے اپنی جلالی شان کا یوں اظہار فرمایا: ”ما اور ایہ دوں کرویم و دادیم“ کہ ہم نے اس کو نکال باہر کر دیا اور اس کی سلطنت دے دی، ”اور یہی وہ زمانہ تھا کہ سلطان غوری ہندوستان پر دوسرے فیصلہ کن حملے کی تیاریوں میں مصروف تھا، چنانچہ پھر زیادہ عرصہ نہیں گزرا کہ دلی

۱۔ ہندوستان نے اپنے چند معجزوں کا نام ”پرتھوی“ اپنے اسی سردار کے نام پر رکھا ہے اس کے جواب میں پاکستان نے اس معجزوں کے قریب میں معجزوں کا رکھا ہے اس کا نام غوری رکھا ہے۔

واجبیر پر اسلام کا پھر براہ راست لگا۔

اس طرح خلعت کدہ ہند میں اسلام کے روحانی اقتدار اور سیاسی اقتدار کی بنیادیں ساتھ ساتھ پڑی۔

مسلمانوں کا سیاسی اقتدار قائم ہونے کے بعد آپ کے کام کو بڑی تقویت پہنچی۔  
اور قلیل عرصہ میں لاکھوں ہندوگان خدا صلہ بخش اسلام ہو گئے۔

## آفتاب اسلام کا کہیں غروب کہیں طلوع

اس طرح ساتویں صدی ہجری وہ سنگم ہے کہ جس پر دنیا کے ایک بڑے حصے میں مسلمانوں کا عروج ختم ہو رہا ہے تو دنیا کے دوسرے مشہور حصے اور ذریعہ مردم خیز خطے میں عروج اسلام کا ایک نیا دور بنی آپ کتاب کے ساتھ شروع ہو رہا ہے۔

اسلامی تہذیب و تمدن کا ایک نقشہ جلد و فرات کی وادیوں میں دم توڑ رہا ہے اور ماوراء النہر کے آر پار اس پر دم وانی نہیں کا عالم ہے تو پھر ہند کے ساحل پر گلج و جمن کی وادیوں میں ایک نومولود، دلکش، دہڑ دہڑنے والا اثر اسلامی تہذیب و سلطنت کی صبح کا ذب صبح صادق بنتی جا رہی ہے۔

جہاں میں اہل ایمان صورت خورشید جیتے ہیں اور وہاں پھر اظہار و بے اظہار نکلے  
حضرت خواجہ اجیر نے ہند میں جس روحانی سلطنت کی اور سلطان شہاب الدین غوری نے  
جس سیاسی سلطنت کی بنیاد رکھی تھی ماں و دلوں میں اللہ تعالیٰ نے وہ برکت قبولیت اور ترقی  
عطا فرمائی کہ ہندوستان جنت نکشان گذشتہ اسلامی سلطنتوں کا لائق جانشین بن گیا۔

علماء مشائخ اور امراء و مسلمین نے اپنے خونِ جگر سے یہاں اسلام کے نو نہال پودے کو ایسا  
سینچا کہ تھوڑے ہی عرصہ میں وہ تناور درخت بن گیا اور یہ نضا اس کو ایسی راس آگئی کہ اس کی  
جزیر زمین میں دور دور تک پھیل گئیں، ماوراس کی شاخیں آسمان سے ہاتھیں کرنے لگیں

بمصادیق آیت:

”كُنْزُ خَزَائِنِ حَقِّيقَةٍ أَصْلُهَا ثَابِتٌ وَفَرْعُهَا فِي السَّمَاءِ“ (سورۃ: آیت البروج ۴۴)

(مانند طوبی درخت کے جس کی جڑیں زمین میں راسخ و بیست ہیں اور اس کی شاخیں آسمان میں ہیں)

حضرت خواجہ نے ہندوستان میں مسلمانوں کے سیاسی اقتدار کے قیام سے پہلے ہندوستان کے قلب اور قدیم ہندوستان کے سیاسی مرکز امیر کو جو اپنے قیام کے لئے منتخب فرمایا یہ فیصلہ ان کی اولوالعزمی کا ایسا تاجاک کا نام ہے جس کی مثالیں صرف تیشوایان مذہب اور فاتحین عالم کی تاریخوں ہی میں مل سکتی ہیں، خواجہ بزرگ کے استقلال و اخلاص، ان کے توکل و المیت، ان کے زہد و قربانی اور درو سوز کے اثر سے ہندوستان مرکب اسلام بنا۔

## آپ کے تیار کردہ رجال کار

حضرت خواجہ صاحب نے اپنے خلفاء و متوسلین کی صورت میں جو کھپ تیار کر کے ہندوستان کو فراہم کی ان میں ہر شخص خود اپنی ذات میں ایک انجمن و ادارہ تھا۔ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی، شیخ حمید الدین ناگوری، صوفی حمید الدین ناگوری، شیخ احمد کابلی، خواجہ برہان الدین رحمہ اللہ اور دیگر دسیوں خلفاء پھر آگے دوسرے طبقے میں آپ کے خلفاء کے خلفاء میں حضرت شیخ کبیر بابا فرید الدین گنج شکر، حضرت سلطان المشائخ نظام الدین اولیاء، درجہما اللہ اور ان سب بزرگوں نے برصغیر کے طول و عرض میں، ہر طرف اپنے اہل علم خلفاء و مریدین کو اسلام کی دعوت و تبلیغ کے مشن پر مقرر و ماحر و کر کے اسلام کا آواز و پیغام ہر شہر، بستی اور قصبہ و قریہ میں پھیلا یا تو دوسری طرف ان کی برکات اور فیوضات امراء و وزراء اور سلاطین سے لے کر فقراء و خاک نشینوں تک ہر طبقہ کو اپنے دامن رشد و ہدایت میں لے کر فیض یاب

کرتے رہے، یہ سب اسلامی تاریخ ہند کا زریں باب ہیں۔

شیخ علی ہجویری رحمہ اللہ جو کہ حضرت خواجہ صاحب سے کافی مقدم ہیں، مجدد غزنوی میں ہند (لاہور) میں تشریف لائے تھے اور شریعت و طریقت میں جن کا پایہ بہت بلند ہے، حضرت خواجہ نے ہندوستان آتے وقت پہلے لاہور میں قیام کیا اور آپ کے حزار کے قریب چلہ کشی کی علامہ اقبال مرحوم نے ذیل کے شعر میں اسی طرف اشارہ کیا ہے

شیخ ہجویری، مجدد ام  
مرقدہ او، پیر خیر احرم

## ابتدائی حالات اور عملی زندگی کا آغاز

حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمہ اللہ کے والد بزرگوار خواجہ غیاث الدین اپنے علاقے تھر کے رئیسوں میں شمار ہوتے تھے اور دنیوی جاہ و جلال کے ساتھ ساتھ حقیقی درویشی اور فقیری کی صفات سے بھی مالا مال تھے۔

بیان کیا جاتا ہے کہ وہ صاحب نسبت و باکرامت بزرگ تھے، ۵۵۴ھ میں ان کی وفات ہوئی، اسی طرح آپ کی والدہ بی بی ماہ نور بھی ایک عابدہ و زاہدہ خاتون تھیں، حضرت خواجہ صاحب کے والد ماجد کی وفات خواجہ کی جوانی کے آغاز میں ہوئی، والد مرحوم کے ترکہ میں آپ کو ایک وسیع و عریض باغ ملا، اس کو آپ نے ذریعہ گزران بنا کر اس کی غور و پرداخت میں مشغول ہو گئے، ایک دن جب آپ باغ کے کاموں میں مشغول تھے، ایک جملہ پایہ بزرگ وہاں تشریف لائے، تاریخ میں ان کا نام ابراہیم قندوزی یا ابراہیم قلندر مذکور ہے، ان کے تفصیلی حالات تو نہیں ملتے، ماہیت ان کے اجمالی حالات جو ملتے ہیں ان سے پتہ چلتا ہے کہ وہ ایک خاص شان کے مہذب بزرگ تھے۔ ۱

۱۔ طریقت میں مہذب وہ حضرات کہلاتے ہیں جن پر لوگ یعنی مسلمان اہل کی حویلیں طے کرتے ہوئے کوئی گلی اہل دین کی نہ جانتی ہے جس کا وہ گھر نہیں کر پاتے، ان کی عقل مہذب ہو جاتی ہے، اور شرما کر مظلوم و مظلومین کی ایک دہلی (بڑی حاشیا لگے سٹے پر مڑھ فرمائیں) ۲

آپ نے انہیں سرسبز اور گنجان درخت کے سائے میں بٹھایا اور پختہ انگوروں کا ایک خوشہ توڑ کر ان کے سامنے رکھ دیا، حضرت مہذب خولہ کی مہمان نوازی سے بہت سرور اور خوش ہوئے، انہوں نے اپنی جھولی سے ایک کھٹکی (سرسوں کا چھوگ) کا ٹکڑا نکالا اور اسے اپنے دانتوں سے چبا کر خولہ کو دے دیا، اسے کھاتے ہی دل کی حالت بدل گئی اور سینہ جب الٹی سے معمور ہو گیا، اور طبیعت دنیوی امور سے اُچاٹ ہو گئی اور ایک شوق و وارفتگی کی کیفیت رگ وریشے میں بھر گئی، گویا کہ قضاء و قدر کا فیصلہ مناجات اللہ، حضرت خولہ کے متعلق مسند رشد و ہدایت پر فائز کرنے کے لئے ہو چکا تھا، وہ اس مہذب صادق پر مشکف کر دیا گیا اور عالم اسباب میں مہذب کے اس عمل کو اس فیصلے کا نقطہ آغاز اور علامت بنا دیا گیا۔ اور بعض مورخین کے بقول اس زمانہ میں تاتاری دشمنوں کی ابتدائی ترک تازیاں شرع ہو چکی تھیں، آپ کا علاقہ بھی ایک تاتاری حملے میں ان کی دست برد کا شکار ہو چکا تھا، اس وقت جو حالات و واقعات پیش آئے، ان کی وجہ سے آپ پر دنیا کی بے ثباتی کا غلبہ ہوا اور طبیعت ان علاقہ دنیوی سے اُچاٹ ہو گئی۔

### ﴿ گزشتہ صفحے کا نتیجہ حاشیہ ﴾

حقیقت ہے کہ احکام خداوندی اور دینی ضابطوں کا آدمی اس وقت تک مکلف و پابند رہتا ہے جب تک اس کی عقل ٹھکانے ہو، ایسی عقل جو تکلیف شرعی کا دار ہے، لیکن وہ جانے کو فتنہ اٹھانے کی وجہ سے شریعت بھی مرفوع احکم قرار دیتی ہے اور جان کا دستور و قانون اور انسانی معاشرہ بھی، لیکن عقلی عنوان اور اس طرح کی دینی سبب و وجہ سے فتنہ اٹھانے والے عنوان میں اور شریعت کے سامنے پر چلنے کے دوران عقلی الٹی سے متغیر اٹھانے والے مہذب میں ہر ایک فرق ہے، ظاہری اعتبار سے ہر فرق میں نہیں ہوتا، کیونکہ انہوں نے مہذب و دلوں کے قول، فعل میں کوئی انتظام اور مشق نہیں ہوئی، احکام شرع دلوں سے ساتھ ہوتے ہیں، اور شریعت دلوں کو مستند قرار دیتی ہے لیکن مہذب متحول ہوتا ہے اور جبکہ عمرانی امور کا مشکاف بھی اس پر ہوتا ہے جس پر بعد تصانیف عقل و دین کے لیتا ہے، جو حق میں یہ اعتقاد و قدر کے فیصلے اس پر مشتمل ہوتے ہیں، اور اس وقت ظاہر بھی کر لیتا ہے۔

صیغہ مہذب و دین کی تعمیر سے یہ واقعہ لوگ اس معاملے میں ہی ہے، عقل کا ظہار جس مہذب کم علم اور فقہ کو مہذب اور نام نہاد دین انہیں دین سے بچنے پر رگوں اور مہذب دین کے انتہائے سنتے ہیں (جو کہ پانچ ماہ میں مہذب کئے ہیں لیکن یہ کم علم مہذب اس میں مہذب کر لیا جائیگا) ان کے دل و دماغ اور ہم خیال میں اور حق میں اتنی سماجی ہیں اور ان پر غالب (جس حاشیہ کے لئے یہ مہذب کر لیا گیا) ﴿



اس واقعہ کے بعد حضرت خواجہ اپنی جائیداد اور اوقاف میں لٹا کر دنیا کے کھیزوں سے یکسو ہو گئے، پھر والدہ ماجدہ کی اجازت سے تحصیل علم دین اور معرفت حق کے لئے وطن سے نکلے۔

یہ ۵۵۲ھ کا زمانہ تھا، اس وقت حضرت خواجہ صاحب کی عمر چندہ برس تھی، دشوار گزار سفر کی صعوبتوں سے گزر کر آپ سرقد پہنچے، اس زمانے میں سرقد و بخارا اسلامی علوم و فنون کے بڑے مرکز تھے، آسمانی علم و ہدایت کے آفتاب و ماہتاب یہاں شوقین تھے، جن کے فیضان سے اطراف و جوارب کے اسلامی ملکوں اور علاقوں میں علم دین کا غلغلہ تھا، سرقد میں آپ نے قرآن مجید حفظ کیا اور اس کے بعد دوسرے علوم و فنون سیکھے، یہاں آپ نے اکثر علوم

### ✽ گوشہ مطہر کا بیج مٹا دیا ✽

آجاتی ہیں کہ ہر پاگل دہانے میں ہی کوہزدہت ہی کی جھلک نظر آنے لگتی ہے اور برہمنی، جلی پاگل دہانے کو ہزدہت نامہ سے کہ اس سے استادی اور ہی کا عقل کا تم کر لیتے ہیں، اور اس کی سہرا پا اتوں سے لگے اور اشارے سمجھ کر لیتے ہیں اور احمد کے لئے ان کو پیشین گوئیوں یا نبی اسرار کا کشاکش خیال کر لیتے ہیں۔ گویا وہی بات ہوئی۔۔۔ جتنے کالے اسے ہمارے باپ کے سامنے۔ حالانکہ اگر کوئی واقعی ہزدہت بھی ہو تو ہزدہت شرما مضبوط ہوتا ہے کہ اس کو مضبوطی سمجھتا چاہئے، حالانکہ اس کے اس کے افعال و اقوال پر گرفت نہ کی جائے نہ یہ کہ اس کو سخت اور مضبوط بنا دیا جائے۔ عقلی ہزدہت کی اہل گریہ نے ہکوماتات، یاں کی ہیں مثلاً یہ کہ اس زمانہ کے اہل حق، اہل نظر و باپ علم اس کے کاسوں اور باتوں پر عقیدہ کرتے ہیں، بلکہ اس کے معاملے پر سخت رکھتے ہوں، اور عام طور پر اپنے واقعی ہزدہت اہل بصیرت کی نگاہوں سے چھپے نہیں رہتے، مردم یہ کہ اس کے پاس بیٹھے اور اس کی باتیں سننے سے قلب کو آفرات کی طرف کشش ہوتی ہو۔ اور ہزدہت کو جاننا وہ اس کا مستحق ہونا کوئی فرض واجب ہے، نہیں، اور ہزدہتوں کی تعداد بھی کوئی تعین زدہ نہیں ہوتی کہ ہر دوسرے پاگل اور بخون کو ہزدہت سمجھا جائے، اس لئے عام الناس کے دہریہ ایمان بلکہ سڑک داہد کی سلامتی اسی میں ہے کہ بخونوں یا عام فلاحی ہزدہتوں سے دور رہیں اور ہر اس معاملے میں عوام کی کوتاہ نظری کے لئے یہ کیا تم ہے کہ جو چیزیں شریعت نے ان پر فرض واجب کی ہیں، مثلاً روزہ اور صلا و نماز کی تعمید اور حدود شرع کی پابندی، اس سے تہہ یہ عوام اہل حق یا عقل ہوتے ہیں، لیکن ایسے ہزدہتوں بلکہ ملکوں کے پکار میں جا رہے ہیں۔ یہ بہت ہی افسوس ناک امر ہے، اپنے ایمان کی غیر معافی چاہتے اور تہہ آخرت کو سامنے رکھ کر اپنے اعمال کی اصلاح کرنی چاہتے، اب شریعت کے راستے پر یہ سیدھا چلنے کے قواعد عقلانی خود نہیں، جذبہ عشق اور محبت اور ان کی روایت مطاعناری کے، بلکہ تہہ اسی نظر میں، یہ محبت ہی ہو جائے گی کہ ہزدہت تم سے چھپے نہ ہیں کہ اس لئے اعمال سے ناقل ہو کر یا انہیں انہیں اور چہ حال و بد اعمال ملکوں کے پکار میں نہ چاہتے، جب تک عقل ہی ہو، روزہ و روزہ کو ترک کرنا عقل اور گناہ ہے ہزدہت نہیں۔۔۔

اسی نظر میں، جڑا دل و زبان بھرتے ہیں

دانش و ہمت چہ کچھ کان پیرا کر

ظاہری میں دسترس حاصل کی، پھر بخارا تشریف لے گئے وہاں بقیہ علوم کی تکمیل فرمائی۔  
طرح چند سالوں میں آپ نے جملہ عقلی و نقلی علوم کی تکمیل فرمائی۔

اکثر روایات کے مطابق سمرقند و بخارا میں آپ کا زمانہ قیام پانچ سال ہے، علوم ظاہری میں تکمیل حاصل کر لینے کے بعد اب جگر میں دہی وہ آگ پھر سنگ اٹھی، جس کی چنگاری مہذب کے دافنے کے نتیجے میں آپ کے دل میں روشن کی گئی تھی، آخر ایک دن بخارا سے مرہو کمال کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے، کیونکہ عادت خداوندی یوں ہی جاری ہے کہ عجب حقیقی و معرفت ربانی کا یہ شعلہ سبز سے سبز میں منتقل ہوتا ہے، عہد حق مردان کمال جو اس راہ کے شیخ نہیں ایک مدت ان کی صحبت سے بہرہ ور ہونے اور ان کی نگرانی و رہنمائی میں اپنے نفس کو پامال کرنے سے نسبت کی دولت مرشد (شیخ) سے مسترشد (مرید) کو منتقل ہو جاتی ہے، حضرات فاضلین نے آیت:

”يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَخُوفُوا نِعَمَ الضَّالِّينَ“ (صوبہ ۱۱)

سے اس پر استدلال کیا ہے، کیونکہ اس آیت میں تقویٰ کا حکم بیان کرنے کے بعد سچے اور سچے اللہ والوں کی صحبت کا حکم دیا گیا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ کامل اللہ والوں کی صحبت سے تقویٰ پیدا ہوتا ہے۔ بحر معرفت کے شاہ و مولانا رونی رحمہ اللہ نے مشنوی شریف میں اس کو یوں ذکر فرمایا ہے۔

قال راہگذار صاحب حال شو      پیش مرد کاٹے پامال شو

مطلب یہ کہ ”قیل و قال کو چھوڑو، صاحب حال بنو، کسی کامل اللہ والے کے سامنے اپنے آپ کو مٹاؤ“

کوئی پاتا نہیں منزل بدوں رہبر منزل      مگر چہ ملک کوشش میں کرے سالک اپنی جاں  
باقی دین کے دیگر شعبوں کی طرح رشد و اصلاح کے اس شعبے میں بھی ابتداء زمانہ نے جو کچھ خرابیاں اور بدعات و خرافات شامل کر لی ہیں، ان سے ہمارا دین اور خود صحیح اہل تصوف پیزار

ہیں، اس موقعہ کے لئے کسی نے کہا ہے: ع

ذاتوں کے تصرف میں ہیں عطاہوں کے نشمن

انہوں نے تصوف و طریقت جو ترکیب اور اخلاقی و باطنی اصلاح کا شعبہ تھا، اس کے ساتھ  
چاہلوں نے کتنا بڑا ظلم اور ناانصافی کا برتاؤ کیا کہ اس میں اپنی نفسانی خواہشات اور حرص  
و ہوس کو داخل کر کے اس کا حلیہ بگاڑ دیا، اور اس کی آڑ میں وہ سب کچھ حلال سمجھ لیا جو شریعت  
کی نظر میں بالکل ناجائز و حرام تھا۔

## گوہر مقصود تک رسائی

اس زمانے میں نیشاپور کے قصبہ ہردن میں سلسلہ چشتیہ کے مرد کامل خواجہ عثمان ہاردنی  
(ہردنی) کا چشمہ فیض جاری تھا، ہندوگان خدا اس چشمہ صافی سے اپنے اپنے ظرف کے  
مطابق فیضیاب و سیراب ہو رہے تھے، اس لحاظ سے کام مہبت کے لئے بھی اس چشمہ سے سیراب  
ہو کر معرفت و ہدایت کا سفر زخار و فنا مقدر ہو چکا تھا، تقدیر آپ کو کشاں کشاں یہاں پہنچ  
لائی، حضرت خواجہ صاحب ۷۵۵ھ میں ہردن پہنچے، شیخ ہردنی نے پہلی ہی بصیرت بھری نظر  
سے آپ کی پیشانی میں نور ولایت کو پہچان لیا۔

مردہخانی کی پیشانی کا نور کب چمپا رہتا ہے خوش ذی شعور

شیخ نے اس پہلی مجلس میں ہی آپ کی درخواست پر آپ کو عجیب مسنون فرمایا، اور رام سلوک  
کے معمولات تلقین فرمائے، اور شیخ کی صحبت میں بہت جلد ترقی کے مدارج طے کر کے  
کمالات کو پہنچے، مرشد کی خدمت و صحبت میں آپ کئی سال رہے، بعض روایات میں بیس  
سال کا عرصہ مذکور ہے۔

## خرقہ خلافت

جب حضرت خواجہ صاحب کے مجاہدات و ریاضات کا سلسلہ شیخ کی غشاء کے مطابق مکمل

ہو گیا، اور آپ کا قلب ہدایت و معرفت کا خزینہ بن گیا، تو مرشد کے ہمراہ پنج بیت اللہ کے لئے تحریف لے گئے، حرم شریف میں میزابِ رحمت کے چپے مرشد نے خواجہ صاحب کا ہاتھ پکڑ کر بارگاہِ خداوندی میں دعا کی، کہ اے رب میرے معین الدین کو اپنی بارگاہ میں قبول فرما، تاریخ کا بیان ہے کہ غیب سے آواز سنائی دی کہ معین الدین ہمارا دوست ہے، ہم نے اسے قبول کیا اور اسے عزت بخشی۔ پھر اپنے شیخ کے ساتھ مدینہ منورہ حاضری دی، مدینہ منورہ میں ایک رات منامی (خوانی) بشارت کے ذریعے بارگاہِ رسالت ﷺ سے ہندوستان جا کر کام کرنے کا حکم ملا، چنانچہ اس وقت مرشد نے آپ کو خلافت سے سرفراز فرما کر ضروری ہدایات اور نصیحتیں فرمائیں، اس وقت آپ کی عمر بعض روایات کے مطابق ۵۲ سال بیان ہوئی ہے۔

## اسلامی دنیا کی طویل سیاحت

اپنے شیخ سے خلافت و اجازت پانے کے بعد ہندوستان آمد سے پہلے حضرت خواجہ صاحب نے بہت سے اسلامی ممالک کا طویل عرصہ تک سفر کیا، اور صد ہا اولیاء اللہ اور اکابرِ مہن امت سے ملاقات و استفادہ فرمایا، چنانچہ بغداد جو کہ مستقر خلافت اور پوری اسلامی دنیا کا مرکز تھا، وہاں مندرجہ ذیل مشائخِ وقت سے آپ کی ملاقات اور طویل عرصہ تک محبتیں رہیں:

- (۱) سید الاقطاب حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ (۲) شیخ الشیوخ حضرت شہاب الدین سہروردی رحمہ اللہ جو کہ دونوں بزرگ صاحب سلسلہ ہیں (پہلے سلسلہ قادریہ کے بانی اور دوسرے سلسلہ سہروردیہ کے بانی ہیں)

ان کے علاوہ آپ نے شیخ غیاث الدین ابوالخیر سہروردی اور حضرت خواجہ احمد الدین کرمانی رحمہ اللہ کی صحبت سے بھی خوب استفادہ کیا، علاوہ ازیں حضرت شیخ نعم الدین کبرنی زاوہر رحمہ اللہ جو چھٹی صدی ہجری کے اولیاء عظام میں نہایت ہی بلند مقام رکھتے ہیں، ان کی خدمت

میں تو آپ دو سال سے بھی زیادہ عرصہ رہے اور خصوصی فیض اٹھایا۔ ۱

زمانہ سیاحت میں حضرت خواجہ صاحب ہمدان و تہریز بھی گئے، ہمدان میں شیخ ابو یوسف ہمدانی اور تہریز میں شیخ ابو سعید تہریزی جیسے سرآمد روزگار مشائخ کا فیض اٹھایا، کہا جاتا ہے کہ شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ نے بھی ابتداء میں شیخ ابو یوسف ہمدانی سے فیض حاصل کیا تھا، اسی طرح اصفہان میں شیخ محمود اصفہانی کی صحبت اٹھائی، پھر استرآباد تشریف لائے یہاں شیخ ناصر الدین استرآبادی رحمہ اللہ سے کسب فیض کیا، پھر ہرات اور وہاں سے ہنزوار تشریف لے گئے، حاکم ہنزوار محمد یادگار جو ایک رنگین حراج اور ناؤ نوش کا دلدادہ شخص تھا، آپ کے ہاتھ پر نائب ہو کر حلقہٴ ارواوت میں شامل ہو گیا۔

پھر شیخ تشریف لے گئے، یہاں مشہور قلینبی عالم خواجہ نیا، والدین جو اہل تصوف کا سخت مخالف تھا، اس کے نائب ہونے اور حلقہٴ ارواوت میں داخل ہو کر روحانی درجہات عالیہ تک رسائی پانے کا واقعہ پیش آیا۔

پھر وہاں سے غزنی تشریف لے گئے، غزنی کے سیاسی حالات اس وقت سخت ابتر ہو چکے تھے، غزنویوں کے اقتدار کا چراغ ٹھٹھا رہا تھا، غور میں سلطان علاء الدین غوری کا آفتاب اقبال بلند تھا، اس نے غزنی پر بھی حملہ کیا لیکن اس وقت وہ غزنی کو فتح نہ کر سکا، دوسرے سال غزنی پر تاتاریوں نے یورش کر کے سخت تباہی مچائی، شاہ غزنی ملک شاہ مقابلہ کی تاب نہ لا سکا اور

۱۔ شیخ تاج الدین بک رسالہ نے اپنی معروف تصنیف ”فتوحات القلیبیہ“ میں شیخ نجم الدین کبریٰ زید کا تہذیب و تمدن کا دور سے ذکر فرمایا ہے، آپ علوم ظاہری و باطنی کے جامع المہرین تھے، امام غزالی، ابن عربی اور شیخ شہاب الدین سوہروردی شیخ نجم الدین سے سعادت و سعادت رکھتے تھے، آپ کا خط حقانی نے عربی شہادت پر قانع کیا تھا، میں پنجگزر تاج کی سرکردگی میں بازاری افکار اسلامی ملکوں اور علاقوں کو ترویج کرتا تھا، غور ورام کے علاقہ تک پہنچا، اس وقت آپ غور ورام کے علاقہ میں تھے آپ نے اپنے چچہ و چچہ و خدام و حلقہ، انگوہاں سے چلے جانے اور مختلف ممالک و علاقوں میں پھیل کر تبلیغ و تصانیف دین کا کام کرنے کی حد تک قربانی اور قربانیاں کئے جیسے کہ جانے کا علم نہیں، مگر آپ اپنے چچہ و دو ملاؤں کی مختصر خدمت کو لے کر میدانِ جہاد میں از پست و بالا، پنجگزر افکار کے چچے پھرانے کا ارادہ لائے تو سب خطا و صیبت فہمید ہو گئے، سب۔

بھاگ کر لاہور ٹھکانہ کیا، کچھ عرصہ بعد ملک شہانہ نے پھر آ کر تاتاریوں کو شکست دی اور غزنی کو واپس لیا، یہ سب پر آشوب واقعات حضرت خواجہ صاحب کی آنکھوں کے سامنے غزنی میں پیش آئے، غزنی میں شیخ عبدالواحد غزنوی سے آپ نے کس فیض کیا۔

اس کے بعد آپ ہندوستان کو عازم سفر ہوئے، جہاں اشاعت اسلام کا مبارک کام آپ کے لئے مقدر ہو چکا تھا۔

اب دو موقعہ آیا کہ سارے جہان سے حدیث و ارشاد کا فیض سمیٹ کر جمع کمالات بن کر آپ ہندوستان وارد ہوں اور کفر و شرک میں حیرہ و تاراس وسیع ملک کو نور ہدایت، نور اسلام سے فیاہ بار فرمائیں، آپ کے سامنے عالم اسلام جس بڑے آشوب دور سے گزر رہا تھا اس پر آپ کا دل خون کے آنسو روتا تھا۔

دلہا خست و بکھر ہا کہا باند

زور و دین احمدی ابن راہ را

## غزنی سے لاہور آمد

حضرت خواجہ کا اپنے مرشد شیخ ہارونی سے رخصت ہونے سے لے کر طویل سیاحت کرنے اور پھر غزنی سے ہوتے ہوئے لاہور پہنچنے کا زمانہ ۵۸۲ھ تا ۵۸۶ھ یا ۵۸۷ھ بتایا ہے، ۵۸۷ھ کے اوائل میں آپ لاہور پہنچے، یہاں کے قیام کے دوران آپ نے شیخ علی بھویری علیہ الرحمہ کے مزار کے متصل ایک حجرہ میں ذکر و عبادت کا چلکا نا، پھر یہاں سے اجمیر کو عازم سفر ہوئے۔

## اجمیر میں آمد

حضرت خواجہ مصین الدین چشتی ۵۸۷ھ/ ۱۱۹۱ء میں اجمیر تشریف لائے، یہاں حضرت خواجہ اپنے چالیس درویش صفت اللہ والے ساتھیوں کے ساتھ پہنچے تھے اللہ والوں کی یہ بابرکت جماعت شہر سے باہر اس میدان میں تشریف فرما ہوئی جہاں پر تقوی راج کے اونٹ

بیٹھا کرتے تھے۔ رجب کے ملازموں نے خواجہ کو وہاں پڑاؤ نہ کرنے دیا۔ ۱۔  
آپ اپنے ساتھیوں سمیت وہاں سے اٹھ کر آنا ساگر نامی مشہور خواجہ صورت و بارونق صہیل  
کے کنارے آ کر فروکش ہوئے۔ ۲۔

اس طرح نہت پرستی کے اس خاص مرکز کو حضرت خواجہ نے مرکز ہدایت بنانے کا عزم فرمایا۔  
اصل تصوف کا ایک رخ یہ ہے جو حضرت خواجہ اور دیگر برہان طریق کی سوانح سے واضح  
ہوتا ہے کہ اولوالعزم مشائخ نے طریقت اور سلوک کے معمولات و عبادات سے گزر کر اعلیٰ  
طریقت سے نسبت اور تعلق مع اللہ کی دولت حاصل کر کے اپنے آپ کو رشد و ہدایت کا جسم  
قنوت بنا کر دنیا کے اطراف و اکناف تک دین محمدی کا پیغام پہنچایا اور اپنی مثالی زندگی اور  
اعلیٰ سیرت سے قوموں کی قوموں کو ہدایت کی راہ دکھائی۔ یا پھر آج تصوف کے نام پر بہت  
سے مبتدعین اور بدگمان ہوئی وہوں کے دھندے ہیں، جنہوں نے تصوف کے ظاہری نقشے  
میں رہبانیت کا رنگ بھرا اور ہنس منظر میں انسانییت کا چارو بنگایا ہے۔ علامہ اقبال مرحوم نے  
انہی نام نہاد اہل تصوف کی رنگین قباویلوں کھینچی ہے۔

ہوئے قنوم جو قبروں کی تہارت کر کے      کیا نہ بچو گے جو بیل جائیں منم بھر کے  
آنا ساگر میں حضرت خواجہ کے قیام کا نقش ایک صاحب دل شاعر نے یوں کھینچا ہے۔  
خیمہ رزان ہند میں تھے یوں خیمہ بے شل و دریل      ملک نورد میں جیسے کبھی مہمان تھے ظلیل  
آنا ساگر سے اٹھا نعرہ کھلیں کا شور      آنا ساگر سے بڑھا ہند میں تبلیغ کا زور  
آنا ساگر پہ چھگی مسد درس و ارشاد      بن گیا ہند میں انجیر ہدایت آباد

۱۔ یہاں حضرت کی فعلی سب سے کرامت ظاہر ہوئی کہ وہ کے دولت شام کو جب اس میدان میں پہنچے  
زمین سے چپک گئے، صبح آدھ گھنٹے کے بعد اٹھ گئے، آخر حضرت خواجہ کے پاس ملازم آ کر معافی کے  
خواہشکار ہوئے اور پھر حضرت خواجہ کی دعا سے دولت اٹھنے کے قابل ہوئے۔

۲۔ یہاں آپ رجب ۱۰۱۷ء میں پہنچے اور اسی سال کے چاروں طرف بڑے بڑے معجزے رونے لگے۔  
بہت بڑا معجزہ اسی رجب کے خاندان کی پوجا پات اور رام شام کے لئے مخصوص تھا وہاں معجزوں کی وجہ سے یہ  
آپ کی نہت پرستوں کی فطرت میں مقدس و حرم تھا۔

حضرت خواجہ کا امیر میں درود کا زمانہ تراوڑی (تراوڑی کو تران بھی کہا جاتا ہے، یہ تھا میر سے چودہ میل کے فاصلہ پر میدان تھا) کی پہلی اور دوسری جنگ کے درمیان کا زمانہ ہے، تراوڑی کی ان دونوں جنگوں کے درمیان ایک سال کا وقفہ ہے، آگے جو واقعات ذکر ہوتے ہیں وہ اسی عرصہ میں پیش آئے، تراوڑی کی دونوں جنگیں سلطان شہاب الدین غوری اور امیر دہلی کے راجہ پر قہوی راج کے درمیان لڑی گئیں جو اس وقت ہند کے تمام راجوں سے بڑا اور باجبروت راجہ تھا۔

تراوڑی کی پہلی جنگ میں ایک اتفاقیہ واقعہ کے نتیجہ میں سلطان شہاب الدین غوری کے اسلامی لشکر کو شکست ہوئی اور کھنڈے سے راجا کا حکم دہلی جو پر قہوی راج کا بھائی تھا اس کے ایک کاری دار سے سلطان شہاب الدین شدید زخمی ہوئے، اس پہلی جنگ میں اسلامی لشکر کی تعداد بارہ ہزار اور پر قہوی راج کا لشکر دوا کاہ افراو پر مشتمل تھا اور تین ہزار جنگی ہاتھی بھی اس کے ساتھ تھے، سلطان کو تا کہاں یہ مقابلہ پیش آیا، دشمن کو سر پر دیکھ کر سلطان کی اسلامی فیرت نے یہ گوارا نہ کیا کہ بغیر لڑے پیچھے ہٹ جائے جو ایک طرح کی شکست خوردگی تھی۔ اس فتح و شکست نے دونوں فرمانرواؤں پر دو متضاد اثر ڈالے۔

پر قہوی راج تو فتح کے نشے میں چور ہو کر تکبر و سرکشی میں آپے سے باہر ہوتا چلا گیا، چنانچہ حضرت خواجہ سے چھیڑ چھاڑ اس کی اسی سرکشی کی آئینہ دار تھی اور دوسری طرف سلطان شہاب الدین نے اس شکست کو اسلام کے دامن پر بدلنا داغ سمجھ کر اس کو دھونے کے لئے اپنا راحت د آرام اور اطمینان و سکون سب کچھ قربان کر دیا، سلطان نے غلوت کدہ میں جانا اور دنیا لباس پہننا بھی ترک کر دیا، روکھی سوکھی روٹی کھا کر دن رات میں قہوڑی دیر خاک پر لیٹ رہتا اور دوسری بڑی جنگ کی تیاری میں پوری طرح لگن رہتا، سلطان نے ان سرداروں اور افسروں پر سزائیں اور تعزیرات بھی جاری کیں جنہوں نے دشمن کی کثرت اور طاقت سے مرعوب ہو کر میدان سے منہ موڑا تھا۔ تراوڑی کی دوسری جنگ نے ہندوستان کی قسمت کا



فیصلہ کر دیا، یہ دوسری جنگ محرم ۵۸۸ھ میں غوری اور پرتھوی کے درمیان لڑی گئی، اس جنگ میں کھاطہ راء سمیت بڑے بڑے تائی گرامی راجے، مہاراجے کام آئے، جو پرتھوی کی مدد کے لئے اپنے اپنے لشکر لے کر شریک جنگ ہوئے تھے۔ ۱۔

خود پرتھوی بھی بھاگتے ہوئے دریائے سرسوتی کے کنارے پکڑا گیا اور مارا گیا اور یوں خواجہ کی یہ پیشین گوئی اللہ تعالیٰ نے پوری فرمادی، ”نہتھو راز ندہ گر قہم و دادیم“ کہ ”نہتھو راکو حکم الہی ہم نے زندہ گرفتار کر کے حوالے کر دیا“۔ ۲۔

تراوڑی کی دوسری جنگ میں اسلام اور مسلمانوں کی عظیم الشان فتح کے نتیجے میں ہندوستان اسلام کے جھنڈے تلے آ گیا اور مسلمانوں کے زیر نگین ہو گیا، سلطان غوری نے قطب الدین ایبک کو یہاں اپنا نائب مقرر کر کے واپس غزنی کی راہ لی۔

### اجمیر میں معرکہ کلیم و فرعون

چھپے بیان ہو چکا کہ اجمیر میں حضرت خواجہ کے نزول احوال پر اجمیر کا فرعون پرتھوی راج کس قدر سچ پاہو کر خضیض و عداوت میں مل جل رہا تھا اور خود مقامی ہندوؤں کو بھی آپ کا اجمیر میں قیام ایک آنکھ نہیں بھاتا تھا۔

اس وقت اجمیر کا سب سے بڑا جوگی (ہنٹ) رام دیو تائی ایک قوی و کل شخص تھا جو بے شمار سطلی قوتوں پر دسترس رکھتا تھا، سارا اجمیر بشمول راجہ کے اس ہنٹ کا معتقد اور اس کے گُن گاتا تھا، راجہ کا پیغام رام دیو کے پاس پہنچا کہ اپنی تھیری قوتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے ان مسلمان درویشوں کو نکال باہر کرے اور خود اجمیر کے ہندو بھی رام دیو کے پاس حاضر ہو جو کر دلاویلا کر رہے تھے کہ یہ پردیسی ہمارے مذہب و دھرم کے خلاف پر چاد کر رہے ہیں اور

۱۔ اس دوسری جنگ میں پرتھوی کی موت پاس کی مدد کے لئے ہندوستان بھر سے قریب و دور راجے اپنے اپنے دھننے لے کر آئے تھے تاکہ تراوڑی کی جنگ میں عداوت پرتھوی کی معاونت کے لئے شریک جنگ ہو سکی۔

۲۔ اہل سولہ گانوں نے پکھتہ اس طرح نقل کے ہیں ”نہتھو راکو قہم و دادیم“

انا ساگر کا پانی بھی بھر شٹ (گھٹا) کر رہے ہیں، رام دیو کو بھڑکانے کیلئے یہ کچھ کیا کم تھا؟ اس کو اپنے سفلیات کا جادو چگانے کا تدارد موقعہ ہاتھ آیا، اپنے سفلی جیلوں کا ایک غضب ناک گردہ لے کر حضرت خواجہ کی فردگاہ میں آدھمکا۔ حضرت خواجہ نے معرفت سے لبریز نگاہ باز کا ایک ہی تیر جوتا کر مارا تو رام دیو غم نمل تھا۔

آں دل کر دم مسودہ از خود برو جواتاں کہنہ سال چہرے بردش بیک لگا ہے  
توجہ: وہ دل جو خود برو جواتاں کا پانی بچے ہوئے تھا، ایک آدھیر عمر بڑھنے نے  
ایک نظر کیا اثر سے اس کی چنگاریاں اُڑا دیں۔

## رام دیو کا قبول اسلام

بس نگاہوں سے ہی دل کا فیصلہ ہو گیا، رام دیو خواجہ کے قدم پر بس ہو کر مشرف ایمان ہو گئے۔  
جلا سکتی ہے صبح کشمکش کو سوچ نفس ان کی الٹی کیا ٹھہرا ہوتا ہے، دل کے سینوں میں  
رام دیو کے اسلام لانے کے بعد حضرت نے اس کا نام بدل کر شادی دیو کر دیا، شادی دیو  
سابق رام دیو کے قبول اسلام کی خبر اجیر کے راجہ اور پرجادوں پر بجلی بن کر گری، لیکن عقل  
کے اندھوں نے بجائے عبرت و نصیحت حاصل کرنے کے اس واقعہ سے یہ نتیجہ نکالا کہ یہ  
نوادار و درویش زبردست ساحرانہ اور جادوئی قوتوں کے مالک ہیں (یہی نتیجہ بھی موسیٰ کلیم اللہ  
علیہ السلام کے عصائے کلمی اور پوجہ بیضاء کے متعلق فرعون نے بھی نکالا تھا) کہاں کیوں نہ  
ہو؟ ایمان سے محروم لوگوں کے نزدیک خلاف ظاہر تصرفات کی جادو کے علاوہ اور صورت  
ہو ہی کیا سکتی ہے؟ چنانچہ رائے چھو رائے بزم خویش اس جادو کا توڑ اس سے بڑے جادو  
سے کرنے کے لئے سر زمین ہند کے اس وقت کے سب سے بڑے جادوگر بے پال کو ڈھائی  
دی، بے پال اس ڈھائی پر فیسے میں چنگھاڑتا ہوا اجیر پہنچا، وہ جادو کے زور پر ہرن کی کھال  
پر بیٹھ کر ہواؤں میں اُڑتا ہوا اجیر کی زمین پر اُتر ا، اس کے شاگرد شیروں پر سوار ہاتھوں میں

سانپوں کو بطور ہنڑو چاچک پکڑے ہوئے وارد الجھیر ہوئے، آج ہندوؤں کے لئے عید کا سماں تھا، زمین جادو گروں کے اعزاز سا حرائے سے بھرپور دہشت خیز حملہ سے لرز رہی تھی اور ساری فضا میں خوف و وحشت کا ایک ہولناک طوفان عظیم خیز موجیں مار رہا تھا، گاؤں و مائے کے پہاڑی ٹھنکی باغ سے جو نظارہ تھے کہ اب دیکھیے! ان منظمی بھرے خانہاں خاک نشینوں کا کیا حشر ہوتا ہے، جنہوں نے ہائی دھرتی اور دھرم کو بھڑٹ کر دیا، بس اب دیکھتی آنکھوں ان کی فرو گاہ و شمشان گھاٹ میں تبدیل ہوا چاہتی ہے۔

## خوابہ کی ضربِ کلیسی

اب اوھر کی شئے! حضرت خوابہ نے جب جادوئی ریل اپنی طرف آتے دیکھا تو اپنے سب ساتھیوں کو جمع کر کے ارد گرد ایک حصار کھینچ لیا، بے پال اور اس کے جادوئی لشکر نے جادو کے داؤ پر داؤ آزمائے، اور بے تحیرے جتن کئے لیکن جادو کا سارا کھیل حصار سے ورے ورے ہی تمام ہو جاتا، حصار کے اندر حضرت خوابہ اور آپ کے تمام خدا آشناء و رویش و رفقاء یا درحق میں مشغول تھے۔

جوان کی یاد میں بیٹھے سب سے بے غرض ہو کر تو اپنا پورا یا بھی پھر ہمیں تحبہ سلیمان تھا خوابہ نے حصار کے اندر سے کئی بار ان کو متنبہ کیا کہ رویشوں کے سکون میں غفل نہ ڈالو، اپنا یہ کھیل تماشا ختم کر کے یہاں سے چلے، تو تمہارا کچھوڑ ورنہیں چلے گا۔ لیکن کافر جب تک چاروں شانے چت ہو کر بے بس نہ ہو جائے اُسے بھن کیسے آئے؟ آخر خوابہ نے ایک منظمی بھر مٹی زمین سے اٹھائی اور ساحروں کی طرف پھینک دی۔

۱۔ وَغَزَنَتْ الْغَزَنَاتُ وَلَكِنَّ الْغَزَنَاتُ سَوْرَةُ الْإِسْلَامِ

یعنی "آپ نے انہیں پھینکا تو آپ نے پھینکا لیکن انہیں پھینکا"

کا جو مظاہرہ یہ منظمی اظہارِ علم کے لئے اسلام و کفر کے ایک حلقہ معرکہ میں ہوا تھا، آج ایک کمال فنی کے لئے بھی آئے ہوئے کے اجراء کی رکھتے ہوئے بطور کرامت اس کا مظہر ہوا۔

مٹی کا پھینکنا تھا کہ آٹا غائب تمام جادو کے کھیل بھسم ہو کر رہ گئے، نہ کوئی شیر رہا نہ سانپ، آگ کے پھکار اور گولے جو وہ لے لے کر حملہ آور ہو رہے تھے، سب راکھ کے ڈھیر بن گئے۔

اذا جاء موسى والقي العضا فبطل السحر والساحر

اب تو جادو گر حیرت زدہ ہو کر ایک دوسرے کا منہ ٹکٹنے لگے، اور دن دھاڑے ان کو تارے نظر آنے لگے، بے پال جی نے مایوس ہو کر اپنے ترکش کا آخری حیر پھینکا کہ جادو کے زور سے ہوا میں اُڑ کر خوبصورت کی نشست گاہ کے اوپر پرواز کرنے لگا، اس کا خیال تھا اوپر سے آپ پر آگ برسائے، لیکن اس کا شہباز (گدھ) بن کر پرواز کر نہ ہی تھا کہ حضرت خوبہ نے اپنی کھڑاؤں (جوتا) اس کا دماغ روشن کرنے کے لئے اشارہ کے ساتھ اوپر کو اُچھال دی، یہ کھڑاؤں گائیڈ میزائل کی طرح بے پال جی کے سر کا ہدف لے کر اوپر پھینکی اور اس کے سر پر تڑا تر بے گئی تا آ نکہ اُسے اُترنے پر مجبور کر دیا، بے پال جو اس دور میں جادو کے فن میں یکمائے روزگار اور سربراہ دورہ سمجھا جاتا تھا سمجھ گیا کہ درویش کا تصرف جادو نہیں ورنہ ہم اس کے مقابلہ سے عاجز نہ ہوتے کیونکہ انہوں نے فن کا آخری داک تک آزما ڈالا تھا، پس ساحرانِ موسیٰ کی طرح اس پر بھی حق واضح ہو گیا۔

ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گردشِ دوراں نے الٹی زلف بھری ہے اور رعبِ قہقری کر کے عہدِ موسیٰ و فرعون میں جا ظہری ہے، بوڑھا آسمان تاریخ کا ایک قصہ پارینہ بڑھاتے ہوئے آج پھر وہ منظر دنیا کے سامنے پیش کر رہا ہے جس کا آخری نتیجہ فرعونؑ ہتھکنڈوں کی ناکامی کی صورت میں قرآن نے یوں جان فرمایا ہے۔

﴿فَلَمَّا مَسَحُوا نَجِدُوا مَسَاجِرَ وَلَا يَخْلُقُ السَّاجِرُ خَيْثَ قُلِّيْ ۚ وَتِلْكَ

تو جمعہ: جو کچھ دھو تک انہوں نے رچا یا سب جادو کا ناک تھا اور جادو گر کا سیلاب نہیں ہوتا جہاں بھی (حق کے مقابلے میں) آتا ہے۔

﴿وَتِلْكَ الْحَقْلُ وَتَسْلُ مَا عَمَّا نُوْا يَفْقَهُوْنَ لَفَعَلُوْا ۚ فَتَالِكِ

وَاتَّقُوا صُلُوبَكُمْ (الاعراف آیت ۱۱۸)

ترجمہ: جس حق واضح و آشکارا ہو گیا اور جو کارروائی انہوں نے ذلیل و خوار ہو کر لوٹ گئے۔  
قرار پائی، ایسے وہ وہاں (برسر میدان) ہمارے اور ذلیل و خوار ہو کر لوٹ گئے۔

﴿ج﴾... هَلْ نَقُصُّ عَلَيْكَ الْحَقَّ عَلَى الْبَاطِلِ قَبْلَ مَعْنَى لَبَدًا هُوَ زَاهِقٌ  
وَلَكُمْ الْوَيْلُ مِمَّا تَصِفُونَ (الاحزاب آیت ۱۸)

ترجمہ: بلکہ ہم پھینک دیتے ہیں حق و سچ پہنی عمل کو باطل کے رچائے ہوئے  
و حرم و حواصیل پر تو وہ (حق) اس (باطل) کا بھیجا نکال دیتا (سر پھوڑ  
دیتا) ہے سو وہ باطل (چٹ پار کر) بے نام و نشان ہو کر جاتا رہتا ہے، اور تمہارے  
لئے (اے منکرین!) بڑی ہلاکت ہے ان چیزوں کی وجہ سے جو تم (حق کے  
مقابلے میں) گھڑتے ہو۔

اس طرح اگر کل بنی اسرئیل کے زمانہ میں حق تعالیٰ نے اپنے عظیم المرتبت رسول حضرت سیدنا  
موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ذریعے عظمت کدہ کفر میں قراعت و وقت کے صد ہا سال سے منظم  
و استوار کئے ہوئے نظام کفر کو خنق و دین سے اکھاڑ پھینکا اور چار سو حق کا بول بالا کردیا تو نبی  
صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں آج عظمت کدہ ہند میں قرن ہا قرن سے شرک و کفر اور مصلحتیات  
پر استوار نظام کے تار و پود اپنے آخری رسول کے ایک کامل قبیح غلام کے ہاتھوں کھیر دیے  
اور جاوے سامری کی جوت چکانے والے گاؤں ماتا کے پیاریوں کے بنائے ہوئے ظلم  
ہو شربا کے بچے اُدھیر ڈالے۔

## معجزہ اور کرامت، باہم فرق

”کلمہ اللہ“ کے تصرف میں بھی اللہ کی قدرت و فعل کا ظہور بطور معجزہ اُن کے ہاتھ سے  
ہوا تھا، تو ایک نبی کے کامل امتی اور وقت کے ولی کے تصرف میں بھی اللہ کی قدرت بطور

کرامت بول رہی تھی اور جس طرح معجزہ سے مبالغہ کھا کر نبی میں اَلوہیت کی صفات ڈھونڈنا اور گمان کرنا خطا ہے۔ مگر اسی ہے جس میں بنی اسرائیل کے بعض طبقے جھٹا ہو کر مردودِ ضمیر سے اسی طرح ولی کی کرامت سے دھوکہ کھا کر ولی میں اَلوہیت کی صفات جھٹا لیا اس کی ایسی تقسیم اختیار کرنا جو اللہ کے ساتھ خاص ہے یہ بھی گمراہی اور خطا ہے۔

بنی اسرائیل نبی کے لئے پاپے ملا، و مشائخ کے لئے اس طرح کا غلو کریں تو قرآن اُن پر کفر کا حکم لگاتا ہے تو کوئی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے امتی ہونے کا دعویٰ کر کے اولیاء کرام کی تقسیم و عقیدت کی آڑ لے کر مقام اَلوہیت میں نقب زنی کرے تو قرآن کی آیات نے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات و تعلیمات نے اس کے شال (خود گمراہ) ٹھیل (گمراہ کرنے والا) ہونے کا فیصلہ بھی بہت پہلے فرما دیا ہے۔

## ساحران ہند کا بمع ساحر اعظم قبول اسلام

حق واضح ہونے پر ہے پال کے دل و دماغ کی ظلمتیں اور کمزور تہیں حق کی چمکا چوندی سے زائل ہو گئیں، ٹھیلے دل سے اعترافِ شکست کرتے ہوئے حضرت خواجہ کے پاؤں پڑا، گستاخی کی معافی چاہی اور بلا جھجک مشرف باسلام ہو گیا، حضرت نے اسے گنگے لگا لیا، یہ ماجرا دیکھ کر ہے پال کے شاگرد تمام جادوگر بھی اس کی پیروی کرتے ہوئے دائرۂ اسلام میں جوق در جوق داخل ہونے لگے۔

حضرت نے ہے پال کا اسلامی نام عبداللہ رکھا، عبداللہ نے حضرت کی صحبت میں رہ کر تھوڑے عرصہ میں مجاہدات و ریاضات سے گذر کر اور ضروری علوم و طبع سیکھ کر درجہ ولایت تک رسائی پائی اور غریبِ خلافت سے سرفراز ہوئے، حضرت کے خلفاء میں عبداللہ بیابانی نامی بزرگ بھی ساہت ہے پال جوگی تھے، عبداللہ بیابانی نے بڑی طویل زندگی پائی، بیابان کو اپنا مسکن بنا کر اسوۂ خضر کو اپناتے ہوئے خضر راہ کا منصب سنبھالا اور بھولے بھنگوں کو راہ پر لگانا

اور خدمتِ خلق کرنا زندگی کا مشغلہ بنالیا۔  
 پہنچ دھارہ دلق نیست      طریقت بحر خدمتِ خلق نیست

## ازواج و اولاد

حضرت خواجہ صاحب نے اجیر کے زمانہ قیام میں دو نکاح کئے، حضرت کی ان شادیوں کی تفصیلات میں تاریخی روایات میں اختلاف پایا جاتا ہے، مختصراً جو باتیں اس بارے میں وثوق و اطمینان کے ساتھ کہی جاسکتی ہیں، وہ یہ ہیں کہ آپ کی ایک بیوی کا نام عصمتہ اللہ بی بی تھا، اور دوسری بی بی کا نام امہ اللہ تھا۔

بی بی عصمتہ اللہ اجیر کے حاکم خواجہ وجہ الدین شہیدی کی صاحبزادی تھیں، جو کہ خود بھی صاحب کمال بزرگ آدمی تھے، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ حضرت خواجہ صاحب کے قرابت دار بھی تھے، اور اس نکاح کا محرک بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے خواب میں ملنے والا اشارہ تھا، واللہ اعلم۔

بی بی امہ اللہ کسی ہندو راجہ کی بیٹی تھیں، ایک معرکے میں جو اسیران جنگ مسلمانوں کے ہاتھ آئے ان میں یہ بھی تھیں، چونکہ شرعاً یہ قیدی باندی اور غلام بنتے ہیں جن کے حلق مستقل شرعی احکام ہیں اس لئے اس شہزادی کی حیثیت بھی شرعاً باندی کی تھی، اس کو حضرت خواجہ صاحب کی نذر کر دیا گیا، اس نے برضاء و رغبت اسلام قبول کیا تو حضرت خواجہ صاحب نے اس کا یہ اعزاز فرمایا کہ ان کو اپنے حوالہ عقد میں لے آئے، بڑے قسمت۔ حضرت خواجہ کو اللہ تعالیٰ نے اولاد کی نعمت میں تین بیٹے اور ایک بیٹی عطا فرمائی، صاحبزادگان بی بی عصمتہ اللہ کے ملنے سے تھے اور صاحبزادی بی بی امہ اللہ کے ملنے سے تھی، اس لئے گرامی یہ ہیں:

(۱)..... سید فخر الدین ابو الخیر (۲)..... سید ضیا مالدین ابوسعید

(۳)..... سید حامد الدین ابوصالح (۴)..... بی بی حائفہ جمال

حضرت خواجہ صاحب نے سید فخر الدین اور بی بی حائفہ جمال کو خلافت بھی دی، سید فخر الدین

ابو الخیر نے جہاد کے ایک معرکہ میں جام شہادت نوش فرمایا، ان کا مزار اجمیر سے تقریباً ۳۵ میل پر موضع ”سرداز“ میں بیان کیا گیا ہے، جبکہ سید ضیاء الدین، سید حسام الدین، اور بی بی حنفہ جمال، احاطہ درگاہ حضرت خواجہ صاحب میں ہی دفن ہیں۔

## آپ کی تصانیف

بعض اہل تحقیق نے تو حضرت خواجہ کی تصنیف و تالیف کا سرے سے انکار کیا ہے کہ آپ نے کوئی کتاب تصنیف نہیں فرمائی بلکہ اس سے بڑھ کر یہ کہ مشائخِ چشت میں سے کسی اور نے بھی کوئی کتاب تصنیف نہیں کی، اور دلیل میں خیر الجاس سے جو کہ حضرت چراغ دہلوی کی مرشد ہے حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء درمسا لکھ کا یہ قول پیش فرماتے ہیں ”من تصحیح کتاب نہ نوشتہ ام زیرا کہ شیخ الاسلام فرید الدین (منہج شکر) شیخ الاسلام قطب الدین بختیار کاکی واز خواجگان چشت تصحیح کئے تھے تصنیف نہ کردہ است“ یعنی کہ میں نے کوئی کتاب نہیں لکھی اس لئے کہ شیخ الاسلام فرید الدین (منہج شکر) اور شیخ الاسلام قطب الدین اور خواجگان چشت میں سے کسی شخص نے تصنیف نہیں کی۔

لیکن دوسرے اہل تذکرہ آپ سے کئی تصانیف منسوب کرتے ہیں جو کہ یہ ہیں:

انہیں الارواح، منہج الاسرار، حدیث المعارف، رسالہ وجودیہ، رسالہ در کسب فیض، دیوان خواجہ، مکتوبات خواجہ، دیام قطب الدین بختیار کاکی)

## انہیں الارواح (مجموعہ ملفوظات)

ان میں سے انہیں الارواح کے متعلق ہی زیادہ وثوق سے کہا گیا ہے کہ یہ فی الواقعہ حضرت خواجہ صاحب کی تالیف ہے اور اس میں انہوں نے اپنے شیخ حضرت خواجہ حسان باریونی درہ کے اٹھائیس مجالس کے ملفوظات و نصائح قلمبند فرمائے ہیں۔

باقی تصانیف کے بارے میں کچھ نہیں کہا جاسکتا کہ حضرت خواجہ صاحب سے ان کی نسبت کس



حد تک گج ہے؟ کیونکہ ان کتب کا کوئی نشان اور سراغ آج نہیں ملتا۔ ایک اردو ترجمہ ”تخون الاولاد“ کے نام سے پیش کیا جاتا ہے، کہ یہ گنج الاسرار کا ترجمہ ہے، لیکن اس کتاب کا جو بس منظر بیان کیا جاتا ہے وہ تاریخی طور پر گنج الاسرار نامی کتاب کی اصلیت ہی کو سرے سے منکھوک بنا دیتا ہے۔

اس طرح قاری دیوان ”دیوان خواجہ“ جو آپ سے منسوب کیا جاتا ہے، جس میں سو سے اوپر غزلیات اور ہزار سے اوپر ایات ہیں، نامور محقق حافظ محمود شیرانی (لاہور) نے اپنے قاضیانہ مقالہ ”دیوان خواجہ معین الدین چشتی“ میں ثابت کیا ہے کہ یہ دیوان حضرت خواجہ صاحب کا نہیں بلکہ نویں صدی ہجری کے ایک مشہور و پاکمال عالم مولانا معین الدین قزاقی ہروی (ہرات افغانستان کی طرف نسبت ہے) کا ہے جو ایک کثیر التصنیف بزرگ تھے۔

حضرت خواجہ صاحب کا شعر و سخن کا شغل فرمانے نہ فرمانے میں بھی اہل قلم کی دوا رہا ہیں، ایک طبقہ کے بقول حضرت خواجہ صاحب کا اس میدان میں کچھ بھی گذر نہ تھا، اور دوسرا طبقہ آپ کو قادر الکلام شاعر قرار دیتا ہے، اور باطنی کیفیت و عرفان میں ڈوبے ہوئے کئی ہزار اشعار کا آپ کو حامل قرار دیتا ہے اور کہتے ہیں کہ زمانہ کی دستبرد سے آپ کا کلام محفوظ نہ رہ سکا (سیرۃ النکین) شعراء آتش کدہ میں حضرت خواجہ صاحب کے نام سے بیہودہ باعیاں درج ہیں۔

عاشق ہر دم لکھنؤ دوست کند	معشوقہ کرشمہ کرگوست کند
ماجرم و گنہ گنیم او الخلف و عطا	ہر کس چیز یکہ لائق دوست کند
اے بعد نبی بر سر قوت تاج نبی	اے داد و شہاں ز قلعہ قوت تاج نبی
آئی تو کہ معراج تو بالا از شود	یک قامت احمدی ز معراج نبی

ترجمہ: عاشق ہر دم محبوب کے زنج زبا کے فکر و خیال میں رہتا ہے جبکہ محبوب اپنے شایان شان کرشمہ صن دادا کی دست چکا تا ہے۔

ہم جرم و نافرمانی کرتے ہیں اور وہ مہربانی اور داد و بخش فرماتا ہے ہر ایک اپنی شایان شان

چیز کو بھلا تا ہے۔

اے وہ نبی کہ انبیاء کے بعد نبوت کا تاج تیرے سر پر سجایا گیا، اے وہ نبی کہ شاہانِ عالم نے تیرے جہاد کی تلوار لہرانے پر ہاج و خراج ادا کیا۔  
آپ ہی وہ ہستی ہیں کہ جن کی معراج سب پر فوقیت لے گئی، ایک قدم و قامت احمدی ہی ہر نبی کی معراج سے بڑھ کر ہے۔

## اہل حق کا تسلسل ہر زمانے میں

اللہ تعالیٰ اپنے دین کی حفاظت کے لئے ہر زمانے میں اہل حق کے تسلسل کو برقرار رکھتے ہیں جو دین کے تمام شعبوں، عقائد، مبادیات، اخلاقیات، فرضیہ، شریعت و طہارت کے ہر باب میں خرابیوں کو الگ کرتے ہیں، اور صحیح دین کی تعلیمات کو اجاگر فرماتے ہیں ورنہ تو یہ نفس دہوا کہ بندے دین اسلام کی اس سے بھی بری گت بناتے جو یہودیوں نے دین موسوی اور عیسائیوں نے دین عیسوی کی بنائی، ایک آدمی قرآن کی ایک آیت کا صحیح مفہوم نہ جانتا ہونہ اس کو قرآن کی تلاوت یا اس کے علوم سے کچھ لگاؤ و تعلق ہو اور نہ احادیث نبویہ کے پڑھنے سمجھنے کی اس کو کبھی توفیق ہوئی ہو اور نہ دین کے فرض و عین درجے کے ضروری احکام و مسائل کا وہ علم رکھتا ہو اور اپنی عملی زندگی اس کی شریعت کے فرض و واجب درجے کے احکام کی بھلا آوری سے بھی خالی ہو اور پھر قسم بالا سے قسم یہ کہ وضع و قطع اور شکل و شبہات کے اعتبار سے بھی وہ فاسق فاجر ہوا یا ایسے آدمی کو مسلمانوں کی شامیت اعمال سے مورد نفی طور پر گہری ہاتھ آ جائے اور سادہ لوح مسلمان جہالت اور لاعلمی کی وجہ سے محض بزرگوں کی اولاد ہونے کی بناء پر اس کے لئے ہر قسم کے عقوبت و تحرک کے راگ الاپنے لگیں تو اس سارے کھیل میں مسلمانی کی تو منہی پلید ہو جائے گی ان جاہل نفس پرست بیروں اور جاہل معتقدین سے جن جن اعمال و افعال اور اقوال کا صدور ہو گا وہ کم از کم اسلامی افعال و احکام تو نہ ہو گئے، دنیا میں بڑے سے بڑے

گناہ ہرزمانے میں ہوتے آئے ہیں، آج بھی جو لوگ نفس و شیطان کے غلام بن کر گمراہی کو ہدایت پر ترجیح دیتے ہیں تو وہ شوق سے ہلاکت کی ان راہوں پر چلیں، لیکن ہوا و ہوس کے ان وحشوں پر تصوف، طریقت، بزرگوں اور اولیاء اللہ کی محبت کا نام تو نہ دھریں۔

تصوف و طریقت کے چاروں سلاسل اور ان کے اعمال و اشغال اور مشائخ کے حالات و سوانح تو آج بھی کتابوں میں محفوظ ہیں، ذرا اپنے اعمال و اشغال اور حرکات کا موازنہ ان معتبر بزرگوں کی تعلیمات و ارشادات سے اور اپنی صورت و سیرت، وضع قطع اور عادات اخلاق کا موازنہ ان بزرگوں کی اچلی بے داغ صورت و سیرت سے کریں کچھ بھی نسبت ان نام نہاد نام لیواؤں کو ان بزرگوں سے ہے؟

ان بزرگوں کا تو یہ حال تھا کہ فرض و واجب درجے کے احکام تو خیر سب ہی بجالاتے ہیں ان سے تو کبھی سنت و مستحب عمل بھی چھوٹ جاتا تو بیزاخم کرتے، نبی علیہ السلام کا نام لینا یا بزرگوں کی عقیدت و محبت کا دم بھرنا تو آسان ہے، عیسائی، یہودی بلکہ ہندو بت پرست بھی اپنے اپنے عقیدوں یا ان مذاہب کی محبت کا دم بھرتے ہیں، لیکن جن بابائان خدا اب کا وہ نام لیتے ہیں ان کی تعلیمات کو دنیا سے تائید کرنے والے یہی جھوٹے عاشق اور نام نہاد نام لیوا ہوتے ہیں، اس طرح نبی علیہ السلام اور بزرگان دین کا نام لے لے کر اسلام کی بنیادوں پر تیشے چلاتا، حلال و حرام اور جائز و ناجائز کے اسلامی مفصل احکام کی بساط لپیٹ کر حاق نسیاں میں رکھ دینا اسلام میں عیسائیت اور یہودیت کی تاریخ دہرائی ہے۔

الحمد لله الذي هدانا لهذا

## شاہان وقت کا حضرت خواجہ سے اظہار عقیدت

حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمہ اللہ کی روحانی فتوحات کے بعد سلطان شہاب الدین غوری کی جہادی فتوحات کے نتیجے میں ہندوستان کے طول و عرض میں وسیع اسلامی حکومت کی

نیا و پڑی تو سلطان صاحب الدین غوری نے اپنے وفادار قلام، آرمزورہ کار سپاہی اور چانڈا جرنیل قطب الدین ایک کو اپنے نائب کی حیثیت سے یہاں کا حاکم مقرر کیا جو سلطان غوری کی شہادت کے بعد اتھاق رائے سے ہندوستان کا سلطان مقرر ہوا، قطب الدین ایک کو حضرت خواجہ کا عقیدت مند بتلایا گیا ہے، لیکن خواجہ صاحب کے ساتھ ان کی ملاقات سے تاریخ خاموش ہے، اور سلطان ایک کی طرف سے اجیر کے حاکم میر حسین خلگ سوار تو حضرت خواجہ کے مخلص و ہامتا مرید تھے، سلطان ایک کے بعد اس کے چانڈا جرنیل اور وفادار قلام سلطان شمس الدین اتش سریر آرائے سلطنت ہوئے، اتش بھارت و ہند، پر ہیز گار اور بیدار مغز بادشاہ تھے، حضرت خواجہ صاحب کے خلیفہ اعظم خواجہ قطب الدین بختیار کاکی سے ارادت و عقیدت کا رشتہ تھا اور خواجہ معین الدین رحمہ اللہ کی بھی غایت تعظیم کرتے اور محبت کا دم بھرتے تھے، خواجہ قطب الدین نے اس بادشاہ وقت کو اپنا خلیفہ و مجاز بیعت بھی بنا لیا تھا، حضرت خواجہ معین الدین بھی اس درویش صفت بادشاہ کو جو ان کے خلیفہ کا خلیفہ تھا، بہت عزیز و محبوب رکھتے تھے، سلطان موصوف کی پاکبازی عبادت گزاری اور تقویٰ و طہارت پر خواجہ قطب الدین کی وصیت کا واقعہ شہرہ بدل ہے کہ خواجہ کاکی نے اپنا جنازہ پڑھانے کے لئے تقویٰ و طہارت کی چند کزی شرائط مقرر کی تھیں، جنازہ کے وقت جب وہ وصیت نامہ سنایا گیا تو بادشاہ ہی تقویٰ کی ان شرائط کے حامل تھے، پس بادشاہ نے ہی اپنے مرشد خواجہ کاکی کا جنازہ پڑھایا۔

زندہ چر صید الہی آمد

چوں فقر و دلہا س شای آمد

در شہنشاہی فقیری کردہ اند

آں مسلماناں کہ میری کردہ اند

حضرت خواجہ معین الدین چشتی، خواجہ قطب الدین بختیار کاکی اور سلطان شمس الدین اتش جینوں کی وفات کے بعد دیگرے تھوڑے تھوڑے وقفے سے ہوئی، کس کی پہلے ہوئی کس کی بعد میں؟ اس کے متعلق مؤرخین اور تذکرہ نگاروں کے بیانات مختلف ہیں، دونوں مشائخ

کا سال وفات عام طور پر ۱۳۳۳ھ مشہور ہے۔

## حضرت خواجہ کے عقیدت مند سلاطین

یہ تو زندگی میں حضرت خواجہ کا فیض تھا کہ ہندوستان کی حکومت پر درویش صفت سلاطین ظالماں آتے رہے اور اسلام کی رونق بڑھاتے رہے۔

مختلف زمانوں میں ہندوستان کے اولوالعزم سلاطین ایصالِ ثواب کے لئے آپ کے حزار پر انوار پر حاضری دیتے، عقیدت کا دم بھرتے اور آپ کے وجودِ باوجود کو ہندوستان کے لئے سرمایہٴ فخر سمجھتے رہے۔

چند مشہور سلاطین جن کے آپ کے حزار پر حاضری دینے اور یہاں تعمیرات کرنے کے تذکرے تاریخ میں محفوظ ہیں یہ ہیں۔

## سلطان جلال الدین خلجی بادشاہ مالوہ

سلطنت مالوہ کے بادشاہ سلطان جلال الدین خلجی جس کو معاصر ہندو یا ستوں سے سخت سے سخت سحر کے پیش آئے اور اس نے اسلام کا پرچم سرنگوں نہ ہونے دیا اس نے آپ کے حزار پر حاضری دی ایصالِ ثواب کیا اور یہاں تعمیرات کرائیں اور گاہ کے قریب مسجد صندل خانہ اور بلند دروازہ اسی سلطان کی یادگار ہیں۔

## مغل اعظم جلال الدین اکبر

اکبر ہند کی تاریخ میں اپنے خود ساختہ دین الہی اور محمدانہ عقائد کی وجہ سے بدنام ہے، لیکن یہ جدِ بلی اور بکاڑ اس کی زندگی میں بعد کو آیا یا ابتداء میں اس کی شاہانہ زندگی دینی اعتبار سے بھی قابلِ رشک تھی، نماز، روزے کا اہتمام، حدود اللہ کا احترام اس کی زندگی کا جزو لازم تھا، اور خود اپنے زمانہ کے مشہور چشتی بزرگ شیخ سلیم چشتی رحمہ اللہ کا معتقد و ارادت مند تھا۔

اکبر لاؤند تھا، شیخ موصوف سے اولاد کے لئے دعاء کرانے حاضر خدمت ہوا، اللہ تعالیٰ نے اولاد دینے کی نعمت عطا فرمائی تو شیخ موصوف کا پہلے سے بھی زیادہ عقیدت مند ہو گیا اور شیخ ہی کے نام پر شہزادہ کا نام سلیم رکھا جو بعد میں جہانگیر کے نام سے تاجدار ہند بنا۔

اکبر شہزادہ سلیم کو پیار سے شیخو بابا کہا کرتا تھا، شاید یہ بھی شیخ موصوف کی نسبت سے ہو (شیخو پورہ کا نام شہزادہ سلیم کے اسی لقب شیخو کی نسبت سے مشہور ہوا، اس علاقے میں شہزادہ سلیم کی آمد اور قیام رہا ہے، اور یہاں کا ہرن جتنا راسی کی یادگار ہے) شیخ سلیم کی نسبت سے اکبر کو خواجہ معین الدین رحمہ اللہ سے بھی نہایت عقیدت ہو گئی تھی، وہ کئی مرتباً آگرہ سے اجمیر آتا رہا، آگرہ میں ہے کہ آگرہ سے اجمیر کا پیاوہ سفر بھی کیا اگر یہ واقعہ حقیقت ہے تو جوشِ محبت کا اثر ہوگا۔ اکبر نے اجمیر میں کئی تعمیرات کرائیں اور عظیم الشان عمارات بنوائیں، اکبری مسجد بھی اکبر کی انہی یادگاروں میں سے ایک ہے، آگرہ سے اجمیر شاہراہ پر پلٹے کنویں اور جتنا تعمیر کرائے۔

## جہانگیر کی اجمیر میں حاضری

جہانگیر کو اپنے باپ اکبر سے تاج و تخت کے ساتھ ساتھ حضرت خواجہ سے عقیدت و محبت بھی ورثہ میں ملی، تزکِ جہانگیری میں اجمیر کے حالات و واقعات جہانگیر نے بالتفصیل لکھے ہیں، خواجہ کی درگاہ پر ایصالِ ثواب اور اٹھارہ عقیدت کے لئے جہانگیر کی بار بار حاضری ہوتی رہی، یہاں کی دو بڑی دیکھوں میں سے ایک جہانگیری کی یادگار ہے (اس دیک میں ساٹھ من غلہ بکنے کی گنجائش ہے)

## شاہجہاں کی عقیدت مندی

اکبر و جہانگیر کی خواجہ کے ساتھ عقیدت مندی کی روایت کو جہانگیر کے بیٹے شہزادہ جرم یعنی شاہجہاں بادشاہ نے بھی بھلایا، شہزادگی اور بادشاہی دونوں زمانوں میں اس کا کئی بار یہاں آنا ہوا۔

## اورنگزیب عالمگیر کی حاضری

اورنگزیب عالمگیر رحمہ اللہ مغل تاجداروں میں دینی و دنیوی دونوں لحاظ سے سب سے ممتاز تھا۔ وہ دولت دین و فقر سے مالا مال، دین محمدی کا رکھوالا اور حدود شرع کا محافظ تھا، حضرت خواجہ کے مزار پر انوار پر فاقہ پڑنے ایک سے زیادہ دفعہ اس کا آنا ہوا اور یہاں تعمیرات بھی کی ہیں، صندل خانہ کی مسجد بھی سلطان موصوف نے وسیع کرائی اس طرح یہ مسجد عالمگیری کہلانے لگی۔

## امیر حبیب اللہ خان شاہ افغانستان کی حاضری

امیر موصوف 1907ء میں درگاہ خواجہ پر فاقہ پڑنے حاضر ہوئے تھے۔

## دیگر والیان ریاست کی حاضری

انگریزی دور میں ہندوستان کے طول و عرض میں پھیلی ہوئی اکثر ہندو مسلم، ہنسی، شیعہ ریاستوں کے والی و حکام بھی یہاں حاضری کی رسم بجالاتے رہے۔

## انگریز حکام کی حاضری

طبقاً شرافہ اور حکام وقت کی اس درگاہ پر حاضری کی روایت اپنی قدامت کی وجہ سے اتنی محکم ہو گئی تھی کہ غلام ہندوستان کے بدلیسی سامراجی حکمران بھی اس کو ایک سیاسی فریضہ و مصلحت تسلیم کئے بغیر نہ رہ سکے، اور مختلف انگریز و انیسرائے یہاں نیاز مندی کا اظہار کرتے ہوئے حاضری دیتے رہے، متدین اور صحیح العقیدہ مسلمان سلاطین تو یہاں ایصالِ ثواب اور فیوضات و برکات سے مستفید ہونے کی جائز و مباح غرض سے حاضری دیتے آئے تھے لیکن یہ روایت مدت مدید تک جب جاری رہی تو نیک صالح اور قاسق، قاجار اور مسلم و کافر ہر بادشاہ

نے یہاں حاضری کو اپنے سیاسی مذہب اور وسیع الشری کی ناگزیر ضرورت سمجھا، ہو سکتا ہے بہت سے نیاز مند ابھی حاضری دیتے ہوں لیکن اس طرح سیاسی چیزوں میں مصالغ وقت کا بھی بہت بڑا حصہ ہوتا ہے خصوصاً انگریزی ہندوستان میں بہت سے انگریز وائسرائے اور کٹھ پتلی والیاں ریاست جس اہتمام سے حاضری دیتے رہے اس سے سابقہ مسلمان سلاطین کی یہ روایت جو عقیدت و محبت کی بنیاد پر چلی تھی اب رسمیت و سیاست کا حصہ بن گئی۔ مشہور وائسرائے ہند لارڈ کرزن نے کسی موقع پر کہا تھا:

”میں نے اپنی زندگی میں دو بزرگ ایسے دیکھے ہیں جو اپنی وفات کے بعد بھی لوگوں پر اس طرح حکومت کرتے ہیں گویا نفس نہیں ان کے درمیان موجود ہیں، ان میں سے ایک خواجہ معین الدین اجمیری ہیں اور دوسرے شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر ہیں“ (تذکرہ اجمیری ص ۳۸)

## خواجہ کے مواعظ و ارشادات

حضرت خواجہ کے مواعظ و ملفوظات آپ کے خلیفہ اعظم حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی نے ”ذیل العارفین“ کے نام سے مرتب فرمائے، ذیل العارفین تصوف کی مایہ ناز کتاب شمار ہوتی ہے اس میں خواجہ کا کی رحمہ اللہ نے بارہ مجالس کے ملفوظات جمع کئے ہیں، ہر مجلس میں خواجہ کے معتقدین و متوسلین اور معاصر مشائخ میں سے جو سربراہ و درود و قاتل ذکر حضرات شریک ہوئے، نام نام خواجہ کا کی نے ان کا بھی ذکر فرمایا ہے۔

مثلاً پہلی مجلس بغداد میں فقہ حنفی کے مشہور امام ابو الیث سمرقندی رحمہ اللہ کی مسجد میں منعقد ہوئی، اس مجلس میں شیخ الشیوخ صاحب الدین سحروردی، شیخ نہ بان الدین چشتی اور شیخ داؤد کرمانی طیبہ الرحمہ جیسے علمائے مشائخ شریک تھے۔

اس مجلس میں خواجہ صاحب نے خواجہ قطب الدین کو بیعت فرمایا اور فرقہ عطا فرمایا جو کلام چہار



ترکی کہلاتا تھا۔ ۱

آخر میں مجلس میں مشائخ چشت کے اور اردو دھاکف بیان ہوئے ہیں جو آپ نے خواجہ کا کی کو  
تعمین فرمائے اس طرح تمام مجالس میں خواجہ نے شریعت و طریقت اور فقہ و تصوف کے جو جو  
نکات ارشاد فرمائے وہ محض ہیں..... ایک ملفوظ میں ارشاد فرمایا:

ماشوق کابل آتشِ محبت سے دکھتا رہتا ہے، ماں میں جو خیال آتا ہے خاکستر  
ہو جاتا ہے اور آنے والی چیز ناپود ہو جاتی ہے کیونکہ آتشِ محبت سے زیادہ کسی اور  
آگ میں چیزی نہیں، بہتی ندیوں کے پانی کی آواز سننے ہوئے کیسا شور ہوتا ہے  
لیکن جب دریا میں پہنچتا ہے تو خاموش ہو جاتا ہے۔

## وفاتِ حسرتِ آیات

آپ کے سال وصال میں اختلاف ہے، اکثر تذکرہ نگاروں نے ۶۳۳ ہجری ماور جب  
ذکر کیا ہے (غنیۃ الاسنیاء، مؤنس الارواح، اخبار الاخیار) مؤنس الارواح میں ہے کہ سن  
تذکرہ میں چور جب سوموار کے دن آپ نے رحلت فرمائی۔  
سرد قلندر کی ذیل کی رہائی سے بھی ۶۳۳ھ کا سن ہی نکلتا ہے۔

مرشد مقلی معین الدین

شد و دنیا چور بہشت بریں

عزم دل ولی معین الدین  
۶۳۳ھ

گفت تاریخِ رحلتش سرد

اخبار الاخیار میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی درمیانے آپ کے تذکرے میں لوگوں کا بیان نقل

۱۔ چار ذی کادہ جو پہلی مہینہ آپ کی ولادت فرماتے تھے، اس کا مقصد خواجہ عثمان عارونی نے خواجہ معین الدین  
علی ارم کو نقل کیا ہے کہ آپ نے اپنے مرشد عارفی شریف زعمانی علی ارم کے حوالے سے یہ بیان فرمایا:

مراد از کادہ چار ذی کی چار ترک است، اول ترک دنیا و ہم ترک حق و سوائے اس حق مقصود دیگر نہائی و ہم  
ترک امور دنیویہ مگر قدرے برائے سزا و حق است کہ از ضروریات است، چارہم ترک طوائف و غش یعنی برج  
کہ گویہ خلاف کسی نہ پرچہ ایم چار چہ ترک کدہ یا شہن کادہ چار ذی یا سزادار است (تذکرہ خواجہ ص ۸۱)

فرمایا ہے کہ:

خواجہ اجمیری کی وفات کے بعد آپ کی پیشانی پر یہ نقش ابھرا ہوا تھا (شائد کوئی لطیف غیر مرئی نقش جو جو اہل بصیرت کو نظر آیا ہو)

”خَبِثَ اللَّهُ عَاتٍ لِي خُبَّ اللَّهِ“

ترجمہ: اللہ کا حبیب اللہ کی محبت میں چل بسا۔

ماخذ و مراجع

تذکرہ حضرت خواجہ اجمیری (طالب ہاشمی) انبازہ (شیخ عبدالحق محدث دہلوی) تاریخ دعوت و ولایت (ابوالحسن علی ندوی رحمہ اللہ) بزم صوفیہ (صباح الدین عبد الرحمن) جغرافیہ خلافت مشرقی (ایچ جی ڈل) اسلامی انسائیکلو پیڈیا (قاسم محمود)

گمان آباد ہستی میں یقیں مرد مسلمان کا	بیاباں کی شب تاریک میں قندیل رہبانی
مٹایا قیصر و کسریٰ کے استبداد کو جس نے	وہ کیا تھا؟ زور حیدر مقرر یزید و صدق سلسلی

کوئی اندازہ کر سکتا ہے اس کے دست و بازو کا	نگاہ مرد مومن سے بدل جاتی ہیں نظریں
ہمیں حکم، عمل، عہد، محبت، فلاح، عالم	جہاد زندگانی میں ہیں یہ تر وہاں کی شمشیریں

## (باب دوم)

## محبوب سبحانی شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ

## ولادت، نام و نسب اور تعلیم

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ کی ولادت ۷۷۰ھ میں ایران کے صوبہ گیلان میں ہوئی (گیلان کا عربی تلفظ جیلان ہے اور آپ جیلانی وطن کی نسبت سے ہی کہلاتے ہیں) آپ سادات حنفی تھے، دس واسطوں سے آپ کا شجرہ نسب حضرت حسن لدین علی رضی اللہ عنہما سے چاہتا ہے، ۱۸۰ سال کی عمر میں آپ مرکز اسلام بغداد شریف لائے، حسن اتفاق کیسے یا رشد و ہدایت کے قیمی نظام کا ظہور کہ اس سال امام غزالی رحمہ اللہ مدرسہ نظامیہ کے سلسلہ درس وافتاء اور مسند رشد و اصلاح کو الوداع کہہ کر خلق خدا سے منہ موڑ کر اور انسانی آبادیوں سے کنارہ کش ہو کر تلاش حق اور ایمان و یقین کے حصول کے لئے بغداد سے نکل کھڑے ہوئے تھے۔

اس طرح ایک جلیل القدر امام سے جب عارضی طور پر دارالسلام بغداد محروم ہوا تو دوسرے جلیل القدر مصلح و امام کا جس سے آگے چل کر اللہ تعالیٰ نے اصلاح خلق اور اسلام کی اشاعت و حفاظت کے بڑے کام لینے تھے، بغداد میں ورود مسعود ہوا، بغداد میں آپ پر سے دل و جان سے تحصیل و تکمیل علوم میں مصروف ہو گئے، بغداد علوم و فنون کا گہوارہ اور اصحاب کمال کا مستقر تھا، آپ نے یہاں ہر علم و فن کو اس کے باکمال ماہرین سے حاصل کیا، اور ان علوم میں رسوم و تہجیر حاصل کیا، نگاہی علمی کی تکمیل کے بعد باطنی مقامات طے کرتے ہوئے طریقت و تصوف کی طرف متوجہ ہوئے۔

## تزکیہ باطن اور مسند دعوت و ارشاد پر جلوہ افروزی

شیخ وقت الہام الخیر حماد بن مسلم الدہاس سے سلوک و تصوف اور طریقت و تزکیہ نفس میں اصلاح حاصل کی اور قاضی ابوسعید غزالی سے تکمیل کر کے اجازت و خلافت حاصل کی، گناہری و باطنی تکمیل کے بعد اصلاح و ارشاد کی طرف متوجہ ہوئے، مسند درس اور مسجد ارشاد دونوں کو یک وقت زینت بخشی، اپنے شیخ ابوسعید غزالی کے مدرسہ میں تدریس اور وعظ کا سلسلہ شروع کیا، بہت جلد لوگوں کا آپ کی مجالس کی طرف رجوع عام ہوا، سارا بغداد آپ کی مجالس وعظ و ارشاد پر ٹوٹ پڑا، اللہ تعالیٰ نے ایسی دہاست اور قبولیت عامہ عطا فرمائی کہ بڑے بڑے بادشاہوں کو نصیب نہیں ہوئی۔

یہ بھی واضح رہنا چاہئے کہ آپ کے معتقدین خصوصاً احکام و حدود شرع سے جا مل مرتدین نے آپ کے کمالات و کرامات کے متعلق بے حد قلو سے کام لیا ہے، اور بہت سی بے بنیاد کرامتیں اور واقعات ایسے آپ کی طرف منسوب کئے ہیں، جو نہ آپ سے ثابت ہیں، نہ حدود و شروع کے دائرہ میں داخل ہیں، بلکہ توحید، رسالت اور تقدیر جیسے بنیادی ارکان اسلام سے بھی متصادم ہیں۔ ۱۔

شیخ عبدالوہاب شعرانی نے طبقات الکبریٰ میں آپ کے حسن اخلاق، علوٰ حوصلہ، تواضع و انکساری، سخاوت و ایثار کی نہایت بلند الفاظ میں تعریف و توصیف فرمائی ہے، حافظ شمیمی نے ”قلام الجاہل“ میں باریں الفاظ آپ کو داد تحسین دی ہے:

”مَنَّانُ مَنَّانِ الدُّعْوَةِ سَرِيعَ الدُّعْوَةِ دَائِمَ الدُّعْوِ حَبِيزُ الْفُحْمِ مَوْفِقِي

- ۱۔ چنانچہ درجہ تعزیر کے مشورہ نام لایا ہے اپنے زمانہ آنسو میں مدنی (کس) صورت حال پر مبنی تبصرہ کیا ہے:
- قلت: ليس في كمال المشايخ من له آسوان وكرامات أكثر من الشيخ عبد القادر، لكن كعبوا معها لا يهيج، وفي بعض ذلك أنباء مستحيلة وصبر اعلام النبلاء ج ۲۰، ص ۴۵۰،
- ترجمہ میں لکھا ہوں کہ کہاں صحابہ میں کوئی ایسا نہیں جس کے اعمال و کرامات شیخ عبد القادر جیلانی سے زیادہ ہوں، لیکن دشمنوں میں سے کبھی (ذرا) نہیں، اور بعض میں کچھ اور غرض امتدادی کا قالب ہے (علامہ غلام)۔

الْفَلْسَف، ذَاتِهِ الْبَشَر، تَحْرِيْمُ النَّفْس، سَخِيَّةُ الْيَدِ، غَيْرَةُ الْعِلْمِ، شَرِيفُ الْاَخْلَاقِ، طَلَبُ الْاَخْلَاقِ، نَعْلَمُ وَابْخُ فِي الْعِبَادَةِ وَالْاَجْتِهَادِ“  
ترجمہ: ”آپ مستجاب الدعوات تھے، کوئی عبرت کی بات، ہوتی تو جلدی آنکھیں  
ڈبڈباجاتیں، ذکر و فکر کی دائمی حالت آپ پر طاری رہتی، بڑے نرم دل تھے، شہدہ  
پیشانی اور بظاشت سے متصف تھے، کریم الخس فراغ دست، وسیع العلم، بلند  
اخلاق، عالی نسب تھے، عبادت و ریاضت میں بلند پایہ رکھتے تھے۔

## آپ کی کرامات

آپ کی ذات سے با اتفاق مورخین بہت کثرت سے کرامات صادر ہوئیں، شیخ الاسلام  
عزالدین بن عبدالسلام اور امام ابن تیمیہ رحمہم اللہ دونوں بزرگ ایک زبان ہیں کہ شیخ کی  
کرامات بہت کثرت سے ہیں (ذیل حقائق التاملات ص ۷۷)۔

البتہ بہت سی آپ کی طرف منسوب کرامات غلو پر مبنی ہیں (جیسے کہ ہم پیچھے ذکر کر آئے ہیں)  
ہر حسی اور مادی کرامت سے بڑی آپ کی یہ معنوی کرامت تھی کہ آپ اپنے مواقع و  
ارشادات و فیروہ کے ذریعہ مردہ و دیران دلوں کی مسجائی کرتے ہوئے انہیں ایمان و اعمال  
صالحوالی زندگی کی آمنگوں سے بھر دیتے اور ایمان و یقین کے جذبے سے سرشار کر دیتے۔  
اور یہ درحقیقت نیلہ نبوت اور دراصل رسالت کا بلند ترین رتبہ ہے جس پر ہر زمانے میں خاص  
مشائخ کے بزرگ ہی فائز کئے جاتے ہیں۔

یہ مرتبہ بلند ملا جس کو مل گیا ہر مدنی کے واسطے دار و درمن کہاں

یہ بزرگ اصلاح و ارشاد مطلق کے لئے ہی درحقیقت بھیجے جاتے ہیں، انسانی نفسیات اور  
جہلت کے تاریک ترین گوشوں تک ان کی نظر جاتی ہے اور اپنی مسنون سیرت و اخلاق کو  
سامنے رکھ کر بانی تائیدات کے مل بوتے پر محالہ نفوس اور تداوی ارواح و قلوب اور علم و

اقوامِ اہل کے ایسے تیر ہدف نئے کام میں لاتے ہیں کہ دیکھتے ہی دیکھتے زمانے کا رخ بدل جاتا ہے اور معاشرہ میں سعادت مندی و نیک بخشی پھیلنے لگتی ہے۔ شیخ نجم الدین اسماعیلی نے ایسے ہی بزرگوں کے مقام کا یوں نقش کھینچا ہے۔

عَلَيْهِمْ بِأَفْوَاهِ الْفُؤُوسِ يَسُوسُهَا بِحُكْمِهِ يَغْلُظُ الطُّيُوبُ الْمَحْزُوبُ

یعنی جس طرح ایک حاذق طیب (ماہر معالج) ہر طرح کی بیماریوں اور ان کے اسباب و نتائج کو جانتا ہے اور ہر عمر و مزاج کے مریضوں کا علاج کرتا ہے اور کمالِ فن اور فراستِ طبیہ کی وجہ سے صرف چہرہ و کچھ کر یا بغض پر اٹھایاں رکھ کر سب کچھ لیتا ہے اسی طرح ملت اور افریقہ ملت کے تمام امراضِ جدیدہ و مزمنہ اور ظاہرہ و خفیہ کا علاج ہوتا اور انسان کی دینی و نفسی اور روحانی بیماریوں کو محض ایک فراست بھری نظر سے جانچ لیتا اور ہر مریض کو اس کی حالت کے مطابق نسخہ و تہیاء انہی نفوس خاصہ کا مقام ہے۔

## آپ کی مجالس و عطا، اشاعت اسلام کی زسریاں

آپ کا وجود باوجود انحطاط اور روحانی زوال کے اس خاص دور میں ہندستان اسلام کے لئے باہر بھاری تھا۔ جس نے مجھے ہوئے دلوں میں ایمان و یقین کی نئی روح بھونک دی، اور عالم اسلام میں اسلام اور روحانیت کی ایک نئی لہر دوڑا دی، اور آپ کا فیض اسلامیوں سے گذر کر غیر مسلموں کو بھی نہال کر گیا، شیخ عمر کیسانی جلاء الضمین میں لکھتے ہیں کہ آپ کی مجلس میں بکثرت یہودی و عیسائی اسلام قبول کرتے، اور جرائم پیشہ اور مجنا، کہاڑ لوگ توبہ تائب ہو کر صالح اسلامی زندگی میں داخل ہوتے، اور فاسد الہ اعتقاد اور اہل بدعت اپنے عقیدوں کی خرابی اور خلاف سنت اعمال سے توبہ کرتے۔

شیخ کے ایک معاصر بزرگ جہانگیر فرماتے ہیں کہ شیخ نے خود مجھ سے فرمایا کہ میری تمنا و ہر انہوں کی طرف نکل جانے کی ہے کہ کسی کو مجھ سے اور مجھ کو کسی سے واسطہ اور تعلق نہ رہے

لیکن اللہ تعالیٰ کو اپنے بندوں کا نفع منظور ہے، میرے ہاتھ پر ہزاروں یہود و نصاریٰ مسلمان ہو چکے ہیں، لاکھوں جرائم پیشہ اور عیاد افراد تو بے کر چکے ہیں، یہ اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت ہے۔

آپ کے تذکرہ نگاروں نے اس طرح کے واقعات بکثرت لکھے ہیں جو بغداد میں علامہ المسلمین اور ذی کفار کی اصلاح اور ایمان کے سلسلے میں پیش آئے، آپ تزکیہ باطن اور نفوس کے اصلاح میں مشغول رہنے کے ساتھ ساتھ دس و تدریس، افتاء، تصحیح عقائد اور مذہب اہل سنت کی ترویج و اشاعت سے غافل نہ تھے، عقائد اور فقہی مذہب میں آپ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے طریق پر تھے، امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے پاس توحید اور سنت کے احیاء اور اشاعت کا جو خاص ذوق ہے آپ کی ذات سے اس کو بڑی تقویت و تائید حاصل ہو گئی اور اس کے مقابلے میں اعتقادی، عملی بدعات کے دھندے مٹنے چلے گئے۔

### شیخ کا عہد اور مسلم معاشرے کا اندرونی بگاڑ

شیخ ۳۸۸ھ میں بغداد تشریف لائے اور پھر مرتے دم تک یہیں رہے آپ کا یہ عہد ستر سال سے زیادہ عرصے پر مشتمل ہے اس پورے زمانے میں مرکز طرقت بغداد میں بالخصوص اور پورے عالم اسلام میں بالعموم بکثرت انتکادات اور تاریخی واقعات پیش آئے، اس عرصے میں یکے بعد دیگرے پانچ عباسی خلفاء کا عروج و زوال شیخ نے دیکھا۔

شیخ کی آمد کے وقت خلیفہ مستظہر باللہ تخت خلافت پر متمکن تھے (متوفی ۵۱۳ھ) اس کے بعد بالترتیب مسز شد باللہ، راشد باللہ، المستعصی لامر اللہ اور مستعجد باللہ خلیفہ ہوئے یہ زمانہ سلجوقیوں کے بھی عروج کا عہد ہے جنہوں نے اپنا ڈنکا سارے عالم اسلام میں بھایا کاشغر سے لے کر قسطنطنیہ کی دیواروں تک اپنا سکہ چلایا، بغداد عرصہ تک ان کی ترکتازیوں کی زد میں رہا اور عباسی خلافت کو انہوں نے اپنا زیرِ نگین رکھا۔ شیخ کے زمانے میں سلجوقی سلطانین اور عباسی خلفاء کی باہمی کشمکش عروج پر تھی۔

کئی دفعہ سلطانی لشکر اور خلیفہ کی فوجوں میں معرکہ آرائی و ٹخمر آزمائی بھی ہوتی رہی اس طرح مسلمان محض اقتدار کے حصول اور حسب جاہ و مال کی خاطر آپس میں بے دریغی ایک دوسرے کا خون بہاتے رہے۔ مسز شد جو عباسیہ کا سب سے طاقتور، حوصلہ مند اور شجاع خلیفہ تھا اور سلجوقیوں کے ساتھ اکثر معرکوں میں یہی فتح مند ہوتا رہا ۵۱۹ھ رمضان میں سلجوقی فوجوں کے ہاتھوں اسے شکست فاش ہوئی اور یہ قید کر لیا گیا، یہ خلیفہ خاص و عام سب کی نظروں میں اتنا محبوب و مقبول تھا کہ خلیفہ کے غم اور مصیبت نے ساری قوم کو حقدار کر دیا، بغداد اور عالم اسلام کے دوسرے شہر عمومی انتشار اور عوامی احتجاج کی زد میں آ گئے بغداد میں لوگوں نے جماعت تک میں شریک ہونا چھوڑ دیا، مساجد و برائے ہو گئیں، عورتیں سروں سے دوپٹہ اتار کر فوج کرتی ہوئی گلیں گھڑی ہوئیں ان حالات سے سلجوقی سلطان تخرلزدہ براہ اندام ہوا (ان کی نظر)

اس سیاسی انتشار کے جلو میں دینی و اخلاقی انحطاط بھی زوروں پر تھا جس کا بڑا مرکز مستقر خلافت بغداد ہی تھا اور پورے عالم اسلام میں ایک عمومی دینی زوال سیلابِ بلا کی طرح بڑھتا چلا آ رہا تھا اس کے علاوہ طحہ خلافت اور تصوف و اعتزال کا لہارہ اوڑھے ہوئے نہاد اور باطنیین و درویشوں وغیرہ فرق باطلہ اور تائید نہاد و درباری علم فروش طبقات نے بغداد اور دوسرے اہم اسلامی شہروں میں اودھم مچا رکھا تھا۔ یہ حالات دیکھ کر شیخ کی کراہی میں اضافہ ہوتا تھا اور حیثیت اسلامی، غیر مستحبی اور نصرت حق کا جوش شیخ کے سینہ میں اٹھتا تھا۔

زور و دین احمد بن ابی راہوا دلہا خستہ بگر کا کباب اند

## کیا چھپا ہوتا ہے اہل دل کے سینوں میں؟

یہ قلبی احساس اور درد دین کی ٹیمیں جب ضبط و قفل کے بندھن توڑ کر شیخ کے مواضع و خطبات میں اٹھ اٹھتی تو حقائق اور دروہیت کے دریا بہہ جاتے اور شیخ کی زبان کا ایک ایک لفظ حضرت کا تازیانہ بن کر حاضرین و سامعین کے دلوں پر پڑتا شیخ کے مواضع و مقالات جہاں آج بھی



”فتوح الغیب“ اور ”فتح الربانی“ کے قلمبند مجموعوں میں محفوظ ہیں پڑھنے والوں کے دلوں میں ایمان کی حرارت اور ورد کی کک پیدا کر دیتے ہیں اور بعض خاص مزارعوں کے لئے تو یہ شعلہ حق کی حیثیت رکھتے ہیں تو جو لوگ خود ان مجالس میں شریک ہوتے تھے شیخ کے یہ وعظ جو اکثر سے بڑھ کر تاثیر رکھتے تھے ان پر کیا اثر دکھاتے ہوں گے؟ ۱۔

### مواظف کے کچھ نمونے

”جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کی دیواریں پورے پورے گری ہیں اور اس کی بنیاد بکھری جاتی ہے اے باشندگان زمین آؤ جو گر گیا ہے اس کو مضبوط کر دیں، اور جو ڈھے گیا ہے اس کو درست کر دیں، یہ چیز ایک سے پوری نہیں ہوتی، سب ہی کو مل کر کام کرنا چاہیے۔ اے سورج، اے چاند، اور اے دن تم سب آؤ“ (تحرکات افکارانی)

ایک دوسرے موقع پر ارشاد ہوتا ہے:

”اسلام در رہا ہے اور ان فاسقوں، بدعتیوں، مگراہوں، بکر کے کپڑے پہننے والوں اور ایسی باتوں کا دعویٰ کرنے والوں سے جو ان میں موجود نہیں اپنے سر کو تھامے ہوئے فریاد کر رہا ہے اپنے سے پہلوں اور موجود لوگوں کی طرف خود کو کامر و خمی بھی کرتے تھے اور کھاتے پیتے بھی تھے ناگہاں دنیا سے گذر کر ایسے ہو گئے گویا کبھی تھے ہی نہیں، حیران دل کس قدر سخت ہے، کتنا بھی شکار کرنے اور بھتی اور مویشی کی حفاظت کرنے میں اپنے مالک کی خیر خواہی کرتا ہے اور اسے دیکھ کر خوشی کا

۱۔ فتح کے علاوہ بھی جو اس زمانے حق، وامین اسلام بھرمین، مفسرین، فقہاء، مشائخ، نجیب دل، سرور، دھام اور بعض مسلمانین جو اس دور میں ہوئے سب نے عظمت و عزت کی ایک سے بڑھ کر ایک داستان رقم کی جو کہ عالمی شاندار ماضی کا سرور و تاب ہے ہر زمانے کے دل جن کے ان حقائق کے انھوں ہی شکر کا اندازہ ہے اور تاریخ نے اپنا رخ بدلا ہے سب کی عظمتوں کو ہم سلام کرتے ہیں۔ آمین۔

انگھارا چمیل کو دے ساتھ کرتا ہے، حالانکہ وہ اسے شام کو صرف چند ٹوالے کھانا ہی دیتا ہے اور تو ہر وقت اللہ تعالیٰ کی قسم قسم کی نعمتیں حکم سیر ہو کر کھاتا ہے مگر اللہ تعالیٰ کو جو یہ نعمتیں دیکر تجھ سے مقصود ہے اس کو تو پورا نہیں کرتا اس کا حکم رو کرتا ہے اور اس کی حدود شریعت کی حفاظت نہیں کرتا“ (الفتح البانی)

دنیا پرست علم فروشوں اور نفس کے غلام گندی نشینوں و فرقہ پوشوں پر یوں تازیانہ برساتے ہیں:

”اے علم و عمل میں خیانت کرنے والو! تم کو ان سے کیا نسبت؟ اے اللہ اور اس کے رسول کے دشمنو! اے خلق خدا کے ذاکو! اتم کھلے ظلم و نفاق میں آلودہ ہو یہ نفاق کب تک رہے گا اے عالمو! اور اے صوفیو! روایت شاہان و سلاطین کیلئے کب تک منافق بنے رہو گے کہ ان سے دنیا کا زرو مال اور شہوات و لذات لیتے رہو“ (الفتح البانی ج ۱ ص ۱۰۰)

ایک مجلس میں تو حید خالص کی یوں تعلیم دیتے ہیں:

”اس پر نظر رکھو جو تم پر نظر رکھتا ہے اس کے سامنے رہو جو تمہارے سامنے رہتا ہے اس سے محبت کرو جو تم سے محبت کرتا ہے اس کی بات مانو جو تم کو بلاتا ہے اپنا ہاتھ اسے دو جو تمہیں سنبھالتا ہے وہ تمہیں جہل کی تاریکیوں سے نکال لے گا اور بلاکتوں سے بچالے گا..... کب تک ماسوائے حق سے وابستہ رہو گے؟ اس اللہ کو چھوڑ کر جو ہر چیز کو پیدا کرنے والا ہے اور بنانے والا ہے اول ہے آخر ہے ظاہر ہے باطن ہے دلوں کی محبت روحوں کا طہینان، گمراہوں سے خلاصی بخشش و احسان ان سب کا رجوع اسی کی طرف ہے اس کی طرف سے ان کا صدور ہے“ (نور صہب ج ۱ ص ۱۰۰)

ایک اور مجلس میں فرماتے ہیں:

”ساری مخلوق عاجز ہے، نہ کوئی تھک کو نفع پہنچا سکتا ہے نہ نقصان، بس خدا تعالیٰ یہ ان کے ہاتھوں کرا دیتا ہے اس کا فضل تیرے اندر اور ساری مخلوقات کے اندر تصرف فرماتا ہے جو کچھ تیرے لئے مفید ہے یا مضر ہے اس کے متعلق اللہ کے علم میں غم جل چکا ہے اس کے خلاف نہیں ہو سکتا، جو موصد اور ٹیکو کار ہیں وہ باقی مخلوق پر اللہ کی جنت ہیں..... بہادر وہی ہے جس نے اپنے قلب کو ماسوائے اللہ سے پاک بنایا اور قلب کے دروازے پر توحید کی تلواریں شریعت کی شمشیر لے کر کھڑا ہو گیا کہ مخلوقات میں کسی کو بھی اس کے اندر داخل نہیں ہونے دیتا اور اپنے قلب کو مقلب القلوب سے وابستہ کرتا ہے، شریعت اس کے ظاہر کو تہذیب سکھاتی ہے اور توحید و معرفت باطن کو مہذب بناتی ہے“ (اصح الہادی، ج ۱ ص ۱۵)

## کتاب غنیۃ الطالبین

حضرت شیخ نے تصنیف و تالیف کی راہ سے جو خدمت دین فرمائی اس سلسلہ کی اہم کڑی غنیۃ الطالبین (غنیۃ لطائف طریق الحق) آپ کی معروف تصنیف ہے۔ ۱۔  
شیخ چونکہ فقہی مذہب میں جنابی تھے اس لئے احکام فقہ جنابی کے مطابق تحریر فرمائے ہیں، باقی اسلامی آداب بھی بہت اچھے انداز میں جمع فرمائے ہیں۔

اس کتاب کا اگر اس پس منظر میں جائزہ لیا جائے جو پانچویں اور چھٹی صدی میں حالات تھے تو اس کی صحیح اہمیت واضح ہوتی ہے۔

اس وقت اصحابِ جدل و مناظرہ و مناظرہ و مناظرہ، باطنیین و ظاہریین نے اسلام پر مشفق قسم کرتے ہوئے اسے باز چھوٹا اطفال بنایا ہوا تھا اور امت کو یہ طبقے عجیب بھول بھلیوں کی طرف

۱۔ اہل سنت کے چاروں فقہی مذاہب میں توحید و سنت کی حد بندی کے معاملہ میں جنابی مذہب زیادہ حساس اور سخت گیر ٹھہرتا ہے جس کی تاریخ کی قسم طریقے سے کہ ایک جنابی مذہب فقہی و شیخ کے نام پر برصغیر میں جماعت و خرافات کا ناز و گرم ہے مگر وہ ہے کہ کتاب ”غنیۃ الطالبین“ کا شیخ کی تصنیف ہونے میں بعض اہل علم کا اختلاف بھی رہا ہے۔

لے جا رہے تھے، اس وقت اللہ تعالیٰ نے امت اور ان کے دین کی حفاظت اور اسلام کی نصرت کے لئے جن قدوسیہستیوں کو اکٹرا کیا ان میں جہاں ایک طرف امام غزالی کا بہت بڑا کام ہے کہ فلسفہ و معنوی و کلامی مباحث کے حصاروں کے آگے بند باندھنے کا کارنامہ انہوں نے سر انجام دیا تو اس دور میں صوفیاء ہی کے گروہ میں شیخ کی تجویذی شان کی حامل خدمات ہیں، شیخ کو یہ امتیاز بھی حاصل ہے کہ آپ نے خانقاہی سلسلہ قائم فرما کر مسلمانوں میں نئی دینی زندگی، نیا نظم و ضبط اور نئے سرے سے ایمانی شوق و ولولہ اور حرکت و عمل پیدا کرنے کے لئے آنحضرت ﷺ کے طریقہ پر ایمان و عمل اور اتباع شریعت کے لئے بیعت لے کر ان کی سابقہ غفلت والی زندگیوں کا سارا نقشہ ہی بدل دیا، جدل و مناظرہ و کلامی مباحث اور قیل و قال سے دماغی اسلام تو پیدا ہو سکتا تھا لیکن قلب کی بھیجی ہوئی انگلیٹھی میں کوئی حرارت اور سوز و تپش تو نور نبوت سے نہوت والے طریقے کی محنت سے، قلب میں محبت الہی کا شعلہ روشن کر کے اس شعلے سے دوسروں کے سینہ روشن کرنے سے ہی آ سکتا تھا، یہی وہ امتیاز ہے جو حضرات صوفیاء کرام کو متفکین اور دوسرے علماء و ناظرین پر حاصل رہا ہے، امام غزالی نے فلسفہ و کلام سے لے کر مراقبات و اشغال تک کے اپنے دینی و روحانی سفر کی روئیدار اپنی کتاب ”المقصد من العصال“ میں بیان فرمائی ہے، اس میں یہی نکتہ اٹھایا ہے کہ کلامی و فلسفیانہ مباحث عقل کو ساکت و لا جواب تو کر سکتے ہیں لیکن اشراح صدر اور اطمینان کلی اس راہ سے حاصل ہونا انتہائی نادر ہے، اس پیاس نے غزالی کو نظامیہ کی مسجد ارشاد سے اٹھا کر یہاں لوگوں کی خاک چھاننے اور حقیقت و معرفت و محبت کا راز پانے کے لئے سرگرداں کیا اور صوفیاء کے طریقے کا شہید بنایا۔

بہر حال شیخ نے اس خانقاہی راہ سے تزکیہ کے ذریعے رجال کا رستہ کر کے دین کے دایمیں اور نفوس و اخلاق کے مربیوں کی ایک بڑی جماعت تیار کی، آپ کے بعد آپ کے باصدق و صفا خلفاء اور متوسلین نے تمام ممالک اسلامیہ میں دعوت الی اللہ اور تہذیب ایمان کا یہ سلسلہ

جاری رکھا اس طرح سلسلہ قادریہ کے نام سے تصوف کے مشہور سلاسل میں ایک مستقل جدید سلسلہ وجود میں آیا اور عرب و عجم میں عراق، یمن، برصغیر پاک و ہند، جاوا، سماٹرا (اندونیشیا) اور افریقہ میں لاکھوں لوگوں کی ہدایت اور اصلاح و تربیت کا یہ سلسلہ گہوارہ بنا۔

## وفات حسرت آیات

زمانہ دراز تک عالم اسلام کو اپنے کمالات ظاہری و باطنی سے مستفید کر کے، مسلمانوں میں رجوع الی اللہ اور روحانیت کا عمومی ذوق پیدا کر کے ۱۵۰۰ عیسوی میں ۹۰ سال کی عمر میں شیخ نے وفات پائی۔

آپ کی وفات کے وقت کے حالات و کیفیات آپ کی سوانح میں محفوظ ہیں اسی طرح تحصیل علوم و اخذ فیضِ باطن کے زمانے میں آپ کے مجاہدات و ریاضیات جن سے گزرنا کاملین ہی کے دل گردہ کی بات ہے یہ سب بھی تاریخ میں مذکور ہیں۔

اَللّٰهُمَّ اَنْصُرْ مَنْ اَنْصُرَ دِيْنََ مُحَمَّدٍ ﷺ وَاجْعَلْنَا مِنْهُمْ

وَاجْعَلْ مَنْ خَدَلَ دِيْنََ مُحَمَّدٍ ﷺ وَاجْعَلْنَا مِنْهُمْ

جب اس انکارِ خاکی میں ہوتا ہے یقین پیدا

تو کر لیتا ہے یہ ہال و پے روحِ الہی پیدا

خدا نے لم بزل کا وسیع قدرت تو، نہاں تو ہے

یقین پیدا کر اے غافل! کہ مغلوب کہاں تو ہے

## (باب سوم)

## شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی رحمہ اللہ

شہاب الدین لقب، ابو حفص کنیت، نام عمر بن عبداللہ وطن سہرورد (عراق) ولادت  
سنہ ۵۴۲ھ وفات سنہ ۶۳۲ھ۔ ۱

## شیخ کا زمانہ

شیخ کے زمانے میں بغداد کے تختہ خلافت پر درہج ذیل خلفائے عباسیہ یکے بعد دیگرے  
مستعمل ہوتے رہے۔

خلیفہ المستنصر لامر اللہ (۵۳۰ھ ۵۵۵ھ)، خلیفہ مستملہ باللہ (۵۵۵ھ ۵۶۶ھ)، خلیفہ  
مستنصر باللہ (۵۶۶ھ ۵۷۵ھ)، خلیفہ ناصر الدین اللہ (۵۷۵ھ ۶۲۴ھ)، خلیفہ ظاہر  
بالمر اللہ (۶۲۴ھ ۶۳۲ھ)، خلیفہ مستنصر باللہ (۶۳۲ھ ۶۳۵ھ)۔

خراسان میں غوری سلطنت کی بناء بھی ۵۵۰ھ کے قریب اسی عہد میں پڑی، اسی سلطنت کے  
مرزا آہن سلطان شہاب الدین غوری نے دلی و انجیر کو فتح کر کے ہندوستان میں اسلامی  
سلطنت کی بنیاد رکھی۔

سلجوقی کشور کشا سلطان تہقیر کی ترک تازیوں کا بھی یہی زمانہ ہے، جس نے ۵۵۴ھ میں ۷۳

۱۔ سہرورد عراقی علم میں، اعلان مدہان کے درمیان ایک جگہ کا نام ہے شیخ شہاب الدین ابو حفص مرزا آپ کے شیخ ضیاء  
الدین ابو نجیب اور شیخ ابو الفتح یعنی ضیاء اللہ ہیں اور نجیب کے شیخ وہیب الدین تصوف کی اس حشری لڑی کی جو تینوں لوگوں کے ساتھ  
اس مومنین سہرورد کے رہنے والے تھے اس حد سے تصوف کا یہ مستقل مرحلہ سلسلہ سہروردیہ کے نام سے موسوم  
ہوا، بعد ازاں (ابو طبر) میں شیخ شہاب الدین کے خلیفہ اعظم شیخ بہاء الدین ذکر یا مراد اللہ کے رہے اس سلسلہ کا فیض  
پہلے اور بعد کے طول و عرض میں جو بیان کیا، شیخ بہاء اللہ ہیں ذکر یا کو شیخ شہاب نے مکمل ستر (۷۰) لوگوں کی صحبت کے بعد  
خلافت عظام کا راسخہ اسلام کے لئے تیار کیا۔

سال کی عمر میں وفات پائی، سلطان نور الدین زنگی اور اس کے لائق چاہقین اور اسلام کے نامور سچوتے فاتح بیت المقدس سلطان صلاح الدین ایوبی اور ان کی فرنگی صلیبیوں کے ساتھ تمام معرکہ آرائیوں کا زمانہ بھی یہی ہے، سلطان زنگی کی وفات ۵۶۹ھ میں اور سلطان صلاح الدین ایوبی کی وفات ۵۸۹ھ میں ہوئی اور بیت المقدس نوے سال تک صلیبیوں کے قبضے میں رہنے کے بعد ۵۸۳ھ میں سلطان صلاح الدین کے ہاتھوں اسی عہد میں آزاد ہوا اور مسلسل اُمت مسلمہ کی چینیں نیاز سے ماسور رہا تا آنکہ بیسویں صدی عیسوی کے وسط میں ستویں خلافت ترکیہ کے بعد یہ دولت دوبارہ اُمت مسلمہ سے چھین گئی اور آج مسجد اقصیٰ اپنی بازیابی کے لئے پھر کسی صلاح الدین ایوبی کی راہ تک رہی ہے۔

چنگیز خان (۵۳۹ھ تا ۶۲۳ھ) کا ظہور اور تاتاریوں کا بلا و اسلام پر خروش کا ذریعہ آشوب بھی یہی ہے، تمام ترکستان اور خراسان اپنی گنجان اسلامی آبادیوں، سلطنتوں، ریاستوں، ولایتوں اور سینکڑوں سال میں پروان چڑھی ہوئی آفاقی تہذیب و تمدن اور گہوار ہائے علوم و فنون اور لاکھوں یگانہ روزگار و پاکمال علماء و دانش وروں سمیت اس پہلے سیلابی ریلے میں غرقاب ہو گیا (تاتاریوں کا دوسرا سیلابی ریلہ بلا کو خان کی سرکردگی میں ۶۵۶ھ میں بغداد کے مرکز خلافت کو بھی بہا لے گیا، اس طرح تاتاریوں کے ہاتھوں خلافت مشرقی کا خاتمہ ہو گیا)

فاطمین مصر کی باجبروت باطنی سلطنت کا ۴۷۲ سال تک کرد و فر دیکھا کر ۵۷۶ھ میں سلطان صلاح الدین ایوبی کے ہاتھوں خاتمہ اور مصر میں ایوبی سلطنت کی بناء بھی اسی عہد کی تاریخ کا حصہ ہیں، غرضیکہ یہ پورا عہد جو کم و بیش ایک صدی پر مشتمل ہے، عالم اسلام میں بڑے بڑے انقلابات و حوادث سے بھرا ہے۔

## شیخ سعدی رحمہ اللہ آپ کے حلقہ ارادت میں

کبلی شیراز شیخ مصلح الدین سعدی علیہ الرحمہ جیسے نقش کام محبت بھی شیخ شہاب الدین سہروردی

علیہ الرحمہ کے سلسلہ فیض سے وابستہ تھے، گلستان میں آپ کا تذکرہ سہدی نے کیا ہے۔  
شیخ شہاب صدیقی النسل ہیں آپ کا سلسلہ نسب خلیفۃ الرسول حضرت سیدنا ابو بکر صدیق سے  
جاتا ہے، شجرہ نسب یہ ہے، ابو حفص عمر بن محمد بن عبد اللہ بن محمد بن عبد اللہ بن سعد بن قاسم  
بن خلف بن اضر بن معاذ بن عبد الرحمن بن قاسم بن محمد بن ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہم۔ ۱۔

## شجرہ طریقت

پچھے ذکر ہو چکا ہے کہ سہروردی نسبت ملاقاتی ہے اور شیخ شہاب جو سلسلہ سہروردیہ کے بانی  
شمار ہوتے ہیں وہ خود اور ان سے اوپر کے دو بزرگ بھی اس قصبہ سہرورد کے تھے یعنی شیخ  
شہاب کے مرشد شیخ ضیاء الدین ابو نجیب (جو رشتے میں آپ کے حقیقی چچا بھی تھے) اور شیخ ابو  
نجیب کے شیخ وجیہ الدین سہروردی، آپ سے اوپر تک پورا شجرہ طریقت یوں ہے، شیخ شہاب  
الدین سہروردی من شیخ ضیاء الدین ابو نجیب سہروردی من شیخ وجیہ الدین سہروردی من شیخ  
ابو عبد اللہ من شیخ اسود احمد دیوری من شیخ ممتاز علی دیوری من خواجہ جنید بغدادی من خواجہ سری  
سقطی من خواجہ معروف کرخی من خواجہ دقا طائی من خواجہ حبیب گجی، من حضرت سیدنا حسن  
بصری رحمہ اللہ من حضرت علی کرم اللہ وجہہ من سرکار دوا عالم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم۔

## شیخ کا علمی مقام

شیخ صوفی ہامشاہو نے کے ساتھ ساتھ فقیہ بھی تھے، فقہ شافعی کے بزرگ تھے امت میں جو مرجعہ

۱۔ یہ ٹھہرے ہیں جن نے وہاں آسمان میں اٹھ کر خود وہاں آسمان میں ہی جن آسمان کے جارج بغداد کے  
عالم سے جو ٹھہرے مقل ہیں وہ اس سے قدرے مختلف ہے، وہی قاسم سے آگے ٹھہرے ہیں، پھر میں سہدی نے پھر میں  
عبد الرحمن کے گھر کیا ہے، گویا قاسم اور عبد الرحمن کے درمیان میں جہاں کا اختلاف ہے، میں جہاں نے میں تھار  
کی تاریخ بغداد سے یہ تھار نقل کی ہے کہ میں نے یہ ٹھہرے شیخ ابو نجیب سہروردی کی اپنی کسی کوئی تحریر سے نقل کیا ہے اس بناء  
پر ان جہاں نے تاریخ بغداد سے ٹھہرے کاس عام معروف ٹھہرے سے زیادہ کچھ قرار دیا ہے، میں شیخ ابو نجیب شیخ شہاب کے بچا  
اور ان کے شیخ مرشد ہیں (وہاں آسمان میں وہاں آسمان میں) ۲۔



کمال آپ کو حاصل ہوا اور پیشوائی کے جس اونچے مقام پر آپ فائز ہوئے اس تک پہنچنے میں فقہ و تصوف دین کے دونوں دھاروں اور ہدایت کے ان دونوں شعبوں کے حامل اور جامع ہونے کو خاص و ظہل ہے اور یہی جامعیت کی شان سلف صالحین کا طرہ امتیاز تھا، خیر القرون کے تینوں ادوار جو اس امت کے افضل ترین اور مبارک ترین زمانے ہیں ان زمانوں میں ابھی علوم و فنون اور مختلف دینی علمی و عملی شعبوں کی تقسیم اس انداز سے نہیں ہوئی تھی جس طرح ہندوستان بعد کے زمانوں میں ہوتی گئی ان زمانوں میں اعلیٰ علم میں جامعیت کی شان عام تھی اور کمالیت کا وصف عام تھا، بعد کے ادوار میں تقسیم کاری کی مصلحت کہہ لیجئے یا اور بھی اسباب وجود میں آئے اس سے یہ جامعیت کا وصف ہندوستان کمزور پڑتا گیا، انت سنے نظریات اور طرح طرح کی گمراہیاں ظاہر ہونے لگیں، نا اہل و بد عمل لوگ مختلف نفسانی و دنیوی اغراض کے حصول کے لئے علم و کمال کے دھو دار ہونے لگے، اپنی چرب و دماغی اور عیاری سے مختلف وزراء و امراء کو اپنا گرویدہ بنا کر دولت و حکومت کے زور پر کسی بد عملی یا بد عقیدگی کو رواج دیتے اور اپنی بوائی جتلاتے اس طرح امت میں طرح طرح کے انتشار و فترت کے راستے کھلتے، تاریخ کے صفحات پر متاخرین کے زمانے کے بہت سے اہل کمال قحط الراجال اور علم و ہدایت کے زوال کا رونا روتے نظر آتے ہیں۔

يَا نَبِيَّ الْاِسْلَامِ قُلْ مَا وَنَعِ      فَلَذَانِ لَعْنُا وَنَدَامُنْكَوْا ۱

پہلے ادوار میں تو یہ تھا کہ جو علوم نبوت کے پڑھانے والے استاد تھے وہی شیخ تھے، اور جو شیخ و مرشد تھے وہی استاد بھی تھے، مسند درس پہلو و افروز ہونے والے وہی تھے جو تہائی اور غلطی کے شب زدندہ دار تھے، لیکن بعد کے زمانوں میں اعلیٰ علم میں جامعیت کی یہ شان محدود ہوتی گئی، اب خال خال اس شان کے لوگ نظر آتے جو "يعلمهم الكتب والحكمة ويعزّجهم" کے پورے نور نبوت کے حامل و وارث ہوں ورنہ عمومی فضا یہ بنتی گئی کہ مسند درس

۱۔ اے اسلام کا نور کرنے والوں! رافضیوں کو لعنہ کہاں ہو گا کہ معروف دانش و حالات بدل گئے اور اہل اور سے دانش و حالات بدلنا ہو گئے۔

کے تاجدار باطن کے کورے اور اصلاح و ارشاد کے روشن ضمیر علوم ظاہر سے جمی دست یا کم مایہ تھے مابنائے زمانہ کی پست بہمتی کی وجہ سے تقسیم کار کی مصلحت سے یہ بھی تقسیم تھا لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ یہ یک جہتی انہماک تقسیم کار کے بجائے جب تقسیم ملت و امت کا باعث بنے لگا تو اس سے فتنوں کا تانا بندا گیا، دین کے کسی ایک شعبے کو لے کر ہی خیرالام کے بہت سے لوگ مطمئن ہو گئے دوسرے شعبوں سے اعراض و کفالت یا کم از کم اس کو غیر ضروری اور ثانوی حیثیت ملنے لگی، اس سے جہاں ایک طرف تصوف جیسے شریعت کے تزکیہ نفوس اور اصلاح باطن والے چشمہ صافی میں بدعات و خرافات کی آلودگیاں چور راستوں سے درآئیں تو دوسری طرف علوم شریعت جن کا فقہاء و محدثین اور مفسرین و متکلمین نے صدیوں کی محنتوں سے ایک پورا شیش محل تعمیر کیا تھا، ہوا و ہوس کے بندے اور مال و جاہ کے پھاریوں کے ہاتھوں سخت متاثر ہوا۔ ۱۔

حافظ اور سعدی و فیضیہم کے کلام میں جو علمائے ظاہر پر قمر ہمیں ملتی ہیں وہ علمائے ظاہر کے اسی طبقہ کی کارگزاریوں کا حال ہے۔ ج۔

۱۔ اس پر ضرورت کہ دور و ملک کی فہم ہم آفاق پر زلف و شری فہم  
سپ تازی شدہ مجروح بزر پالاس طوطی زاری ہم در گردن غری فہم  
ج۔ دور کیوں جانے اسی خط جناب میں اس کی ایک مثال حضرت سلطان باہور سے اٹھ کا کلام ہے جس میں اپنی عالم اسلام کی طرح اس دور میں، جناب کی اس ذہنی تقسیم اور عطاء و صوفیا کی چالاک پردہ افشانی ہے، حضرت سلطان باہور سے اٹھ جس شان کے بزرگ تھے وہ ان کی سوانح سے ظاہر ہے، اپنے کلام میں ایک جگہ بعض علمائے سنی جنہوں نے دین کو محض ایک قانونی ضابطہ اور کچھ ظاہری اعمال تک محدود کر دیا تھا، ان کی ایک شخص میں محبت الہی کی چنگاری سلگانے سے وہ جمی دست تھے ان کی یوں شکایت کرتے ہیں۔ ۲۔

ندہاں دے درد ازے اپنے راہ رہاں موری نو  
چڑاں تے ملوایاں کلوں بخت بخت ننگے چری نو  
اڑاں مارن کرن کھیزے درد منداں دے کھوری نو  
ہو بل اتھانیں دینے جئے دہی نہ کسے موری نو

آپ کا زمانہ گیارہویں صدی ہجری ہے سلطان اورنگ زیب عالمگیر کے ہم عصر تھے عارف و مجاہد تھے۔

اور دوسری طرف بعض علمائے ظاہر کا تصوف اور صوفیاء کے سلسلے میں جو رویہ رہا وہ انہی نام نہاد جاعل صوفیوں کی کارستانیوں پر رد عمل تھا جو لباسِ خضر میں رہزنی کرتے تھے، مولانا روم نے ان گندم نما جو فرشتوں سے سالکین راہ کو یوں خبردار کیا ہے۔۔

اے رہا طہس آ دم روئے ہست      جس کا مطلب بڑا بانی اقبال یہ ہے۔  
پس بہرہ دے نہاید اور دست

دنیا میں رہنا ہے تو پہچان پیدا کر      لباسِ خضر میں ہزاروں رہزن پھرتے ہیں  
شیخ شہاب نے حدیث، فقہ، تصوف اور وعظ وارشاد کی تعلیم اپنے مرشد (اور چچا بھی) حضرت شیخ ضیاء الدین ابو نجیب سہروردی سے حاصل کی، حدیث کی سماعت آپ نے مزید بھی کئی محدثین سے کی، علم ادب اور دیگر علوم عقلیہ میں بھی دستگاہ رکھتے تھے طریقت میں اپنے چچا کے علاوہ شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ، شیخ ابو محمد ابن عبد اور کچھ دیگر مشائخ سے بھی فیض یاب ہوئے، جمیل سلوک اور تحصیل مقامات کے بعد شیخ نے اپنی مجلس وعظ وارشاد جاری فرمائی، اللہ تعالیٰ نے آپ کی زبان و بیان میں ایسی حلاوت اور صحت و ہجاست میں ایسی کشش و جاذبیت عطا فرمائی تھی کہ خلقِ خدا آپ کی مجالس وعظ پر ٹوٹی پڑتی تھی، مقبولیت اللہ تعالیٰ نے ایسی عطا فرمائی تھی کہ عرصہ ایام و بعداد جیسے سرچشمہ علوم و ہدایت میں جہاں ایک سے بڑا ایک علم و معرفت کا شمار موجود تھا آپ شیخ الشیوخ (سراج علماء و اولیاء) بن کر ابھرے، اور یہ لقب پھر مستقل آپ کے نام کا حصہ قرار پایا، زہے عز و شرف۔

## خلفاء و مجازین

بعد ازیں جیسے مرکبِ اسلام میں شیخ الشیوخ ہونے کے مقام پر فائز شخصیت جو تصوف کے ایک مستقل سلسلہ کے بانی قرار پائے ان کے مریدین، متوسلین اور مجازین کی جو کثرت ہو سکتی ہے وہ ظاہر ہے، آپ کے ممتاز و سرمد آوردہ خلفاء میں سے جن کے حالات، تاریخ میں محفوظ

ہیں نمایاں ترین ہستیاں یہ ہیں:

- (۱)..... شیخ بہاء الدین ذکر پامانی، مان ہی کے ذریعہ سہروردی سلسلہ برصغیر پاک  
و ہند میں پھیلا (۲)..... قاضی حمید الدین ناگوری (۳)..... شیخ جلال الدین  
حمریزی رحمہ اللہ۔

مؤخر الذکر دونوں بزرگ ہندوستان تشریف لائے، لیکن یہاں چشتیہ بزرگوں کی کشش نے  
انہیں اپنی طرف کھینچ لیا، اور پھر یہ اسی کے ہو رہے۔

چنانچہ قاضی حمید الدین ناگوری رحمہ اللہ کا نام تو شیخ مصعب الدین چشتی رحمہ اللہ کے خلفاء میں  
سرفہرست آتا ہے۔ شیخ جلال الدین حمریزی رحمہ اللہ کا فیض بنگال میں پھیلا، اس طرح کشمیر  
میں اشاعت اسلام کا سہرا جن بزرگوں کے سر پہ ان میں دو نمایاں ترین نام امیر کبیر سید علی  
ہمدانی اور ان کے صاحبزادے میر محمد ہمدانی ہیں یہ دونوں سہروردیہ سلسلہ کی شاخ کبرویہ سے  
تعلق رکھتے تھے۔

## شیخ کی سیاسی خدمات

چنگیز خان کی تاتاری یلغار سے کچھ پہلے جب عباسی خلیفہ ناصر الدین لہ اور سلطان علاؤ  
الدین خوارزم شاہ کی آپس میں عداوت اور دشمنی زوروں پر تھی اور سلطان خوارزم اپنی طاقت  
و سلطنت کے نشے میں بدست ہو کر عباسی خلافت پر چڑھائی کر کے مرکز خلافت ختم کرنے  
کے منصوبے بنا رہا تھا، اس وقت خلیفہ ناصر نے امت کو اس انتشار و افتراق سے بچانے کے  
لئے اپنی طرف سے صلح کے لئے جو خیر-گامی وفد خوارزم شاہ کے پاس بھیجا تھا، اس وفد میں  
سربراہ و درودہ شخصیت شیخ شہاب ہی تھے، شیخ نے وسوزی کے ساتھ خوارزم شاہ کو سمجھایا لیکن اس  
کے سر پر خون سوار تھا وہ شیخ سے گستاخی کا بھی مرتکب ہوا، اس کے بعد خوارزم شاہ سے مزید وہ  
تالا لٹایاں سرزد ہوئیں جنہوں نے تاتاری دہندوں کے لئے عالم اسلام پر یلغار کرنے کا راستہ

صاف کر دیا، اور تاتاری ریلے کی لیٹ میں سب سے پہلے خوارزم شاہی سلطنت ہی آئی تھی، تاتاریوں نے ہمیں پر سب سے پہلے آگ اور خون کے دریا بہائے تھے، مورخین نے لکھا ہے کہ شیخ شہاب نے خوارزم شاہ کے مندرجہ بالا سلوک اور طرز عمل کی وجہ سے اسے بددعا بھی دی تھی۔ ۔

چوں یکے از قوم بیدار نمی کرو  
نہ کہد عزت ماعت نہ مدارے

### شیخ الشیوخ کا نامور بھانجا

مشہور صاحب دل فارسی شاعر عراقی شیخ الشیوخ کے بھانجے تھے، ان کا تذکرہ مولانا جامی نے محکات الانس میں کیا ہے، عراقی سیر و سیاحت کرتے کرتے ممان پہنچے تو یہاں شیخ الشیوخ کے ظیفہ معظم شیخ بہاء الدین ذکر کیا کی صحبت و تربیت نے انہیں شکار کر کے گمائل کر دیا۔ ۔

سودے کے لئے بازار گئے ہم ہاتھ اس کے کچے جس کے خریدار گئے ہم  
عراقی اس واردات باطنی کا حال یوں سناتے ہیں:

”پر مثال عقلاطیس کر آ ہم کھد ..... شیخ مرا جذب کند و مقید خواہد کرد، ازیں  
چار و دو تر ہا کد رفت۔“

شیخ بہاء الدین نے اپنی بیٹی عراقی سے بیاہ دی تھی اور ان کی پوری طرح خاطر داری کی۔ عراقی نے ممان میں کافی عرصہ گزارا اور شیخ کی خانقاہ میں چلنے بٹھنی بھی کی، عالم و جد میں عراقی نے وہاں وہ مشہور منظوم کلام کہا جس نے شیخ پر وجد اور بے خودی کی کیفیت طاری کر دی تھی، اس منظوم کلام کے دو اشعار یہ ہیں: ۔

بہ عالم ہر کہا رنج و طامست	بیم بردند و معشوش نام کردند
چو خود کردند راز خویشمن فاش	عراقی راجہ ابد نام کردند

۱۔ ترجمہ: جب قوم کا ایک فرد باطنی کا مرکب ہوتا ہے تو اس کی سراساری قوم کو منتقلی پہنچاتی ہے نہ کسی چھوٹے کی عزت ہاتی رہتی ہے نہ بڑے کی۔

## شیخ الشیوخ کی تالیفات علمیہ

اسامیل پاشا بغدادی نے ”ہدیۃ العارفین“ میں جس کو کشف الظہون (ملا کا حب مجلی) کا تھملا سمجھنا چاہئے، آپ کی درج ذیل تالیفات کا ذکر کیا ہے۔ عوارف المعارف فی التصوف (یہ شیخ کی تصوف پر مشہور زمانہ تصنیف ہے) ارشاد المریدین، الاسماء الاربعون، اعلام الہدی، بہجۃ الابواب، رسالۃ السیر والطریر، رسالۃ فی السلوک، الریح الختم، الرسالۃ العاصمۃ، درشف البصائر، الامیانیہ وکشف القضاخ الیونانیہ (یہ منطق یونانی کی تعلیل میں ہے) عقیدہ ابواب النقی (ہدیۃ العارفین ج ۵ ص ۳۸۵)

عوارف المعارف تصوف میں بڑے پائے کی کتاب ہے، ۱۶۳ ابواب پر مشتمل ہے جس میں صوفیاء کے تفصیلی احوال اور سلوک کے اعمال و اشغال کا ذکر ہے، عوارف پر نویں صدی ہجری کے نامور درویش گرامام میر سید شریف جرجانی رحمہ اللہ کی تعلیقات ہیں اور بعض دیگر علماء نے اس کا قاری میں ترجمہ کیا ہے، اردو ترجمہ بھی عام ملتا ہے (کشف الظہون ج ۵ ص ۷۷۷)

## عوارف المعارف کا تعارف

شیخ شہاب رحمہ اللہ شریعت و تصوف دونوں میں اونچے مرتبہ پر فائز تھے، تصوف میں مستقل سلسلہ کے بانی اور بعد کے مشائخ و صوفیاء کے لئے سند اور معیار تھے آپ کے علوم و معارف اور باطنی کمالات کا نایاب گنجینہ اور بے مثال نمونہ چونکہ تصوف میں آپ کی معرکہ آرا کتاب عوارف المعارف ہے، عوارف المعارف کا ایسا ہی تعارف ملاحظہ ہو:

صوفیاء کے علوم، آداب، مقامات، مکاشفات، مجاہدات اور مشاہدات کا وسیع ذخیرہ ہے، پوری کتاب قرینہ ابواب پر مشتمل ہے ہر باب میں شریعت و طریقت اس طرح ہم آغوش ہیں کہ ایک کو دوسرے سے جدا نہیں کیا جاسکتا تمام صوفیائے احوال و اشغال کو قرآن، حدیث اور سلف کے آثار کے استناد و استشہاد کے ساتھ بیان فرمایا ہے اور اس راہ کے رہزنوں اور

ہوں پرستوں کے لئے اصلاح نفوس کے اس دینی شعبے میں کوئی جائے پناہ نہیں چھوڑی اور ان کی طبع سازبوں اور دوسرے کاریوں کی قطعی کھلی ہے چنانچہ ہائیسوس سے لے کر ہیکیسوس باب تک سماع کا بیان ہے ان ابواب میں پہلے سماع کی اصل حیثیت و حقیقت اور اس کی جائز صورتیں اور سلف کے اس بارے میں اقوال و احوال بیان فرمائے پھر آگے سماع کے رد اور انکار کے متعلق مستقل باب میں رد و انکار کی وجوہات اور سماع کی وہ صورتیں جو مردود ہیں ان کا تفصیل سے بیان فرمایا ہے۔ نمونہ کے طور پر چند دیگر ابواب کے عنوان بھی ملاحظہ ہوں:

پہلا باب علوم صوفیہ کی پیدائش کے بیان میں۔

تیسرا باب علوم صوفیہ کی فضیلت میں۔

چوتھا باب صوفیہ کے حال اور ان کے طریق کے اختلاف کے بیان میں۔

پانچواں باب تصوف کی حقیقت کے بیان میں۔

آٹھواں باب طاعتی کے ذکر اور اس طبقہ کے حال کے بیان میں۔

نواں باب جو صوفی کہلائے اور درحقیقت صوفی نہ ہو۔

چودھواں باب اہل صفہ کے ساتھ اہل خانہ کی مشابہت کے بیان میں۔

پچیسواں باب چلوں کی خاصیت کے بیان میں جو صوفیاء سمجھتے ہیں۔

آگے صوفیاء کے احوال و مقامات میں سے ایک ایک پر مستقل باب باندھ کر ان مقامات کی تفصیل کی ہے۔

ہمارے پیش نظر حواری کا اردو مترجم نسخہ 1926ء کا چھپا ہوا ہے 684 صفحات پر مشتمل ہے۔ پوری کتاب دو حصوں میں منقسم ہے مترجم مولانا ابوالحسن (رحمہ اللہ) ثانی بزرگ ہیں مطبع نول کشور لکھنؤ سے یہ نسخہ چھپا تھا۔

### مصادر و مراجع

وفات الامامین ج ۲ (ترجمہ شہاب الدین) طبقات الصوفیہ، طبقات الصوفیہ اسلامیہ، انگریزی، ج ۱، آب کوڑ، مجلس صوفیہ کتب العلم، ۱۰۰، دار الفکر، تاریخ ملت ج ۲، حواری، المعارف، حرم۔

## (باب چہارم)

## خواجہ بہاء الدین نقشبندی رحمہ اللہ

## مختصر تعارف

سلسلہ عالیہ نقشبندیہ تصوف کے چار مشہور سلسلوں میں سے ایک ہے، یہ حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبندی رحمہ اللہ کی طرف منسوب ہے، خواجہ بہاء الدین آٹھویں صدی ہجری (۱۲۸۹ھ تا ۱۳۰۸ھ) کے بزرگ ہیں حضرت خواجہ سے پہلے یہ سلسلہ خواجگان کہلاتا تھا، حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبند اور آپ سے پہلے کے مشائخ وسطی ایشیا (ازبکستان) کے تھے، حضرت خواجہ کا مزار آج بھی ازبکستان میں بخارا کے مضافات میں قصر عارفان کے مقام پر مربع خلافت ہے، اسی طرح آپ کے شیخ خواجہ سید امیر کمال اور ان پر کئی پشتوں تک اس سلسلہ کے دیگر مشائخ بھی اسی خاک شرف و بخارا سے اٹھے تھے اور وہیں آرام فرما ہیں، حضرت خواجہ تصوف و طریقت اور باطنی اصلاح کے میدان میں مجتہد اور امام وقت تھے۔

آپ نے اس سلسلہ میں سنت کی اجازت اور شریعت کی پیروی کا نقش اور زیادہ گہرا کر دیا، اور اس سلسلہ کو نئی زندگی بخشی، اس لئے آگے چل کر یہ آپ کے اسم گرامی سے ہی موسوم ہو گیا، آپ نے اس سلسلہ کے اشغال و معمولات میں جو مزید اصطلاحات قائم فرمائیں ان میں تین اہم یہ ہیں:

(۱)..... ذوقِ زمانی (۲)..... ذوقِ قلبی (۳)..... ذوقِ عہدی۔

جن کا حاصل غفلت و بے فکری سے پرہیز، ذکر میں مطلق عہد کی رعایت، اور غیر اللہ کی طرف متوجہ ہونے سے مکمل اجتناب ہے، آپ سے پہلے اس سلسلہ کے مشائخ میں سے خواجہ عبدالخالق غجدانی قدس سرہ (متوفی ۷۵۵ھ) نے آٹھ اصطلاحات و معمولات کو منضبط



کر کے اس سلسلہ کا اسلامی انصاف کو یا ترتیب دیا تھا، وہ اصطلاحات یہ ہیں:

- (۱)..... بھوش و روم (۲)..... نظر پر قدم (۳)..... سفر و وطن (۴)..... غفلت و راجحمن (۵)..... یاد کرو (۶)..... بازگشت (۷)..... نگہداشت (۸)..... یادداشت۔

حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ (متوفی ۱۷۱۷ھ) نے ”القول الجلیل“ میں نقشبند یہ کے اذکار کے زیر عنوان ان اصطلاحوں کی شرح فرمائی ہے۔

حضرت خواجہ بہاء الدین سے پہلے اس سلسلہ میں ذکر خفی و ذکر جلی ملا جلا شامل تھا، اس لئے اس سلسلہ کے لوگ ”علانیہ خواں“ بھی کہلاتے تھے، لیکن خواجہ نقشبند نے ابتداء ہی سے ذکر خفی اختیار فرما کر آگے عام فرمایا، وسطی ایشیا کے خطہ یعنی پورے ترکستان میں سرزمین سمرقند و بخارا اور تمام ماوراء النہر میں یہ سلسلہ بہت عام ہوا، اور باقی اسلامی ممالک میں بھی اس کو فروغ حاصل ہونے لگا۔

### برصغیر میں سلسلہ نقشبند یہ کا آغاز

ہندوستان میں یہ سلسلہ دسویں صدی ہجری میں حضرت خواجہ باقی باللہ کے ذریعہ پہنچا، جبکہ باقی تینوں مسائل چشتیہ، قادریہ، سہروردیہ اس سے صدیوں پہلے یہاں پہنچ کر ملک کے چھوٹے چھوٹے دین اسلام کی اشاعت اور مسلمانوں کی اصلاح اور قرآن و حدیث کے علوم و ہدایت کی تعلیم و ترویج میں ہر تن مشغول تھے، حضرت خواجہ باقی باللہ رحمہ اللہ اور آپ کے بعد آپ کے خلیفہ حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ اور پھر ان کے خلفاء نے اس سرزمین میں دعوت و ارشاد اور دین کی تجدید و اشاعت کے جو سہرے کارنامے سرانجام دیے، وہ گیارہویں صدی ہجری اور اس کے بعد ہند کی تاریخ کے بہت ہی زیادہ روشن ابواب ہیں، اور حضرت مجدد صاحب نے اپنی تجدید کا جو رنگ اس سلسلہ میں بھرا اس نے نقشبند یہ سلسلہ کو اور بھی امتیاز بخشا۔

## حضرت مجدد الف ثانی کا نقشبندیہ شجرہ

حضرت باقی باللہ حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ کے شیخ و مرشد تھے، حضرت باقی باللہ اور خواجہ نقشبند کے درمیان چھ پشتیں ہیں، خواجہ باقی باللہ سے اوپر مشائخ بالترتیب یہ ہیں:

حضرت خواجگی اسمٰنگلی، حضرت خواجہ درویش محمد، حضرت خواجہ مولانا محمد زاہد، حضرت خواجہ عبید اللہ احرار، حضرت خواجہ مولانا یعقوب چرخی، حضرت خواجہ علاء الدین عطار رحمہم اللہ۔

علاء الدین عطار، خواجہ بہاؤ الدین نقشبندی کے خلیفہ تھے، اور حضرت خواجہ نقشبندی رحمہ اللہ سے اوپر سلسلہ کے مشائخ یہ ہیں:

حضرت خواجہ نقشبند کے شیخ حضرت میر کمال، ان سے اوپر بالترتیب، حضرت خواجہ محمد بابا سہاسی، حضرت خواجہ علی رامینی، حضرت خواجہ محمود انجیر قطروی، حضرت خواجہ عارف یوگری، حضرت خواجہ عبدالخالق محمد دانی، حضرت خواجہ یوسف ہمدانی، حضرت خواجہ ابوعلی قاروی، حضرت خواجہ ابوالحسن خرقانی، حضرت سلطان العارفين بازید بستانی، حضرت سیدنا جعفر صادق رحمہم اللہ، حضرت قاسم بن محمد بن ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ، آگے حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ۔

یہ سلسلہ خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تک پہنچتا ہے جبکہ دیگر تین سلاسل حضرت خواجہ حسن بھری رحمہ اللہ کی وساطت سے حضرت سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ تک پہنچتے ہیں۔ حضرت خواجہ نقشبند رحمہ اللہ سے پوچھا گیا کہ آپ کے اس جدید سلسلہ کی (یعنی جس کو آپ نے اضافات و ترمیمات کے ساتھ منج و منضبط فرمایا) خصوصیت کیا ہے تو فرمایا کہ سب طریقت کے سلسلے نور علی نور ہیں، اور سب اللہ تعالیٰ تک پہنچانے کا ذریعہ ہیں، ماہیت یہ جو طریقہ مجھے منہاج اللہ نصیب ہوا ہے اس میں آسانی بہت ہے، اور وصول الی اللہ بھی اس

میں جلدی ہو جاتا ہے، آپ فرمایا کرتے تھے ”ما مراد انہم بافصلیائیم“ کہ ہم مظلوموں میں سے ہیں اور ہم فضل والوں میں سے ہیں۔

ملا جاتی رحمہ اللہ (مصنف شرح جامی) جو خواجہ عبید اللہ احرار جامی رحمہ اللہ کے باکمال مرید تھے کی تحفات الانس نقشبندیہ سلسلہ کی اہم کتاب ہے ملا جامی کی سلسلہ نقشبندیہ کی مدح میں یہ نظم مشہور ہے:

نقشبندیہ عجب قافلہ سالار اند      کہ بر انداز رہ نہاں بہ حرم قافلہ را  
تو نقش نقشبنداں راچہ دانی      تو شکل پیکر جاں راچہ دانی  
گیاہ سبزہ داندہ قدر باراں      تو خشکی قدر باراں راچہ دانی  
بنو از کفر و ایمانست خبر نیست      حقاقتہائے ایماں راچہ دانی

ترجمہ: (۱) نقشبندیہ عجب میر کارواں ہیں کہ ایک خفیہ و پوشیدہ راستے سے قافلے کو حرم (اللہ تک) پہنچا دیتے ہیں۔

(۲) تو نقشبندیوں کے آثار و نقوش کو کیا جانے کہ روح مجسم کی صحت و تصویر کو تو کیا سمجھے۔

(۳) سبزہ یی ہارش کی قدر کو جانے، تو خشک بھٹس ہے ہارش کی کیا قدر جانے۔

(۴) تجھے تو ابھی کفر و ایمان کے امتیاز کی خبر نہیں، ایمان کی باریکیوں کی خبر کیا جانے۔

مَا خذ و مراجع

تاریخ دعوت و عزیمت ج ۴، تاریخ و تذکرہ خاندانہ مراچیہ، رد و کوثر

## (باب پنجم)

## حضرت خواجہ نصیر الدین محمود چراغ دہلی رحمہ اللہ

## ابتدائی حالات

آپ کا نام محمود، لقب نصیر الدین نیز چراغ دہلی ہے آپ کے آباؤ اجداد کا وطن خراسان تھا۔ آپ کے دادا شیخ عبداللطیف یزدی خراسان سے لاہور آ کر اقامت پزیر ہوئے آپ کے والد شیخ محمود بکچی کی پیدائش بھی لاہور ہی کی ہے، بعد میں اودھ (کھننؤ) منتقل ہوئے۔ ان کی پشیندگی تجارت تھی اور صاحب ثروت و حیثیت آدمی تھے۔

حضرت خواجہ کی ولادت کھننؤ اودھ میں ہوئی، بعض سوانح نگار آپ کا مقام پیدائش اجودھیا اور بعض بارہ بنگلہ بھی قرار دیتے ہیں، بسا آپ حنفی سید ہیں۔

ابھی نو سال کے تھے کہ والد ماجد کی وفات ہوئی، والدہ محترمہ عابدہ زابدہ اور پرہیزگار خاتون تھیں انہوں نے ہی آپ کی تعلیم و تربیت کا فریضہ ادا کیا، والدہ کی تربیت کے اثر سے بچپن میں ہی نیکی اور خدا طلبی کا جذبہ طبعیت کا حصہ بن گیا اور نماز باجماعت کے پابند ہو گئے جس میں کسی حال میں کوتاہی نہ ہوتی تھی، تعلیم کے سلسلہ میں ایک روایت کے مطابق ابتداء میں قاضی محی الدین کاشانی سے فقہ کی کتاب یزدوی پڑھی، دوسری روایت کے مطابق مولانا عبدالکریم شیروانی سے حدیث اور یزدوی پڑھی ان کے بعد مولانا افتخار الدین محمد گیلانی سے باقی تمام علوم مرہجہ کی تعلیم حاصل کی۔

## کسب فیض باطنی

جب عمر ۲۵ سال ہوئی تو تذکیہ نفس اور مقامات سلوک طے کرنے کی غرض سے خلوت اور تجرید

اختیاری، علاقائی اور میل جول سے یکسو ہو کر صحراء میں وقت گزارتے، ہر ماہ ایک اور مخلص ریفی بھی تھے، اس صحراوردی میں آٹھ سال گزارے، اس دوران قنارہ باجماعت کا اہتمام کرتے اور کثرت سے روزہ رکھتے۔ معمولی ساگ پات سے انظار کرتے۔

۴۳ سال کی عمر میں سلطان الادلیا حضرت نظام الدین علیہ الرحمہ کی خدمت میں پہنچے اور شرف بیعت و ارادت سے مشرف ہوئے۔

مرشد شیخ نظام الدین کو آپ سے بڑی مناسبت ہوگئی اور آپ کو بھی مرشد سے غیر معمولی شغف اور انس تھا۔

مرشد کی صحبت سے محبت الہی کی دل میں دبی چنگاری شعلہ جوالہ بن گئی، پورے دل و جان سے مرشد کی خدمت میں بخت گئے، مرشد کے ساتھ شیفٹنگی، محبت اور عظمت و عقیدت کے واقعات ان قدوسی صفات ہستیوں کے بڑے عجیب و غریب، متاثر کن اور قابل رشک ہوا کرتے ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ اللہ چارک و تعالیٰ کے ساتھ محبت و تعلق اور اس طرح شیخ و مرشد کے ساتھ محبت اور ان کی خدمت و احترام کے جو واقعات ان لوگوں کے محفل ہیں، بڑے متاثر کن ہوتے ہیں، اور جذب و شوق کے عالم کیف و سرور کا پتہ دیتے ہیں، اس کا کچھ اندازہ وہی کر سکتا ہے جس کے دل کو لگی ہو۔

لیکن ہاں ہم بزرگ جاوہ شریعت سے ایک قدم باہر نہ نکالتے تھے، بلکہ شریعت و طریقت کے جامع ہوتے تھے، جاہل، جاہل، اور ہوا پرست، مبتدعین جن کی اس زمانہ میں بہت کثرت ہے ان پر ان کو قیاس نہ کرنا چاہئے، یہ تصوف کی بعض اصطلاحات کی آڑ لے کر شریعت کو باز پچا اطفال بنائے ہوئے ہیں اور بزرگوں کے نام پر انہوں نے مگر اسی اور نفس پرستی کا دھندہ چلایا ہوا ہے بقول کے ع

دافوں کے تصرف میں ہیں عطاہوں کے نفیس

ان بزرگوں نے شریعت و طریقت دونوں کو ہم آغوش رکھا اور ایسا کیوں نہ ہو جبکہ طریقت

شریعت سے الگ کوئی چیز نہیں نہ شریعت سے تجاوز و متصادم ہے بلکہ احکام شرع پر دل و جان سے فدا ہونے اور اجازت سنت کو اپنی طبیعت ثانیہ بنانے کی بچی طلب و تڑپ اور اس کی مسلسل و دائمی مشق ہی طریقت سے عبارت ہے، اس راہ کے بزرگوں کی یہ شان ہے۔

در کے جام شریعت در کے سندان مشق  
ہر ہوشا کے کھاد اند جام و سندان ہاتھن

## ریاضت و مجاہدات

بیعت کے بعد حسب ارشاد مرشد خوب خوب ریاضتیں اور مجاہدات آپ نے کئے، فقر و فاقوں سے گزرے، مرشد کی ایک زمانہ تک صحبت اٹھانے کے بعد جب گھرا آئے تو یہاں لوگوں کے میل ملاقات اور اخلاط سے بہت گھبراتے اور اس وجہ سے عبارت کے لئے آپ کی یکسوئی اور غلوں میں بہت غفلت پڑتا جس سے سخت تنگ دل ہوتے، خواہا میر خسرو علیہ الرحمہ جو آپ کے بڑ بھائی تھے ان کے ذریعے مرشد سے جنگل و بیابان میں قیام کرنے کی اجازت چاہی لیکن مرشد نے اجازت نہ دی، فرمایا کہ آپ کے مناسب حال یہی ہے کہ غلط خدا کے درمیان رہیں، ان کی جفاؤں اور ایذاؤں پہ صبر کرتے رہیں اور اصلاح و ارشاد کا کام کرتے رہیں، یہ انبیاء و اولیاء کا مقام ہے۔

والدہ کی وفات کے بعد وطن سے سکونت ترک کر کے مستقل دہلی میں ہی مقیم ہوئے اور مرشد کے خاص مجرہ میں قیام رکھا، مرشد کی صحبت میں فقر، صبر، تسلیم و رضا و غیرہ تمام درویشانہ صفات اپنے اندر خوب خوب راسخ کیں اور اپنے مرشد حضرت نظام الدین اولیاء علیہ الرحمہ کے خلفاء میں ممتاز مقام کو پہنچے حتیٰ کہ مرشد کے باقی خلفاء اپنے مرشد اور ان کے بعد آپ کی ذات پر فخر کرتے تھے۔

## مرشد کی جانشینی

جب آپ کے مرشد حضرت محبوب الہی نظام الدین اولیاء علیہ الرحمہ نے آپ کو اس راہ کی

جملہ خوبیوں اور کمالات سے مزین و موصوف پایا تو دہلی میں اپنا جائزین مقرر فرمایا جو کہ اصل مرکز تھا اور وفات کے وقت وہ امانتیں آپ کے سپرد کر دیں جو سلسلہ کے بزرگوں سے نسل در نسل چلی آ رہی تھیں اور اپنے خواجگان سے حضرت نظام الدین اولیاء رحمہ اللہ کو ملی تھیں یعنی فرقہ، مصافحین وغیرہ۔

## تنگی معاش

جانشینی کے بعد ابتدائی زمانہ بہت تنگی اور فقر و فاقے کا تھا، لیکن اس زمانے کو خود داری، وضع داری، سفید پوشی اور غیرت و حمیت سے گزرا، فرماتے ہیں کہ کوئی دنیا دار مجھ سے ملے آتا تو مرشد کا جبہ پہن کر اس سے ملتا، پھر آثار کر اپنا معمولی لباس پہن لیتا، مرشد کا جبہ پہن کر لوگوں سے اپنا فقر پوشیدہ رکھتا، بعد میں جب فارغ البالی کے حالات آئے تو فقر کے دنوں کو یاد کرتے اور اس کی روحانی لذت سے لطف اندوز ہوتے۔

فرماتے سبحان اللہ یہ فقر بھی کیا نعمت ہے، اس کے اول و آخر دونوں خوب ہیں، وہ کیا عمدہ دن اور پر رونق زمانہ تھا یہ کہہ کر رو پڑتے اور اس ذوق کو تازہ کر لیتے۔  
فارغ البالی کے زمانے میں مہمانوں اور مریدوں کے لئے تو عمدہ کھانوں کا انتظام رکھتے اور خود صائم اللہ ہر تھے، روزہ سے رہتے۔

## رشد و ہدایت

آپ کی خدمت میں اصلاح کرانے اور فیوض حاصل کرنے بعد وہ بیرون ہند مختلف ملکوں اور علاقوں سے طالبین رشد و اصلاح آتے تھے اور فیض یاب ہوتے۔

## چراغ دہلی کی وجہ تسمیہ

آپ کے رشد و ہدایت اور فیوض کی شہرت دنیا میں پھیل گئی تھی۔ حضرت خدام

جہانیاں جہاں گشت علیہ الرحمہ (جن کا نام سید جلال الدین بخاری ہے، مشہور بزرگ ہیں، مکان کے قریب "انج شریف" انہی کے سلسلہ کے بزرگوں سے معمور رہا ہے) مکہ معظمہ تشریف لے گئے وہاں مشہور بزرگ امام عبداللہ یافعی رحمہ اللہ جو مکہ کے شیخ تھے ان سے ایک زمانہ تک تعلیم و تربیت پاتے رہے ایک موقع پر شیخ یافعی نے فرمایا کہ دہلی کے بڑے بڑے مشائخ دنیا سے کوچ کر گئے تاہم ان کی برکت کا اثر شیخ نصیر الدین محمود میں موجود ہے۔ وہ دہلی کے چراغ ہیں۔ ان کی وجہ سے مشائخ کا طرز و طریقہ زندہ ہے۔ والہی پر حضرت مخدوم جہانیاں دہلی تشریف لائے اور آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور شیخ مکہ امام عبداللہ یافعی کا ارشاد بھی آپ سے بیان کیا، اس کے بعد یہ چراغ دہلی کا لقب آپ کے لئے مشہور ہوتا چلا گیا، حتیٰ کہ نام کا جزو بن گیا۔

### قاتلانہ حملہ

ایک روز آپ نماز ظہر کے بعد اپنے حجرہ خاص میں مراقبہ میں مشغول تھے کہ ایک قتلندہ تراب نامی وہاں پہنچا اور آپ پر چھری سے پے در پے وار کئے۔ خون جگر سے باہر بہنے لگا لیکن آپ کے استغراق میں کوئی فرق نہ آیا خون دیکھ کر مریدین حجرہ میں گئے اور قتلندہ کو سزا دینی چاہی لیکن آپ نے ان کو روکا اور اپنے خاص مریدین کو پاس بلا کر قسم دی کہ کوئی شخص ملگ کاویہ اذ نہ پہنچائے پھر قتلندہ سے معذرت کی اور کچھ رقم ہدیہ دے کر اس کو رخصت کیا ان اوصاف کی وجہ سے کہا جاتا ہے کہ چشتیہ سلسلہ میں صبر اور حلیم و رضا کا آپ پر خاتمہ ہو گیا۔

### وصال

اس قاتلانہ حملہ کے بعد بھی تین سال زندہ رہے رشد و ہدایت میں مشغول رہے۔ رمضان المبارک ۷۵۷ھ میں آپ کی وفات ہوئی۔



## حضرت خواجہ صاحب کے ارشادات و واقعات

آپ کی خدمت میں ایک مرتبہ ایک عالم صاحب بیعت ہونے آئے جو علم شرع کی کتابیں احادیث، بزدلی، کشف وغیرہ پڑھ چکے تھے بیعت کے وقت حضرت خواجہ نے فرمایا جب کوئی طریقت (درویشی کی لائن، تصوف) میں داخل ہو تو اس کو چاہئے کہ اپنی آستین چھوٹی کرے، دامن اونچا رکھے اور سر منڈائے، آستین چھوٹی کرنے سے مراد یہ ہے کہ اس نے اپنا ہاتھ کاٹ ڈالا ہے تاکہ اس کو مخلوق کے سامنے نہ پھیلا سکے، دامن اونچا کرنے سے مطلب یہ ہے کہ اس نے اپنا پاؤں کاٹ ڈالا ہے تاکہ کسی ایسی جگہ نہ جا سکے جو نہی ہو یعنی گناہ کے موقعہ سے بچے۔ سر منڈانے کے یہ معنی ہیں کہ راج حق میں اس نے سر کاٹ ڈالا ہے، کوئی عمل خلاف شرع اس سے صادر نہ ہو (یعنی شریعت کے آگے پوری طرح سر تسلیم خم کر لیا ہے)

ایک مرتبہ ایک اور عالم صاحب حاضر خدمت ہوئے، حضرت خواجہ نے پوچھا کہ کہاں سے آئے ہو؟ جواب دیا کہ موضع سہانے سے، کہ وہاں کے اکثر لوگ آپ کے مرید ہیں اور وہاں کی عورتیں بھی بیعت و ارادت کا تعلق یہیں سے رکھتی ہیں اور وہ عورتیں مردوں سے زیادہ باعمل اور نیک ہیں، خواجہ نے پوچھا کہ کیا شغل رکھتے ہو؟ جواب دیا کہ بچوں کو تعلیم دیتا ہوں، فرمایا یہ حمد و کام ہے۔ مطالعہ کتب میں مشغول رہنا اور دوسروں کو قرآن مجید پڑھانا اچھی بات ہے لیکن جو دوسروں کو کلام مجید پڑھائے اسے ہمیشہ با وضو رہنا چاہئے۔

ایک مرتبہ ایک بی بی حاضر ہوئیں اور مرید ہونے کی درخواست کی، خواجہ نے پانی کا ایک کوزہ منگوایا اس کو اپنے سامنے رکھ کر کچھ پڑھا، پھر اس میں اپنی انکشید شہادت ڈیوٹی اور اس شخص کو کوزہ دے کر کہا کہ اس کو خاتون کے پاس لے جاؤ، ان سے سلام کہنا اور کہنا کہ اپنی شہادت دہلی انگلی پانی میں ڈال کر کہے میں فلاں کی مرید ہوئی، ساتھ ساتھ یہ بھی کہلا بھیجا کہ برابر نماز پڑھتی رہیں اور ایام حیض (چاند کی تیرہویں، چودھویں، پندرہویں تاریخیں) کہ ان تاریخوں

میں روزے رکھنا سنت عمل ہے) کے روزے رکھیں، مگر کے نو کروں چا کروں کو نہ ستائیں، نہ ماریں چٹیں اور اپنوں اور بیگانوں سے اچھے اخلاق سے ملتی رہیں۔

ایک مرتبہ ایک کاشت کار خدمت میں حاضر ہوا، حضرت خواجہ نے پوچھا کیا کب کرتے ہو؟ جواب دیا کہ بھتیجی ہاڑی کرتا ہوں، فرمایا بھتیجی ہاڑی سے حاصل ہونے والا لقمہ اچھا لقمہ ہے۔ اور بہت سے کاشت کار صاحب حال گزرے ہیں، پھر ایک کاشت کار کا حال سنایا جس میں یہ فصیحت کی بات تھی کہ زمین بوجہ وقت دل شا کر اور زبان ذاکر ہوتی چاہئے، پھر فرمایا کہ کوئی کام بغیر نیک نیت کے کرنا صحیح نہیں اگر کوئی اس نیت سے نماز پڑھے کہ لوگ اس کو دیکھ کر نمازی کہیں تو اس کی نماز روا نہیں اور بعض کے نزدیک وہ کافر ہو جاتا ہے کہ اس نے عبادت الہی میں اور کو بھی شریک کیا۔

خواجہ نے ایک مجلس میں نماز کے متعلق فرمایا کہ اسے حضور قلب کے ساتھ پڑھا جائے، نماز کے وقت اعضا کا قبلہ کعبہ شریف ہوتا ہے، اگر اعضاء اس طرف نہ ہوں تو نماز درست نہیں ہوتی اسی طرح دل کا کعبہ ذات پاک خدا تعالیٰ ہے اگر دل اپنے قبلہ سے بھر جائے تو پھر یہ کیسی نماز ہوگی۔

سرکاری کارندے، شاہی ملازمین بھی حضرت خواجہ کی مجالس میں آتے تھے ان میں سے جس میں سچی طلب دیکھتے اس کی اصلاح سے دریغ نہیں فرماتے تھے ایک سید مرید ہونے آیا جو دربار کے فتنی اور صاحب قلم لوگوں میں سے تھا، حضرت خواجہ نے اس کو مرید کیا اور فرمایا نماز باجماعت پڑھا کر، جمعہ کی نماز فوت نہ ہو۔ امام بیض کے روزوں کا اختیار کرو، جو شخص امام بیض کے روزے رکھتا ہے اس کی روزی بڑھتی ہے، میری اور مریدوں کو بھی یہ وصیت ہے کہ جو کام اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے منع کیا ہے وہ نہ کریں، پھر فرمایا دنیا کی دولت میں بے ثباتی ہے تم یہ خیال کر لو کہ تمہارے گھوڑے، خد حکم رہتمہارے درہم و دینار، یہ سارا کچھ ایک دن چھوٹ جائے گا پھر چھوٹنے والی چیزوں کا فکر اور غم کرتا بے فائدہ ہے، فکر اور غم اس چیز کا

کرنا چاہئے جو ہمیشہ باقی رہے گی، غور سے دیکھو ہمارے سامنے کتنے تھے اور کتنے چلے گئے  
آخر ہم سے پہلے تھے اور ہم سے پہلے چل دیئے پھر اس سید سے پوچھا کہ کیا کرتے ہو،  
جواب دیا قرآن مجید پڑھانا ہوں۔

سید کے ایک ساتھی نے کہا کہ یہ حافظ ہیں اور ان کے والد بھی حافظ اور صالح بزرگ تھے،  
حضرت خواجہ نے فرمایا اگر کوئی گھریا راہ میں رات دن قرآن پڑھتا رہے اور اللہ کے ذکر میں  
مشغول رہے تو اس کے لئے نو کری حجاب نہیں دھونی ہے اور اس کے بعد شیخ سعدی کا یہ شعر  
پڑھا:۔

مرا وطن طریقت لباس کا ہر نیست کمر بند مہر سلطان بہ بند صوفی ہاں  
ایک فوجی اہلکار (فکری) آیا تو اس سے فرمایا، اگر طلب دنیا میں نیست اچھی ہو تو در حقیقت  
طلب آخرت ہے۔

حضرت خواجہ اپنی مجلسوں میں زیادہ تر کلام پاک اور احادیث نبوی کی تعلیمات پر گفتگو فرمایا  
کرتے تھے، ایک موقع پر فرمایا کہ لوگوں نے قرآن وحدیث کو چھوڑ دیا ہے، اس پر عمل  
نہیں کرتے اس لئے خراب و پریشان ہیں اور بار بار یہ بات دہرائی کہ حضور نبی کریم صلی اللہ  
علیہ وسلم سے جو قول و فعل صادر ہوا وہ اطاعت کے لائق ہے، فرمایا ایک مسلمان کے ایمان کی  
بنیاد صرف دو چیزوں پر ہے جو اللہ و رسول نے فرمایا ہے اس کی اطاعت کرے اور جس سے منع  
فرمایا ہے اس سے رک جائے۔

تاکر نماز کے متعلق مریدوں کو ہدایت کی کہ اگر وہ محفل میں آکر بیٹھے تو اس کی تعظیم نہ کریں  
اور سلام کے جواب میں ”علیک“ نہ کہیں تاکہ اس کی اہانت ہو اور وہ شرمائے۔

ایک مرتبہ شیخ برہان الدین غریب کے مکان میں سماع کی محفل منعقد تھی اور حوا میر بھی تھے  
حضرت خواجہ مجلس سے اٹھ کھڑے ہوئے اور اپنے مکان پر آ گئے، کسی نے کہا کہ آپ اپنے  
ہجر کے طریقہ سے پھر گئے تو فرمایا کہ یہ کوئی دلیل نہیں، یہ خبر مرشد نظام الدین اولیاء کو پہنچی تو

مرشد نے فرمایا کہ انہوں نے بہت اچھا کیا اور حق ان کی جانب ہے۔ آپ نے فرمایا کہ جو حرامیر سے گاہو ہماری نیست اور مریدی سے خارج ہو جائے گا۔

خیر الہامس جو آپ کے ملفوظات وارشادات کا مجموعہ ہے۔ اے اس میں آپ کا یہ سنہری ملفوظ بھی درج ہے جس پر بڑے بڑے محقق علماء و فقہاء سر دھلتے ہیں ملفوظ ملاحظہ ہو۔

عزیزے در خدمت شیخ نصیر الدین محمود درآ خداؤ غاذ کرو کہ کھاروا باشند کہ حرامیر در جمع باشند و دف دنائے در باب۔ وصوفیاں رقص کنند؟

خوبہ فرمودند کہ حرامیر باجماع مباح نیست اگر کیے از طریقیت حجتہ ہارے در شریعت باشند، اگر شریعت ہم حجتہ کھارو، اول در سماع اختلاف است، نزدیک علماء باچندیں شرائط مباح اہل آں رالما حرامیر باجماع حرام است (آپ ۱۰۳) ترجمہ: ایک عزیز حضرت خوبہ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہنے لگے کہ یہ بات کہاں جائز ہے کہ حرامیر اور دف اور بانسری اور رباب یہ سب موجود ہوں اور صوفی رقص کریں؟ خوبہ نے فرمایا کہ حرامیر باجماع (امت) جائز نہیں (حرام ہیں) اگر کوئی تصوف و طریقت (کے خاص مشرب) سے گربھی جائے تو شریعت میں تو رہے گا (یعنی مسلمانی سے تو خارج نہ ہوگا) لیکن اگر شریعت سے بھی گر جائے گا (فطری حرام چیز کو قولا یا عملا حلال کر کے دین کے دائرہ سے خارج ہو جائے) تو پھر کہاں جائے گا؟

اول تو سماع میں (علمائے امت کا) اختلاف ہے، (بعض) علماء کے نزدیک مخصوص شرائط کے ساتھ خاص اہلیت والوں کے لئے مباح ہے، لیکن حرامیر کی حرمت تو بالاحقاق اور

اے حضرت خوبہ کے ملفوظات کے کئی نمونے ہیں جن میں سے خیر الہامس زیادہ معروف ہے اس کے سوا آپ کے حاضر باش مرید مولانا سعید نامی ہیں۔ نہ نکلر مضمون میں بھی دیگر ملفوظات خیر الہامس ہی سے ماخوذ ہیں جنہاں صوفیہ شریعت و طریقت اور آپ کوڑ کے حوالے سے لکھے ہیں۔ آمین

بالاجماع ہے۔

غیر الجالس کے مرتب مولانا حمید شاعر کو ایک روز مخاطب کر کے فرمایا اب مجھ کو خلوت میں عبادت کرنے کی فرصت نہیں ملتی، دن بھر اللہ کی مخلوق کے ساتھ رہتا ہوں، اکثر قیلولہ بھی میسر نہیں آتا، قیلولہ کرنا چاہتا ہوں تو لوگ آ کر چکا دیتے ہیں کہ فلاں آیا ہے، تم لوگوں کو فرصت ہے، عبادت میں مشغول رہو، مولانا حمید شاعر نے یہ سن کر عرض کیا کہ اگر چہ آنحضور کا ظاہر خلق خدا سے مشغول معلوم ہوتا ہے لیکن باطن شریف ہمیشہ حق کے ساتھ مشغول رہتا ہے۔

خواب نے فرمایا رات کو الہتہ کچھ ذکر یا غلیلہ ہو جاتا ہے لیکن دن میں کچھ نہیں ہوتا پھر بھی عملیت ربانی سے ناامید نہیں ہوں یہ بات فرما کر نہایت شکستہ دلی سے رونے لگے اور یہ شعر زبان پر جاری ہوا۔

ایں دلوجی کہ درجہ اخلاص نام  
تو امید نیم کہ بُرے برآمد روزے

حضرت خواب کی ذات باہرکات سے فیوض و برکات کا چشمہ برابر بہتا رہا پھر بھی فرمایا کرتے تھے کہ میں کس لائق ہوں کہ شیخ ہوں، اب یہ کام بچوں کا کھیل ہو گیا (یعنی تصوف جو خالص اصلاح، تزکیہ نفوس اور تعمیر انسانیت کا شعبہ ہے اس میں نااہل و جاہل گھس آئے ہیں) پھر شاعری رحمہ اللہ کا یہ شعر پڑھتے۔

مسلماناں مسلماناں، مسلماناں مسلماناں  
ازیں آئین بیدیاں پشیمانی، پشیمانی

## اشاعت اسلام میں آپ کا اور آپ کے خلفاء کا حصہ

تاریخ میں برصغیر کی اسلامی سلطنتوں میں سے خاندان قطلق اور خاندان سادات کے عہد حکومت (آٹھویں اور نویں صدی ہجری نصف تک) میں حضرت چراغ دلی رحمہ اللہ اور آپ کے خلفاء و متوسلین سب سے زیادہ ممتاز، مقبول اور دین کی اشاعت اور علم شریعت کی ترویج میں سب سے پیش پیش نظر آتے ہیں۔

فیروز شاہی دور میں تین علماء معروف و ممتاز ہوئے ہیں مولانا احمد قاضی شہری، مولانا خواجگی اور قاضی عبدالقادر دہلوی عظیم الحرمہ اور یہ تینوں بزرگ حضرت خواجہ چراغ دہلی کے ممتاز خلفاء تھے۔

حیدر آباد کن میں حضرت خواجہ بندہ گیر دور از رحمۃ اللہ علیہ (گلبرگ شریف والے) ارشد و ہدایت کے اقی پر آفتاب بن کر چمکدہ بھی حضرت چراغ دہلی رحمہ اللہ کے سب سے ممتاز اور خاص خلیفہ ہیں۔ گجرات میں آپ نے اپنے بھانجے شیخ الاسلام سراج الدین کو ارشد و ہدایت کی ذمہ داری سونپ کر بھیجا انہوں نے اور ان کے جانشینوں نے گجرات میں اشاعت اسلام اور اصلاح خلق کا وسیع کام کیا۔ گجرات کے سابق دارالحکومت نہروالہ (جن) میں ان کے خلیفہ کا حراز ہے۔

مظفیہ عہد سے پہلے قریبی زمانے میں قاضی شہاب الدین دولت آبادی سب سے نامور اور بھری عالم ہوئے ہیں جن کو ملک العلماء کا خطاب حاصل ہوا اور جو پندرہ کی طبعی مجالس نے آپ کے دم قدم سے وہ رونق اور حسن قبولیت پائی کہ شہر جو پندرہ دہلی سمیت ہندوستان کے سب شہروں سے طبعی شہرت میں بازی لے گیا یہ قاضی شہاب الدین مولانا خواجگی اور قاضی عبدالقادر عظیم الحرمہ سے فیض یافتہ تھے جو حضرت خواجہ کے خلفاء تھے۔

وفات کا وقت جب قریب ہوا تو آپ کے خادم خاص زین الدین علی نے عرض کیا کہ آپ کے اچھے عظیم المرتبت خلفاء و مرید ہیں ان میں سے کسی کو جانشین نامزد فرمائیں تاکہ سلسلہ کا فیض اسی طرح جاری رہے اور خلفاء کی فہرست بھی آپ کے سامنے پیش کی لیکن آپ نے فرمایا مولانا زین الدین ان لوگوں کو اپنے ایمان کا غم کھانا چاہئے اس کی کہاں گنجائش ہے کہ یہ لوگ دوسروں کا بوجھ بن جائیں۔ شاید آپ نظر بصیرت سے اس امر کو بھانپ گئے تھے کہ آئندہ الگ الگ صوبہ جاتی اور علاقائی خانوادوں اور خانقاہوں کا سلسلہ چلے گا۔ خواجہ معین الدین چشتی علیہ الرحمہ کی آمد کے بعد ہندوستان میں مسلمانوں کے سیاسی اور روحانی دونوں

اقتدار سے دلی کو مرکز بنا کر دو دھارے بہنا شروع ہوئے تھے، سیاسی اقتدار سے مسلمان سلطانین نے دلی کو مرکز بنا کر اسلامی سلطنت کو اطراف و جوارب میں وسعت دی تو روحانی اقتدار سے بھی اس تمام عرصہ میں خواجہ معین الدین چشتی اجمیری، خواجہ غفیار کاکی، خواجہ نظام الدین اولیاء، خواجہ چراغ دہلی رحمہم اللہ یکے بعد دیگرے دلی کو مرکز بنا کر پورے برصغیر بلکہ برصغیر کے باہر بھی ارشاد و اہیت کا فیض بانٹتے رہے۔

آٹھویں صدی ہجری قمری ہوتے ہوئے یہ دونوں سیاسی روحانی سطیے مرکزیت سے علاقائیت کی صورت اختیار کر گئے چنانچہ آٹھویں صدی ہجری کے ختم پر دلی کو تیمور لنگ کی طغارا کا سامنا کرنا پڑا جس نے دلی کی عظمت خاک میں ملا دی، اس کے جانے کے بعد خاندانی سادات وغیرہ کی جو حکومتیں قائم ہوئیں، وہ دلی کے قرب و جوار تک محدود ہو کر رہ گئی تھیں۔ ہندوستان کے وسیع و عریض صوبوں میں خود مختار حکومتیں قائم ہو گئی تھیں گجرات، جونپور، بنگال، مالوہ وغیرہ خود مختار ریاستیں بن گئی تھیں (بعد میں ہند مغلیہ میں پھر ہندوستان کو ایک منظم و مربوط مرکزی حکومت ميسر آئی) روحانی اقتدار سے خواجہ چراغ دہلی دلی کی مرکزیت کے آخری روحانی تاجدار تھے۔ آگے صوبہ جاتی خانقاہوں اور اصلاحی سلسلوں کا دور ہے۔ اور پھر آہستہ آہستہ ان سلسلوں میں مزید وسعت اور تنوع بھی آتا گیا۔ اور ان سے شاخ و در شاخ ہو کر دیگر مختلف ذیلی سطیے بھی قائم ہوتے چلے گئے۔

افخائے کچھ ورق لاا نے، کچھ زمس نے، کچھ گل نے  
چمن میں ہر طرف بکھری ہوئی ہے داستان میری  
اڑائی قریوں نے طویلوں نے، عندلیبوں نے  
چمن والوں نے مل کر لوٹ لی طرز فغاں میری

## (باب ششم)

## حضرت سلطان باہو رحمہ اللہ اور آپ کا عارفانہ کلام

## وطن، نام و نسب، تعلیم

سلطان باہو رحمہ اللہ 1093ھ میں شورکوٹ ضلع جھنگ میں پیدا ہوئے، آپ کے والد کا نام سلطان بایزید تھا، جو نیک صالح بزرگ قرآن پاک کے حافظ اور عالم دین شخصیت ہونے کے ساتھ ساتھ مغل شاہجہان کی طرف سے قلعہ شورکوٹ کے قلعہ دار تھے، آپ کے آباؤ اجداد ابتدائی عہد اسلامی میں ہی عرب سے نقل مکانی کر کے برصغیر میں آئے تھے، آپ نسب کے لحاظ سے اموان تھے، آپ کا خاندان جھنگ سے پہلے چنڈ واڈخان (جہلم) میں بھی آباد رہا، ان علاقوں میں اسلام کی تبلیغ و اشاعت میں آپ کے بڑوں کی کافی خدمات ہیں، بہت سے ہندو لوگ آپ کے بزرگوں کے ہاتھ پر مشرف بہ اسلام ہوئے، یہ ہندوستان میں مظہرِ سلطین کا عہد حکومت تھا، شاہجہان بادشاہ آپ کے والد محترم کی قدر و منزلت کرتا تھا اور انہیں گنہ گزر کے لیے جاگیر بھی دے رکھی تھی، سلوک و طریقت کی تعلیم و تربیت میں آپ کے مرشد و مربی حبیب اللہ قادری نامی بزرگ ہیں، جنہوں نے آپ کی باطنی تربیت خود بھی کی اور بعد میں اپنے استاد پیر عبدالرحمان قادری رحمہ اللہ کی خدمت میں بھی آپ کو بھیجا۔

## دینی خدمات، ازواج و اولاد

آپ کی سوانح میں آپ کی چار شادیاں کا ذکر ملتا ہے، جن سے آٹھ اولادیں ہوئیں، تصوف و طریقت کے باب میں آپ کی تصنیفی خدمات بھی بہت زیادہ ہیں، عربی فارسی میں آپ نے مسائل تصوف پر متعدد رسالے اور کتب لکھیں، جن میں سے چند مشہور یہ ہیں، شمس العارفین،



مشائخ العارفین، محکم الفقہاء، بین الفقہاء و علما باہر۔

بخاری زبان میں مسائل سلوک پر آپ کا منظوم کلام ”ایات باہر“ کے نام سے ہے، آپ کی بخاری ایات عام طور پر مشہور ہیں اور بڑی مؤثر ہیں، ان میں شریعت کے اسرار و رموز، اصلاح و تزکیہ، توحید باری تعالیٰ، حقیقی دینی علم و علماء اور فقر و فقہاء میں امتیاز و تفرق کی نشاندہی، دینی صوفیاء و علماء پر اظہارِ ناپسندیدگی اور ان کی رسم پرستیوں پر تنقید، اصلاح کے باب میں مرہبہ کامل کی صحبت و اتباع کی ضرورت و اہمیت اور کامل مرشد کی مدح و ستائش وغیرہ مضامین آپ کے بخاری ایات میں جا بجا ملتے ہیں، ۱۱۰۲ھ میں عمر ۶۳ سال آپ کی وفات ہوئی، آپ کی ابتداء میں تدفین ایک اور مقام پر ہوئی تھی، ۱۱۹۰ھ ۵۷۷ء میں آپ کو موجودہ مقام پر منتقل کیا گیا۔

## ایات باہر سے کچھ نمونہ کلام

دل میں آپ کے نور و دل آویز بخاری ایات سے انتخاب اردو ترجمہ و تخریج کے ساتھ پیش کیا جاتا ہے:



اللہ پڑھیوں پڑھ حافظ صویں نہ گیا تجاہوں پر دامن

پڑھ پڑھ عالم حافظ ہو یوں بھی، طالب ہو یوں زرد دامن

سے ہزار کتاباں پڑھیاں، پر عالم نفس نہ مرد دامن

باہر فقیراں کسے نہ مار یا، باہر ایہو چور اندر دامن

مطلب..... تو نے اللہ کا بہت کچھ ورد اور وطنہ کیا، حتیٰ کہ اللہ کا کلام بھی حفظ کر لیا، پھر بھی

روح منور نہ ہوئی، اللہ سے اجنبیت کا تھاپ دور نہ ہوا، علوم ظاہری پڑھ لکھ کر بڑا عالم اور

سکا ل بھی بن گیا، لیکن ان علوم کے نتیجے میں خدا ظنی اور معرفت الہی حاصل ہونے کی بجائے

دنیا کے مال و منال ہی کا طلبگار بنا، پیچکڑوں ہزاروں علوم و فنون کی کتابیں تو نے کھنگال ڈالیں، حقیق و نہ قیق میں بازی لے گیا، لیکن تیرا نفس امارہ اُسی طرح بے قابو و بے لگام ہے، یہ ظالم نفس جو آستین کا ساپ اور اندر چھپا ہوا چور ہے، اسے اللہ والے سائلین و درویشوں کے علاوہ کوئی نہ مار سکا، نہ قاتل ہو کر سکا۔

﴿۲﴾

ایسہ تیرا رب ہے دا بھرا، دوج پانگیر اجمہاتی عو

نہ کر منت خواج غفردی، حیرے اندر آب حیات عو

شوق وادیر اہال میرے متاں لہسی دست گمراہی عو

مرن جیس اگے مر رہے باہو، جنہاں حق دی رمز پچھاتی عو

مطلب..... یہ جسم (انسانی) اللہ تعالیٰ کی جائے قیام (حقّی گاہ) ہے، اسے درویش ذرا اس میں جھانک کے دیکھ (خلوت گزریں ہو کر ذکر و فکر اور مراقبہ کر، اللہ کی تجلیوں کو اپنے من میں، اپنے دل کی گہرائیوں میں پائے گا)

تو آب حیات پانے کے لیے خواہ غفر کی تلاش میں کہاں مارے مارے بھرتا ہے، اصل آب حیات (مبت الہی اور شوق آخرت کا چشمہ) تو حیرے اندر ہے، حیرے من کی گہرائیوں سے پھوٹتا ہے۔

اپنے من کی تاریکیوں میں اللہ کی محبت اور شوق طاقت کا دیار روشن کر، شانہ حیرتی متاعِ گم گشتہ تجھے ہاتھ لگے اور کھویا ہوا خزانہ مل جائے (معرفت و محبت الہی کی دولت جو روح انسانی کے خیر میں گنبدھی ہوئی ہے اور انسانی روح جب تک اسے نہ پالے اسے لیکن نہیں آسکتا) ۱۳۱

بذکر اللہ تطمئن القلوب“ (

جو طالعین راہِ حق اور واسطین، بارگاہِ حق کی رمز (اللہ کی معرفت کے راز) کو پالیں وہ جیسے جی مر جاتے ہیں، مرنے سے پہلے مردوں کی طرح ہو جاتے ہیں، یعنی ان کا نفس امارہ، نفس

مطمئن بن جاتا ہے، نفس کی انسانییت و شرارت ختم ہو جاتی ہے وہ دنیا میں رہتے ہوئے بھی دنیا سے جی نہیں لگاتے، مرنے کے بعد کی حیات جاودانی اور اللہ کے ساتھ ملاقات کی امید و آرزو کا ایک نثر سرائی پر چھایا رہتا ہے۔ ۱۔

### ﴿ ۲ ﴾

جے رب جلد انتہا تیاں دھو تیاں، تاں جلد اوڈواں بھیاں کھو

جے رب جلد المیاں دلاں، تاں جلد اٹھینڈاں سسیاں کھو

جے رب راتیں جاگیاں جلد انتاں جلد اکال کڑ چھیاں کھو

جے رب جلد ایتیاں ستیاں، تاں جلد ادانتاں نصیاں کھو

اے نا بھگس رب حاصل ناپیں، پھر رب جلد اولہا چھیاں کھو

مطلب..... اگر اللہ تعالیٰ صرف نہانے دھونے سے ملتا تو سینہ کون اور پھلیوں کو ملتا، مگر رب تعالیٰ لمبے بال رکھنے سے ملتا، تو پھر بھیلڑوں اور دنیوں کو مل جاتا، اگر اللہ تعالیٰ شخص رات بھر جاگنے سے ملتا، تو کال کڑ بھی (ایک پرندہ کا نام جو شب بیدار ہوتی ہے) کو مل جاتا۔

۱۔ اس مفہوم کا کام دوسرے صاحبِ دل ماسٹرنس کے ہاں بھی بکثرت ملتا ہے۔ مثلاً مرزا یوں کا شعر۔

چہ چشم است کہ ہوسے کھد چہ سرور دشمن دہا تو دلچہ کم نہ دہا دہا دہا دل کتا چہ جان دہا

کیا ہم بے کوفہ دنیا کی دلچسپیوں اور باغ و بہار کی دھڑکیوں میں کھو گیا، مادہ نگار تو دلچہ کی غفلت سے کم کھو ہوا نہیں، اپنے دل کا دروازہ کھول اور جان کی دہا میں پہنچا، دہا کے جسے لوت، میرے ساتھ ایک سدا بہار زمین کھلا ہوا ہے۔

خانہ مانتہ کی غزل کا یہ شعر بھی اسی قبیل سے ہے:

چہ خوش است ہاتھ سے منہ ساز کردن در قاتلہ کردن سر شیشہ ساز کردن

میرے ساتھ نہانی میں منہ ساز کیا ہے، کیفِ گل ہے، جب کرنے کا دروازہ نہ کر دیا جائے اور گل کا شکن کھل نہ دیا جائے۔

درداں نہ کرنے سے مراد مکمل غفلت، گزنی اور دل و دماغ کی یکسوئی ہے اور گل کا شکن کھلنے سے مراد دل میں دلی ہوئی شوق و دلچسپی کی آگ ہے، جدا بے حسب حال مواقع پر پرکاری پکڑی اور شراب دہا ہوتی ہے، اولیاءِ اللہ کی جذب و کیف

کی حالتیں، جب و دلچسپی کی عالم کی دہا و نہا جات، افسانہ دہا جات اور حقیقتات اسی روحانی شرب اور کن کی سر مستیوں و

دہا کیوں کا شمار ہوتی ہیں، جو سکون کے دل کی دہا و دل دہا جی ہیں۔ اقبال کا یہ شعر بھی اسی قبیل سے ہے:

اپنے کن میں دہا رب کا پاسراں دہا کی میرا نہیں دہا کن دہا دہا کن

اگر صرف مجرد اور چھڑا رہنے سے رب ملتا تو شخصی بیلوں کو مل جاتا، محض ان مذکورہ چیزوں سے اللہ کا قرب و معرفت ہاتھ نہیں آتی جب تک باطن کی اصلاح نہ ہو اور دل کی حالت سدھراور سنور نہ جائے۔

﴿ ۴ ﴾

جس دل اسم اللہ اپنے عشق بھی کر دیتے تھو

بھار کستوری دے چھپدے نائیں، بھانویں رکھے سو پتے تھو  
انگیں چھپے نہ نائیں چھپدے، دریا نہیں رہندے خطے تھو

آئیں او سے وحی ادہ آساں وحی باصو، یاراں یار سولے تھو ۱  
مطلب۔۔۔ جس دل میں اللہ کا نام چکے وہاں محبت بھی موجزن ہوتی ہے خوب جوش مارتی ہے، جہاں کستوری (حقیقی خوشبو) کے ذخیرے اور ذخیرہ لگے ہوں وہ سو پروں میں چھپانے سے نہیں بچتی (بلکہ خوشبو پھلتی ہے) انگی کے پیچھے سو وحی نہیں چھپ سکتا اور دریا روکنے سے نہیں رکھتے۔  
یا ہوا ہمیں وصال یار کا مقام حاصل ہو گیا، محبوب حقیقی سے ہمارا سچا تعلق ہو گیا، اب ہمیں یار سے قرب ہی قرب حاصل ہے، حاصل یہ کہ جس کو اللہ تعالیٰ سے سچا تعلق اور قرب حاصل ہو جائے وہ کتنا ہی گناہ کرے، مخلوق پر اس کا رجحان ظاہر ہو کر رہتا ہے۔

﴿ ۵ ﴾

دل دریا سندروں ڈو گئے کون دلاں دیاں جانے تھو

وچے جڑے وچے تھیرے، وچے وچھ مہانے تھو  
چوواں طبق دلے دے اندر، تنہوا انگوں تانے تھو

جھول دا محرم ہووے یا ہو، سوئی رب پہچانے تھو

۱۔ اس غزل مصرعے کا مضمون ہماری کہ اس شعر کے مثل ہے:

میرا شوم تو کس شادی  
میں نہ گھر تو کس شادی

میرا شوم تو کس شادی  
تاکس نہ گھر تو کس شادی

مطلب..... انسان کا دل دریا سمندر سے زیادہ عمیق اور گہرا ہے، کوئی کسی کے دل کا حال نہیں جانتا، دل کے سمندر کے بھی اپنے بیڑے اور طوقان اپنے چپو اور ملاح ہیں، دل کی دسمتوں کا یہ عالم ہے کہ ساتوں زمین ساتوں آسمان اس کی پہنائیوں میں خیمے کی طرح جتے ہوئے ہیں، جو دل کی دسمتوں اور گہرائیوں سے باخبر ہو جائے، روحانی دنیا کا محرم راز بین جائے وہی رب کو پاسکتا ہے، معرفت کے مقام کو پہچان سکتا ہے۔ ۱۔

﴿ ۶ ﴾

پال سسکی سنگ نہ کرے بکل نوں لاج نہ لایے غلو

خٹے، تریوز مول نہ ہوندے، توڑے توڑے کٹے لے جائے غلو  
کا نوں دے بچھنس نہ تصیدے توڑے موتی چوگ چنگا یے غلو

کوڑے کھو نہ مٹھے ہوندے باہو، توڑے سے مٹاں کھنڈ پائے غلو  
مطلب..... کم ظرف اور کج فطرت لوگوں سے سنگت اور دوستی نہ کر، اس کا نتیجہ انجام اچھا نہیں ہوتا، بکل کو تو غلامت اٹھائے گا، بد فطرت و بد خصال لوگوں کی مثال خٹے (حظّل ایک نہایت کڑوا پھل) کی طرح ہے، خٹے کو اگر تم کٹے بھی لے جا کر پھراؤ تو تڑ تڑی رہے گا، تریوز نہ بن جائے گا، اس کے ڈانٹنے کی کڑواہٹ میں کوئی کمی نہ ہوگی، اسی طرح کوڑے کے بچے کو خالص خٹے موتیوں کی چوگ کھلا کر بھی پال پس کر بڑا کرے تو بڑے ہو کر وہ کوڑے ہی بنیں گے، چھنس نہ بن جائیں گے، اسی طرح کھارے پانی والے کنویں میں سنگلوں میں شکر بھی

۱۔ ایک روایت میں ہے "اٹھ قاتی کا زمین و آسمان ساوا نہیں کر سکتے، مومن کا دل نہ کواہتا ہے"  
مولانا دہلوی کے ہاں غوثی شریف میں یہ مضمون ہوں بیان ہوا ہے:

کار فرمائے آسمان جہاں

آسمان ہستہ در اہستہ جہاں

کوہ پائے بلند و صحرائست

در و در پست و بالا است

آسمانے آ آئے دگر بہت

غیب دار سے پادے دگر بہت

یعنی روح اور باطن کی مصلحت کے بھی اپنے آسمان ہیں، جہاں جہاں کے آسمان کی طرح ہی فعال و کار فرما ہیں، روح کے راستے کے بھی اپنے غیب و غور ہیں، بلند و بالا یہ از اور ذلیل و خوار ہیں صحرائیں بھی ہیں، اس بھی عالم کی ہوا، بارش، باران، (موسم) آگ ہیں، وہاں کے ملک و آفتاب و مہتاب اور ہیں۔

اثر مل دی جائے تو اس کا کھارا پن ختم نہ ہوگا۔

﴿۷﴾

نارب مرش معنی آتے ندب خانے کیسے ملو

ندب علم کن میں لہنا ندب و بیغ عرابے ملو

گنگا حیرت میں مول نہ لیا مارے پنڈے بے حسابے ملو

جدو امر شد پلڑیا باحو، چھٹے سب خدا بے ملو

مطلب..... اللہ تعالیٰ نہ صرف مرش معنی پر ہے نہ محض خدا کیسے میں ہے، نہ ہی محض کتابی علم رب سے ملا سکا، نہ عراب میں رب کو پا سکے، نہ ہی گنگا، جتنا کا اشیان کرنے اور حیرت و مستی میں پوجا پاٹ کرنے سے رب کا سراغ ملا، پس جب سے مرشد کامل کا فیض صحبت نصیب ہوا ہے، خدا کے راستے کی سب مشکلات ختم ہو گئیں، اور قرب ربانی کے درجات جلدی جلدی طے ہو گئے، دل میں اخلاص اور صحیح معنوں میں اللہ کی طرف رجوع و اتنا بہت کے بغیر عبادت کی محض رسمیں بجالانے سے اور بغیر روح کے شریعت کی محض ظاہر داری بھانے سے اللہ کے قرب و رضا کا گوہر مقصود ہاتھ نہیں آتا، دل میں اخلاص، ذوق و شوق، رغبت و محبت پیدا ہونے میں اللہ والوں سے تعلق اور ان کی نگرانی میں مجاہدات نفس کے مرطے سے گزر کر باطن کی بری نخصلتیں، ریاء، غفلت وغیرہ دور ہو کر، اس کی جگہ اخلاص، درد، شوق و جذبہ وغیرہ لے لیتی ہیں، جو اللہ والوں سے باطن کی اصلاح کرواتے ہیں، وہ بہت جلدی اللہ کے قرب و رضا کو پا لیتے ہیں:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَكُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ (سورۃ التوبہ: آیت ۱۱۹)

ترجمہ: اے اہل ایمان! اللہ سے ڈرتے رہو اور راستہ بازوں کے ساتھ رہو (ترجمہ)

# حصہ سوم

تذکرہ مولانا رومی، عقلیت پرستی کا بحران اور مثنوی

اللہ والوں کے واقعات

راوی تصوف کی لغزشیں

## (باب اول)

## تذکرہ مولانا رومی کا

(کہتے ہیں چراغِ روا حرام ہے رومی)

## نام و نسب اور وطن

آپ کا نام محمد، لقب جلال الدین ہے، مولوی معنوی، مولائے روم، یا مولانا رومی کے عرف سے مشہور ہیں، والد کا نام شیخ بہاء الدین بن حسین بلخی ہے، محمد خوارزم شاہ (متوفی ۶۱۷ھ) آپ کے نانا تھے۔

سلسلہ نسب حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے جانتا ہے۔

۶۰۳ھ میں بلخ میں (موجودہ افغانستان کا ایک صوبہ) پیدا ہوئے، ابتدائی تعلیم اپنے والد بزرگوار سے حاصل کی، آپ کے والد نے جو خود بہت بڑے صاحبِ نسبت بزرگ اور شیخ تھے، اپنے خاص شاگرد اور مرید مولانا برہان الدین کو مزید تعلیم کے لئے مقرر کیا، انھی سے آپ نے زیادہ تر تعلیم پائی، کسب فیض کیا، اور ان کے زیرِ تربیت رہے، مولائے روم کی عمر جب چھ سال تھی، تو آپ کے والد نے ۶۱۰ھ میں بلخ سے ترک وطن کر کے نیشاپور (ایران) کو وطن بنایا۔ ۱۸ سال کی عمر میں آپ کی شادی ہوئی، اور اسی دوران اپنے والد کے ہمراہ قونیہ (ترکی) منتقل ہوئے، پھر مدتِ العمر یہیں رہے (آپ کا مزار بھی قونیہ میں ہے)

## کسبِ علوم

والد کے انتقال کے بعد ۲۵ سال کی عمر میں مزید علمی پیاس نے شام کے سفر پر آمادہ کیا، جو علوم و فنون کا مرکز تھا، اور ان سریرِ آدرودہ پاکمال اور نگارِ روزگار ہستیوں سے ہمیشہ معمور رہا



ہے، جن کے مجالس علم کے غلغلے اور تعلیمی حلقوں کے چرچے چہارواگم عالم میں گونجنے لگے ہیں، شام کے شہروں طلب اور مشق میں آپ نے تحصیل علوم کے لئے قیام کیا، و مشق میں آپ کا تعلیمی عرصہ سات سال پر محیط ہے، علمی کمالات میں آپ اونچے سے اونچے مراتب تک پہنچے۔

گرام فقہی مذاہب سے واقفیت پائی، علم اطلاق و الکلام میں رسوم حاصل کیا، فلسفہ و حکمت اور تصوف میں مہارت و کمال کو پہنچے، والد کی وفات کے بعد سید برہان الدین جو آپ کے والد کے شاگرد و خلیفہ اور آپ کے استاد بھی تھے، ان کی نگرانی و رہنمائی میں سالہا سال تک تصوف، تزکیہ و سلوک کی منزلیں طے کیں، اس کے بعد درس و تدریس اور اشاعتِ علوم میں بہترین مشغول ہو گئے۔

## علمی کمال

علوم و فنون کے جواہر سے آپ کا سینہ بالامال اور دل و دماغ نہال تھے، علمی دنیا میں آپ کے یہ جوہر خوب کھلے، آپ آسان علم و فیض پر آفتاب بن کے چمکے، دنیائے علم میں اس تاجدارِ علم کو وہ حسنِ قبولیت و مقبولیت ملی، جو کم ہی لوگوں کے حصہ میں آتی ہے، جب نکلے تھے تو شاہی پر و تو کول و اعزاز کے ساتھ نکلتے، آپ کے جلو میں خدام و شاگردوں کے جھتے ہوتے، بڑا جھوم ہوتا، مطلق خدا زیارت کے لئے دیواندار بڑھتی، ایک صاحبِ دل نے روی کی اس شان کا نقشہ یوں کھینچا ہے:

ایک زمانہ مولوی روی کا تھا	صدوقار و شوکت و شای کا تھا،
ایک عزت نسبت خوارزم شاہ	دوسری صد علم و فن سے ناز و جاہ
جب کہیں ان کا سفر ہوتا کبھی	آتی فوراً خاص شای پاکی
لشکر و خدام و شاگرداں کبھی	احراماً ساتھ ہو لیتے کبھی

دست بوسی پائے بوسی کا جھوم	ہر طرف سے بس بگی ہوئی تھی دھوم
----------------------------	--------------------------------

یہ شانِ جلال الدین رومی کی اس وقت تک رہی، جب تک شمس حمزہؒ کی کٹھنیں نہیں چڑھے تھے، اور شمس حمزہؒ کی کٹھنیں کی آگ اور حُبِ حقیقی کے شعلے ابھی آپ تک نہیں پہنچے تھے، شمس حمزہؒ نے جب آپ کو شکار کر کے مولائے رومی بنادیا، اور حُبِ حقیقی کا شعلہ جوالہ بنادیا تو پھر اس آگ میں آپ خود بھی جلے اور ایک دنیا کو جلایا، عشوی معنوی کی صورت میں اس آگ کے شعلے آپ کے سینے سے بلند ہوئے، اور جنگل کی آگ کی طرح شرق و غرب میں پھیل گئے۔

آج رومی گر گیا عشق کھاکے آہ	نذر عشق حق ہوئی سب عز و جاہ
کیا نظر تھی شمس حمزہؒ کی آہ	مولوی رومی ہوئے سردارِ راہ
بہر رومی ہوش میں جب آگئے	شمس حمزہؒ کے چہچہے چل پڑے
عشق کب رکھتا ہے فانی سلطنت	خاک میں ملتی ہے فانی حکمت
عشق کی عزت ہے عزتِ دائمی	عشق کی لذت ہے لذتِ سرمدی

### مولانا رومی کی زندگی کا دوسرا دور

دشمن سے قویہ واپس آ کر آپ دینی علمی اور تعلیمی مشاغل میں ہمدتنِ منہمک و مشغول ہو گئے تھے، پانچ سال کے عرصے تک مولانا انجمن علمی اشغال میں مشغول رہے، جن کی نوعیت یہ تھی کہ درس و تدریس، وعظ و تذکیر اور فتاویٰ نویسی ان سب معمولات کو مولانا پوری مضبوطی اور اہتمام سے نبھاتے رہے، تا آنکہ ۶۳۲ھ میں مولانا کی زندگی کا وہ غیر معمولی واقعہ پیش آیا، جس نے اس مولوی جلالِ قونوی کو لازوال، سدا بہار، منتخبِ زمانہ اور یگانہ روزگار، مولائے رومی بنادیا، قتیلِ تیغِ معرفت، محبوبِ بارگاہِ مصداقیت، امامِ العاشقانِ رومی، اللہ کی راہ پر چلنے والے انسانی قافلوں، محبتِ حقیقی اور معرفتِ ربانی کی منزلیں طے کرنے والے راہروں کو

اپنی شہرہ آفاق مشہوری کے ذریعے نشان منزل کا پتہ دینے والے باخبر روی۔  
یہ واقعہ مولانا کی شمس تبریز سے ملاقات اور ان کی ذات سے آپ کو الہانہ تعلیق و شفق کی اور  
فانییت کی صورت میں پیش آیا۔

مولوی ہرگز نہ شود مولائے روم      تا غلام شمس تبریزی نہ شد

## شمس تبریزی کا کچھ مختصر حال

شمس تبریزی کا نام محمد بن علی تھا، آپ بچپن سے اعلیٰ استعداد اور جذبہ محبت کے حامل تھے،  
مناقب العارفین میں منقول ہے، کہ ابھی سن بلوغ تک نہ پہنچے تھے، کہ آنحضرت ﷺ کی  
محبت میں کئی کئی روز فاقے سے رہتے، خدا اور خوراک کی آپ کو خواہش پیدا نہ ہوتی، ظاہری  
علوم شریعت بھی آپ نے حاصل کئے، پھر اس کے بعد باطنی استفادہ اور اصلاح و تزکیہ کی  
طرف متوجہ ہوئے مختلف بزرگوں کے نام لئے گئے ہیں، جن سے آپ نے طبعی باطنی کے  
سلسلہ میں کسب فیض کیا، مثلاً بابا کمال الدین جندی، شیخ ابو بکر سلہ ہاف، شیخ زین سنجابی رحمہم  
اللہ، ممکن ہے مختلف اوقات میں ان سب سے کسب فیض کیا ہو۔

ایسی حالت آپ کی ہو گئی تھی کہ کسی چیز سے مطلب نہیں دیکھتے تھے، روحانی حقائق و احوال  
سے کسی طرح سیری نہ ہوتی، زمانے کے لوگوں میں سے کسی کو اپنی محبت کا متحمل نہ پاتے،  
مردانِ خدا، خاصانِ خدا (شاہد اصحابِ بکونین) کو پانے، ان کے احوال و مقامات سے تسکین  
حاصل کرنے کے لئے ہمیشہ سفر و سیاحت میں رہتے، دنیا جہاں میں گھومتے، گمنامی کی حالت  
بٹائی ہوئی تھی، فقیرانہ طبع میں رہتے، جہاں جاتے عام سراپوں اور مسافر خانوں میں قیام  
کرتے، اور اپنے مقصد کی تلاش و جستجو میں مشغول رہتے، معاش کا بہت معمولی سلسلہ اپنی  
گزر دان (گزر و اوقات) کے لئے رکھا تھا، از اور بند (ناڑے) بنا کر بیچتے، اور حاصل ہونے  
والی معمولی رقم سے کام چلاتے، خوراک کا یہ حال تھا کہ دورانِ سیاحت و مشق میں ایک برس

رہے، تو ہفتہ بھر میں سری کے شور بے کا ایک پیالہ (جس میں گھی تک نہ ہوتا) نوش فرماتے، کھڑے اسفار کی وجہ سے جاننے والے آپ کو شمس پرندہ، کہتے، حمویز، روم، دمشق، بغداد، شام کے مختلف مقامات کے اسفار پر رہتے، زمانے میں کسی کو اپنا ہم ذوق اور اپنی صحبت کا متحمل جب نہ پاتے، تو یہ دعا کھڑ کیا کرتے کہ خدایا! کوئی رفیق ایسا عطا کر کہ جو میری صحبت کا متحمل ہو، میں اپنے سینے کی امانت، باطن کی دولت، معرفت کا خزانہ، عہد حقیقی کی آنچ اس کو منتقل کر سکوں (کوئی ایک ہی مل جائے)۔

کوئی ملتا نہیں جہاں میں مجھے کچھ کہنا ہے اپنی زباں میں

رند بچھا نہ چھڑاؤ؟ کس عداوت چھڑاؤ

برنقہ و نسیمِ دوحالم شہزاد

اسی اثناء میں شمس حمویزی کو اشارہ فیہی (عاباً بواسطہ مرشد) ملا کہ روم جاؤ، وہاں ایک دل سوختہ ہے، اسے روشن کراؤ، شمس حمویزی کی اپنے چاشمین اور اپنے علوم کے راز دار کے حصول کے لئے بے قراری اور منہاج اللہ مولانا رومی کے انتخاب کا حال ذرا یزبان اختر سنو:

قصہ مولانا روم کا سنو	درس دیتے تھے کبھی یہ دوستو
بے خبر از حال ملک نیم شب	علم ظاہر سے شغف تھا روز و شب
درس ان کا شہرہ آفاق تھا	اہل باطن سے تعلق شاق تھا
علم کا چہار اہل علم کو	دیکھتا ہے محروم حق سے دوستو
علم کا حاصل ہے بس عشق خدا	آہ سب دھوکہ ہے بس اس کے سوا
فصل لیکن جس پہ ہو اللہ کا	اک نہ اک دن ہوگا وہ اللہ کا
مولوی رومی پہ تھا فصل خدا	غیب سے امداد کا سامان ہوا
کام سب کا فضل سے ہوتا ہے آہ!	بے کرم کبھی بھی نہیں ہوتا ہے آہ!

گر نہ ہو بر بندگاں فضل نہاں	کوئی جان واصل ہو کب ناشام جہاں
غیب سے سامان روی کا ہوا	خمس تبریزی نے کی حق سے دعا
اے خدا جو آگ میرے دل میں ہے	جو تڑپ اس نیم جاں نکل میں ہے
آتش حق جو میرے سینہ میں ہے	از عطا جو کچھ بھی گنجینہ میں ہے
اے خدا ملتا کوئی بندہ مجھے	جو صحیح معنوں میں ہو لائق تیرے
عشق حقیقی سے اس کا سینہ پُر کروں	اور صدف کو اس کے میں پُر کروں
میری آتش کا قہل جو کرے	کوئی بندہ مجھ کو اب ایسا ملے
وقت رخصت کا ہے اب میرا قریب	کس کو سوئیں یہ لانت اے صبیب
بس اپنا کب غیب سے آئی صدا	خمس تبریز تو فوراً روم جا
مولوی روی کو کر مولائے روم	اس کو کر فارغ تو از غوغائے روم

## خمس تبریزی کی مولانا رومی سے ملاقات کا حال

خمس تبریزی ۲۶ / جمادی الاخریٰ ۶۳۲ھ بروز سوموار کو توبہ پہنچے، شکر فرودش کے محلہ میں قیام کیا، ایک روز دیکھا کہ مولانا رومی سوار چلے آ رہے ہیں، گرد و پیش لوگ پروانہ دار بھوم کئے ہوئے ہیں، اور علمی سوالات کر رہے ہیں، اور مولانا جوابات دے رہے تھے، خمس نے بھی آگے بڑھ کر مولانا سے سوال کیا کہ ریاضت و مشقت اٹھانے، مجاہدہ کرنے اور علوم کی تحصیل کرنے سے غرض و مقصود کیا ہے؟ مولانا نے جواب دیا کہ شریعت کے آداب و احکام کو جانتا، خمس نے کہا نہیں، بلکہ مقصود یہ ہے کہ معلوم تک رسائی ہو جائے، اور دلیل میں حکیم سنائی (مشہور بزرگ اور صاحب معرفت شخصیت، محدث سنائی نامی تصوف و اخلاقی تعلیمات کا شہرہ آفاق دیوان آپ ہی کا ہے) کا یہ شعر پڑھا:

علم کز تو ترانہ بستاند      جنیل از اس علم بہ یو بسیار

ترجمہ: وہ علم کہ کچھ سے تیری ذات کو اخذ نہ کرے، اس علم سے بھل بدرجہا بہتر ہے۔

مولانا اس جواب سے حیرت و استعجاب میں پڑے، شمس کا تیر گویا نکالنے پر بیٹھا، مولانا حضرت شمس کو لے کر قیام گاہ پر واپس آئے، اور چالیس روز تک شمس تہریزی کے ساتھ ایک حجرہ میں رہے، جہاں کسی کو داخل ہونے کی اجازت نہ تھی، جبکہ بعض سوانح نگاروں کے بقول چھ ماہ تک، صلاح الدین زرکوب (جو بعد میں رومی کے مصاحب اور ہم راز بنے) کے حجرہ میں دونوں بزرگ غلوٹ نشین (چلہ کش) رہے، شیخ صلاح الدین کے علاوہ اس تمام عرصہ میں کسی کو اس حجرہ میں آنے کی مجال نہ تھی۔

شمس کی صحبت و ملاقات نے مولانا میں نئی روح بھردی، نئے حقائق کی ایک وسیع دنیا کے بند و روازے ان پر کھول دیئے، قدرت کے پوشیدہ اسرار اور رازوں کی ایسی دنیا جس سے خاص خاص اصحاب معرف ہی شناسائی رکھتے ہیں، فیہی حقائق کے ایسے دفتر جس کے محرم راز کہیں زمانوں میں پیدا ہوتے ہیں۔

کہیں، دلوں میں بھیجتا ہے ساقی ایسا مستانہ بدل دیتا ہے جو بگڑا ہوا نظام بھگانہ شمس تہریزی کی صحبت سے حاصل ہونے والی اس باطنی و روحانی دولت کے متعلق مولانا خود فرماتے ہیں:

شمس تہریز بہار و حقیقت نمود از فیض قدم اوست کہ ایمان داریم  
ترجمہ: شمس تہریزی نے حقیقت و عرفان کے راستے کی طرف ہماری رہنمائی کی،  
بیان کے دم قدم کا فیض ہے کہ ہم ایمان رکھتے ہیں۔

مولانا نے جو کہ اب تک زمانے کے معتقد و متشیوا تھے، رئیسوں اور بادشاہوں تک کی نیاز جہیں، جن کی بارگاہ و دستار اور محراب علم و کمال میں جھک جاتی تھی، اب شمس تہریزی نے انہیں از خود رفعت و پیمانہ کر دیا، اور شوق و وارفتگی کا شعلہ، جو اٹھایا، جسے شمس تہریزی کے بغیر

ایک ہل چٹن نہ آتا، اپنی اس حالت کو خود بیان فرماتے ہیں:

زائد بودم ترانہ گویم کردی سرقتہ بزم و بادہ جویم کردی

سجادہ نشین بادقارے بودم باز بچہ کو دکاں کویم کردی

ترجمہ: اے خمس تبریزی! میں زائد خشک تھا، تو نے صحبت الہی کی جوت چگا کے مجھے

غزل سرا کر دیا، تو نے مجھے بزم کویمین کے ساقی (محبوب حقیقی اللہ جل و علا) اور

معرفت کی شراب کا متوالا بنا دیا، میں ایک بادقار گدی نشین، مقتدا و پیروا تھا، تو نے

مجھے اپنے کوچے کے لڑکوں بالوں کے لئے مٹھلہ دیا، شا بنادیا (یعنی دیوانہ بنا دیا،

کیونکہ دیوانے کو شرارتی لڑکے تلک کرتے ہیں)

خمس کی ملاقات و صحبت اور مولانا کی ان کے ساتھ خلوت نشینی نے اپنے اثرات دکھانے

شروع کر دیئے تھے، مولانا نے درس و تدریس، حفظ گوئی وغیرہ سب علمی مشاغل و سلسلے

موقوف کر دیئے، مولانا کے شاگردوں، مریدوں، معتقدین اور حلقہ احباب پر مولانا کی یہ

تہذیبی تاگوار اور شائق گزری، وہ سخت حیرت میں تھے کہ مولانا کو یہ کیا ہو گیا، اور اس نو وارد

درویش نے مولانا پر کیا جادو چھوٹک دیا ہے کہ وہ معطل ہو کے رہ گئے، اس درویش کے ساتھ

خلوت گزین ہو کر چلے کشی کے علاوہ مولانا کو کوئی اور کام ہی نہیں، اپنے حاضر باش شاگردوں،

اپنے پر جان چھڑکنے والے مریدوں تک سے پہلے کی طرح سمجھتیں نہ رہیں۔

سارے عالم کو خاطر میں لائے نہ ہم جانے کیا پاگتے جان عالم سے ہم

اس سے ان لوگوں میں ایک عام شورش اور بے چینی کا پھیلنا فطری امر تھا، وہ یہ سمجھنے لگے کہ یہ

غریب الدیار اور نامعلوم الحال پر دسی ملک ضرور کوئی شعیبہ باز، و صوفی، یا ساحر و مکار شخص

ہے، خمس نے پیارے مولانا کو اپنے سحر و کمر کے زور پر ہم سے اچک لیا اور اپنا اسیر و مسخر

بنادیا۔

بیاجاناں! تماشا کن کہ در انبوه جاننازاں با صد سامان رسوائی من سر بازاری رقصم

نہ جانے ذرا سی دیر میں کیا سے کیا ہو جائے جو دستار فضیلت گم ہو، دستار محبت میں لوگوں کی بے چینی حد سے بڑھی تو انہوں نے اپنے تئیں شمس تبریزی کے زلے سے مولانا کو نکالنے کے لئے عملی اقدام شروع کیا، یعنی حضرت شمس کو (جو ان کے خیال میں نامعلوم الحال ملنگ اور شعبدہ باز تھا) ستانا، تنگ و پریشان کرنا اور ان کی شان میں گستاخی سے ٹپش آنا شروع کیا۔ ج

### زہد الہی حق کے کم آگاہ شد

اب ہیں خندہ، بنگر میں تر اور دھم حیرے عاشق کو لوگوں نے سمجھا ہے کم حضرت شمس ایک وقت تک تو یہ ایذا نہیں سہتے رہے، لیکن جب آپ نے سمجھ لیا کہ اب یہ معاملہ فتنہ و فساد کی طرف بڑھے گا، تو ایک دن پوشیدہ طور پر چپ چاپ آپ نے قومیہ سے کوچ کر لیا۔ ج

وہ جو بیچتے تھے دوائے دل، وہ دکان اپنی بڑھا گئے

بعض تذکرہ نگاروں نے شمس تبریزی کی اس پہلی فتنہ بت (کیونکہ اس کے بعد وہ بارہ ملاقات اور پھر دوسری فتنہ بت بھی ہوئی) کی تاریخ یکم شوال ۹۴۳ھ ذکر کی ہے، مولانا کے خدام و مریدین تو یہ سمجھتے تھے کہ شمس یہاں سے چلے جائیں، تو مولانا سا بقہ حالت پر لوٹ آئیں گے، موصفا و ارشاد، افادہ و استفادہ اور درس و تدریس وغیرہ فلوذات دینیہ کا سلسلہ حسب سابق شروع ہو جائے گا، لیکن ایسا نہ ہو سکا، ان لوگوں کی توقعات کے برعکس مولانا نے شمس کی جدائی کا بڑا گہرا اثر لیا، اور ماضی بے آب کی طرح تر پنے پھڑکنے کی توبہ آگئی، شمس کی موجودگی میں تو پھر بھی مولانا کے مخصوص مقرنین، خاص شاگرد و مرید اور متوسلین کو مولانا کی صحبت بے سراسر جاتی تھی، فلوذات سے مستفیض ہونے کی توفیق ارزانی تھی، جبکہ شمس کی فتنہ بت سے مولانا پر جس قسم کا غلبہ حال و استغراق ہوا اب وہ خاص شاگرد و مرید بھی صحبت و فلوذات سے محروم ہو گئے۔



## صلاح الدین زکوب کی دکان پر

استغراق اور غلبہٴ حال کی اس کیفیت میں مولانا ایک دلدادہ صلاح الدین زکوب (مولانا کے ہمراز و مساز اور یمنظمین) کی دوکان کے آگے سے گزرے، جہاں زکوب چاندی کے اوراق کوٹ رہے تھے، تو مولانا کو شمس کی یادوں کے دھم تازہ ہو گئے (کیونکہ زکوب کے حجرہ میں ہی مولانا نے شمس کے ساتھ چھ ماہ کی غلوٹ نشینی کی تھی) مولانا پر وجد اور جذب کی کیفیت طاری ہو گئی، وہ بے تک و پیر کھڑے جموتے رہے اور داری کے عالم میں یہ شعر سن گئے تھے۔

یکے گھنٹے پہلے آدھریں دوکان زکوبی      زبے صورت مذہبے معنی مذہبے خوبی  
ترجمہ: زرگری کی اس دوکان میں ایک بڑا خزانہ ظاہر ہوا تھا، اس کی صورت کے کیا کہنے، اس کے کمالات کے کیا کہنے، اس کی جملہ صفات اور خوبیوں کے کیا ہی کہنے "مراد شمس تہریزی چہ"

مولانا پر استغراق اور جذب کا یہ عالم اس وقت تک طاری رہا، جب تک دمشق سے شمس کا خط اچانک مولانا کے نام نہ آ گیا، اس خط کے پانے سے مولانا کی حالت کچھ بدلی، کچھ قرار ہوا، اب شرعی حدود میں رہ کر سماع کی طرف بھی مولانا متوجہ ہوئے، اور مریدوں و شاگردوں میں سے جن لوگوں نے شمس کے خلاف کوئی نازیبا حرکت نہ کی تھی، ان پر اب مولانا نے اپنی توجہ اور عنایت مبذول فرمائی، اس دوران مولانا نے شمس کی خدمت میں چار خط لکھے، جن میں اپنی کیفیت اور ملاقات کے اشتیاق کا ذکر کیا ہے۔

وہی شامِ غم کا منظر وہی منظر رکھیں      میری آنکھیں تک رہی ہیں تیری واپسی کی راہیں  
اس دور کے ایک خط میں مولانا نے حضرت شمس کو مخاطب کر کے اپنی بے ثباتی اور شوقِ ملاقات کا ذکر ان اشعار میں پیش کیا ہے۔

أَيْهَا السُّوْرُ هِيَ الْفُرَادُ نَعَان      غَايَةُ الْوَجْدِ وَالْمُرَادُ نَعَان

أَتَيْتُ السَّابِقَ الْبَدِيَّ سَبَقَتْ مِنْكَ مُضْطَرُفَةُ الْوُذَّاجِ تَعَالَى

چو بیا کی زہے کشاد و مراد چوں نیائی زہے کساد و تعال

أَنْتَ كَمَا الشَّمْسُ إِذَا ذُنْتُ وَتَأْتِ يَا لِقَرِينَا عَلَى الْبَعَادِ تَعَالَى ۛ

آخر مولانا نے حضرت شمس کو دایس لانے کے لئے اپنے صاحبزادے سلطان ولد کو دمشق بھیجا کہ میری جانب سے بہت کچھ عذر معذرت کرو، اور جو لوگ گستاخی اور باغیہ امکا باعث بنے تھے، ان کے توپے تائب ہونے اور اپنی خطا کی معافی چاہنے کا بھی ذکر کرو، اور درگزر فرمانے کی درخواست کرو، مولانا نے ایک عریضہ (خط) بھی بیٹے کے ہاتھ بھیجا، جس میں اپنی بے تابی کا حال منکوم ذکر کیا، اس میں سے بعض اشعار یہ ہیں:

کہ ازاں دم کہ تو سطر کردی از حلاوت جدا شدیم چو موم

ہم شب چو شمع می سوزیم ز آتشش بخت وز انگہیں محروم

شام از تو صبح روشن باد اے جو خورشام دارمن و دم ۛ

الغرض سلطان ولد نہایت شان و شوکت اور عزت و احترام کے ساتھ حضرت شمس کو دوبارہ توفیہ لے کر آ گئے۔

ۛ ترمذی نے دہلی کی روشنی، محبوب کی ضیاء، عاشق و مراد اور حضور و مراد کی صفی دایس، آباد سے وہ

آگے بڑھنے والے (لوچے مقامات پر فائز) جس کی طرف اپنی محبت سجت کر چکی ہے آباد۔

آکر آباد چلے تو کبھی کہیں اس خوش، شادمانی کے حاصل ہونے اور مراد کو پانے کے بعد آکر آباد کی

دنیا کے اجلے کا کیا کہیں، آباد تو سورج کی مانند ہے، جب دُور ہے، دُور دُور ہو، (قریب یا دور ہونے سے

اس کی ضیاء پاشی میں کوئی فرق نہیں) تاہم اس طرح تو کبھی اسے خُش و مراد ہونے کے بعد (دُور) (دل کے) قریب

ہے، آباد۔

ۛ ترمذی، اس وقت سے جبکہ آپ سطر اختیار کر کے ہم سے چاہوئے، ہم لذت و حیرانی سے اس

طرح چاہیں، جیسے موم (شہد سے) الگ کر دیا جاتا ہے، (ساری رات) (جہاں کی سوزش سے) ہم شمع کی طرح

چمکتے، گھٹکتے رہتے ہیں (جہاں کی) آگ سے آگے نہ ہونے ہیں، اور خوشگوار، محاسن سے باطل محروم ہیں،

ناری شام غم اظہار کرے آپ (کی زاریت و ملاقات) سے صبح کی طرح روشن و خرم ہو جائے، اے وہ شخص جو

دم و شام ہمراہ رہنا کا سراپا بن کر ہے۔

## شمس تبریزی کا قونیہ میں قیام اور شادی

مولانا کو حضرت شمس کے قونیہ میں دوبارہ جلوہ گر ہونے اور اپنی متاع کم مائتہ واپس ملنے پر جو کچھ مسرت و شادمانی ہو سکتی تھی وہ ظاہر ہے، اسی طرح آپ کے مریدوں، شاگردوں اور حلقہ احباب کی خوشی و مسرت بھی ظاہر ہے، کیونکہ مولانا کے فیوض علمی و روحانی سے وہ اسی صورت میں مستفید ہو سکتے تھے کہ شمس کے فراق کے صدمے سے مولانا دو چار نہ ہوں۔ شمس کی خدمت میں وہ لوگ آ کر معافی کے طلب گار ہوئے، جن سے گستاخیاں سرزد ہوئی تھیں، حضرت شمس کا یہاں عقد نکاح بھی ہوا، اور مولانا کی رہائش گاہ کے قریب ہی (دستجہ دالان یا اعلاطہ کے ایک حصہ میں) حضرت شمس کا مع الہیہ قیام کا انتظام تھا۔

اب ایک عرصہ تک مولانا کی حضرت شمس کے ساتھ ہم نشینی و صحبت اور کسب فیوضات کا یہ سلسلہ جاری رہا، مولانا کا اخلاص اور تعلق حضرت شمس سے روز افزوں ہوتا گیا، آخر کار ایسے اسباب پیدا ہوئے کہ حضرت شمس آزرہ خاطر رہنے لگے، اس دفعہ آزرگی کا سبب غالباً مولانا کے بیٹے علاء الدین چلی بنے تھے، شاید ان کو یہ شکایت تھی کہ حضرت شمس کی توجہات اور نظر عنایت ان کے بھائی سلطان ولد پر ان سے زیادہ ہے، اس سے بعض بدخواہ لوگوں کو بھی موقع مل گیا کہ وہ ہدگمانیاں اور غلط فہمیاں پیدا کر کے فتنہ اٹھائیں۔

## شمس تبریزی کی پراسرار غیبت

یہاں دو روایتیں ہیں، ایک روایت یہ ہے کہ حضرت شمس کو بعض فتنہ پرداز لوگوں نے قتل کر دیا تھا، لیکن یہ روایت زیادہ وزنی نہیں، دوسری روایت شمس کے دوبارہ عائب ہونے کی ہے، یہی روایت زیادہ معتبر ہے، اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ مولانا اس بار بھی حضرت شمس کی تلاش میں بہت سرگرداں رہے، مگر آپ قتل کئے گئے ہوتے، تو اس کی نوبت نہ آتی، اور مولانا کے ذیل کے شعر میں بھی غیبت ہی کا ذکر ہے۔

نامکھاس گم شد از میان احمد تار و داز دل اندھاں احمد

شخص کی نحوہ بہت کے بعد مولانا کی حالت پھر متغیر ہوئی شروع ہوئی، طریقہ سماع آپ نے پہلے ہی اختیار کیا تھا، اب اس میں اور ترقی ہوئی، اپنے عدد سے میں ٹپکتے رہتے تھے اور کھلے چپے شور و فغاں اور آواز دہرایا کرتے تھے، قونیہ میں آپ کی اس حالت کا بڑا غلط ہوا، حضرت شخص کی جدائی میں اس زمانے اور اس حالت میں آپ نے بڑی تعداد میں درد و غم سے لبریز اشعار اور غزلیں کہی ہیں (جو آپ کے دیوان میں جمع ہیں)۔

بے قراری کے اس عالم میں مولانا نے شام کے سڑک کا ارادہ کیا، آپ کے مخصوص احباب، متوسلین آپ کے ہمراہ تھے، و مشق پہنچے، اپنے درد بھرے اشعار اور کلام سے ماحول کو سونگوار کر دیتے، اور لوگوں کے دلوں میں آتش شوق، شعلہ ذہن کر دیتے، لوگ حیرت کرتے تھے کہ زمانے کا ایسا فاضل اور یگانہ روزگار عالم کیوں اس طرح و بیجا نہ ہو رہا ہے، شخص تہمیزی آغز کیا چیز ہیں؟ و مشق میں جب شخص کا کچھ اتار پڑتا تو واپس قونیہ آگئے، چند برس قونیہ میں قیام رہا، پھر شہب الہی کا غلبہ ہوا، اور کچھ لوگوں کے ہمراہ و مشق تشریف لے گئے، اور پھر شخص کے ملے سے باہر ہو کر واپس قونیہ آگئے، لیکن اس دفعہ و مشق سے مولانا کی واپسی ایک بڑی چٹنی تہذیبی اور طبیعت کے انقلاب کے ساتھ ہو رہی تھی، وہ یہ خیال اور رجحان تھا کہ شخص کی جستجو در حقیقت اپنی ہی جستجو تھی (یعنی شخص میں جو کچھ کمالات و صفات اور معارف و علوم مقامات تھے، وہ سب خود مجھ میں موجود ہو گئے، چنانچہ جس جس کیفیت کو آپ پہلے شخص میں ملاحظہ فرمایا کرتے تھے اب خود اپنی ذات میں ملاحظہ فرمانے لگے، آپ کے صاحبزادے سلطان ولد کے الفاظ اس بابت یہ ہیں:

”اگرچہ مولانا قدس اللہ سرہ شخص الدین تہمیزی و اعظم اللہ ذکرہ بصورت درد و مشق

نیافت بمعنی در خود نیافت زیراں حال کہ شخص الدین را بعد حضرتش را ہماں حاصل شد“

ترجمہ: اگرچہ مولانا قدس سرہ نے شخص الدین تہمیزی کو (اللہ اس کا ذکر اونچا و بڑا

کرے) اپنی ذات و انسانی صورت میں تو دمشق میں نہ پایا، لیکن معنوی اور روحانی طور پر اپنے اندر شخص کو واسطہ نکالا، اس لئے کہ وہ احوال جو شخص کو حاصل تھے (حقیقی داسر اور معرفت و قرب حق کے مقامات) حضرت مولانا کو بھی وہ حاصل ہو گئے۔ ۱۔

## مشنوی کی تدوین و تالیف

مشنوی شریف جس نے مولانا ربیع کو بے انتہاء شہرت بخشی، اس کی تحریر ایک اور تدوین و تصنیف کا سبب حسام الدین چمکی بنے ہیں، کہا گیا ہے کہ چمکی نہ ہوتے تو مشنوی وجود میں نہ آتی، مولانا آپ کے ساتھ اس طرح پیش آتے اور سلوک کرتے، جس طرح آپ بھر ہوں، اور مولانا آپ کے مرید ہوں، اس سے مولانا کے ہاں آپ کے مقام و مرتبہ کا اندازہ ہوتا ہے، مولانا

۱۔ اس طرح شخص کا مقصود حاصل ہو گیا، جو کہ وہ آپ کو دیکھتا ہے تھے، کو آپ کو آپ کو مل گیا، جو دیکھتا ہے تھے، اس شخص کا ناگونی سلسلہ کے بزرگوں میں سے تھے، جو حقیقی داسر اور داسر معرفت کے تھے، انہوں نے مولانا کو عام طور پر عقل سے چلنے دیا، مگر آپ جتے ہیں، اور غریبی طور پر غلام و خدواری کے مطابق کام قدرت میں مل گیا، رکھتے ہیں، گویا کہ اس ناگونی کام میں وہ فرشتوں کے گھمے سے عقل رکھتے ہیں، جن کے ذمے غریبی کام پر دے، انہماک و عہد اسلام میں حضرت شعر علیہ السلام کو اس سلسلہ میں شمار کیا گیا ہے، چنانچہ سورہ کلمہ میں حضرت معنوی علیہ السلام کے ساتھ جو ان کا قصہ ذکر ہے، اس میں جو احکامات ہیں، آپ تھے، وہ حضرت شعر کے غریبی فرائض کا قصہ تھے، جبکہ معنوی علیہ السلام غریبی تھے، سادہ سادگی میں اللہ کے محال و حرام سے انسانوں کو آگاہ کرنا، اور ان احکام غریبی پر انہیں چاہنا، جن کا غرض بھی تھا، اس لئے شعر علیہ السلام کے ساتھ وہ زیادہ طور پر نکلتے اور جدا ہوتا تھا، اگر ان کا دائرہ کار اور ان کا دائرہ کار تھا، اور ظاہر میں انہوں میں فرق تھا، مگر یہ کہ ان کا دایہ میں اصحاب غریبی مستقل فرقہ ہے، بعض سادہ سادہ انسان کے احوال پر یکجہ و غنی ہوتی ہے، ان میں مختلف وجہ بندیاں اور مقامات ہوتے ہیں، غوث، بلیغ، باطن، انہماک، اسی فرقہ کے دایہ کے مقامات کے اعتبار سے نام ہیں، بعض دایہ پر یکجہ و غنی زندگی میں دایہ کے دائرہ کار و فائز انہماک ہوتے ہیں، یہ اوقات ان میں سے کسی ایک اس شعبے سے مستقل و مسلک ہوتے ہیں، اور پھر وہی بڑی مختلف غریبی دایہ ان کے پر دہوتی ہیں، مگر ان میں اس موضوع پر محمد و سادہ عرصہ الفحلفین، عاصم بن عادی بن عادی، دس دایہ صاحب، صاحب، دس دایہ کا کام "اہلبیت" اہلبیت جو ان حال اختیار دیا، دایہ دایہ و دایہ دایہ و دایہ دایہ و دایہ دایہ و دایہ دایہ کی دوسری جگہ میں پر دہ سادہ سادہ ہے، اور زبان میں "شریعت و طریقت" اوقات، حضرت عظیم الامت دس دایہ، "غریبی و غریبی" سادہ سادہ "مروج حضرت معنوی گھر و دایہ صاحب، اور "ہزارہ" سادہ سادہ کی دایہ، اس فرقہ دایہ، یعنی اصحاب غریبی کے عقائد اور شریعت میں ان کے مقام کو گھمے کے لئے مفید کتب ہیں۔

کو چلی حسام کے بغیر چمکن نہیں آ جاتھا، جس مجلس میں چلی نہ ہوتے مولانا کی طبیعت میں جوش و گری پیدا نہ ہوتی اور اسرار و معرفت کی باتیں کرنے سے پرہیز کرتے، جن لوگوں کو یہ حقیقت معلوم تھی وہ مجلس میں حضرت چلی کی موجودگی کا اہتمام کرتے تھے، تاکہ وہ یائے فیض جاری ہو اور مولانا کے دل و زبان سے معرفت کے فوارے پھوٹ سکیں۔

مثنوی کی تالیف اس انداز میں ہوئی کہ مولانا پر جب مخصوص حالت و کیفیت طاری ہوتی، اور شوق و وارفتگی کا عالم ہوتا تو برجستہ اشعار زبان سے صادر ہوتے، مولانا اشعار کے دریا بہا رہے ہوتے، اور چلی حسام گھستے چلے جاتے، لکھ لینے کے بعد چلی حسام اس کو بلند آواز سے خوش آوازی کے ساتھ پڑھتے، بعض مرتبہ پوری پوری رات اسی مشغلہ میں گزر جاتی، اور مثنوی کی تالیف اسی انداز میں شام سے صبح تک جاری رہتی۔

مثنوی کی جلد اول (پہلا دفتر) مکمل ہوئی تو چلی کی اہلیہ کا انتقال ہوا، جس سے ان کی طبیعت میں افسردگی پیدا ہوئی، اس کا اثر مولانا کی طبیعت پر بھی ہوا اور آپ کی طبیعت میں وہ جوش و ولولہ اور کیف و سرور کی حالت نہ رہی، جس میں از خود رفتہ ہو کر اشعار کے دریا اٹھ پڑتے تھے، اور معرفت و اسرار کی اونچی سے اونچی باتیں بے تکلف ان کے اشعار میں سمو جاتیں۔

اس طرح تقریباً دو سال تک مثنوی کا سلسلہ بند رہا، پھر دوبارہ حسام کی تحریک و تقاضے پر شروع ہوا، اور مولانا کی وفات تک جاری رہا، یہ چند سال کا عرصہ بنتا ہے، جس میں مثنوی مولانا کے قلب و زبان اور چلی کے قلم سے وجود میں آئی۔

”بشنواز نے چوں حکایت می کند“

بشنواز نے چوں حکایت می کند      و ز جدائی ہا شکایت می کند

یہ مثنوی کا پہلا شعر ہے، اس شعر سے مثنوی مولانا روم کا آغاز ہوتا ہے، شعر کا ترجمہ یہ ہے:

بنسری کی آواز سنو، جبکہ وہ اپنی داستان غم یا اپنا ماجرا بیان کر رہی ہے، اور جدائی

و فراق کا شکوہ و فریاد کر رہی ہے۔

شمس کی صحبتوں نے جہاں مولانا کے سینے کو علوم و معارف سے لبریز کر دیا تھا اور آپ کے دل و دماغ کو فطرت کے اسرار و رموز اور باطنی امور کا خزینہ وار بنادیا تھا، وہاں شمس کی جدائی و فراق نے آپ کو درد و محبت کا شعلہ جوالہ بھی بنادیا تھا، درد و محبت اور معرفت کی یہی آگ جب مولانا کی زبان سے شرب ہو کر معرض تحریر میں آئی تو ”مشنوی مولوی معنوی“ کہلائی، جو پڑھنے والوں کے سینے میں بھی بقول شاہ عبدالغنی پھولپوری رحمہ اللہ ”مشتق خداوندی کی آگ لگاوتی ہے“ (سوانح مشنوی)۔

مشنوی شریف قرآنی علوم کا خزینہ، روحانی اور باطنی اسرار و رموز کا ذخیرہ اور آسمانی و آفاقی حقائق کا گنجینہ ہے، بقول علامہ جامی رحمہ اللہ (زائد ۱۴۸۵ھ تا ۱۵۵۱ھ)۔

مشنوی مولوی معنوی      بہت قرآن در زبان پہلوی

## مشنوی کا انداز بیان

چند فصاحت، اور اخلاقی تعلیمات کے بیان کو خشک موضوع سمجھا جاتا ہے مای طرح فلسفہ و کلام (علم عقائد) کے مضامین بھی خشک و دقیق ہوتے ہیں، کلامی مباحث میں جدل و مناظرہ اور بحث و مناقشہ بھی ایک لازمی عنصر ہے (کلامی مباحث پر متکلمین اسلام جو وسیع علمی ذخیرہ چھوڑ گئے ہیں، وہ اس پر گواہ ہے) کیونکہ کلامی مباحث (یعنی علم العقائد و الکلام) اسلامی تعلیمات کی لازمی ہے، جس میں اسلامی تعلیمات (عقائد و ایمانیات، احکامات، اصول و فروع) کی حقانیت و صداقت اور برتری سب ادیان و مذاہب پر عقلی و آفاقی اصولوں کی روشنی میں ثابت کی جاتی ہے، نیز غیر مسلم اقوام، ماہرین و لہجہ رین اور دہری فلاسفہ کے اسلام پر

۱۔ علامہ ابن عربی ہامی درمطالعہ نویں صدی ہجری میں عالم اسلام کے بکثرت دعاکار عالم اور سلسلہ نقشبندیہ کے مشہور بزرگ ہوئے ہیں، مختلف علوم و فنون پر تصوف پر، اور شعر و شاعری، علم میں مہارت رکھیں، آپ نے یادگار چھوڑی، علم میں پختہ ذہن و تصوف و سلف میں کلمات الناس اور معیت میں شرح ہامی خاص طور پر مشہور ہیں، شرح جانی تو کثیر تقریباً پانچ سو سال سے عربی مدارس کے اساتذہ کا حصہ بن چکی آ رہی ہے، شاعری کی شہرہ آفاق غزل شمس کا مطلع ہے ”زنگہری بداد جان عالم ترم یابی طہ ترم“ آپ ہی کی ہے۔





(۳) شیخ سعدی کی گلستان بوستان۔ ۱

(۴) مشنوی مولانا روم۔

ہر چہ کہ مشنوی شریف معرفت کے علوم کا خزانہ ہے، جس میں ایک طرف تصوف و طریقت جیسے دقیق و نازک علم و فن کے گنگلک سے گنگلک مباحث بے غبار طریقہ سے حل ہو جاتے ہیں، تو دوسری طرف علم کلام کے میدان میں مولانا رومی مسلمانوں کے باطل فرقوں (روافض، خوارج، معتزل، باطنیہ، قدریہ، جبریہ وغیرہ) سے پیچہ آزمائی کرتے ہوئے اہل سنت کے مذہب کو دین کی صحیح تعلیمات کی روشنی میں مبرہن کرتے نظر آتے ہیں، اور ساتھ ہی ساتھ ملاحظہ و برحقین فلاسفہ و زنا و فحش اور دوسرے ادیان و مذاہب والوں کے اعتراضات کے جوابات دیتے ہوئے اور ان کے معتقدات و تصورات کا بودا پن اور بطلان ثابت کرتے ہوئے ان سب سے مولانا تین چہا چہ کی جنگ لڑتے نظر آتے ہیں، اور حیرانہ بیان اتکا و کش، رواں، مسلسل، حق کی حمایت اور جوش سے لبریز اور یقین و جہاد کی اتھاہ گہرائیوں میں ڈوبا ہوا ہوتا ہے کہ دل کو کیف و سرور سے اور دماغ کو فہم و شعور سے بھر دیتا ہے، محض ایک رنگ

﴿ گزشتہ صفحے کا تہہ حاشیہ ﴾

رسانی ہوتی ہے، ۱۴ کتب کے مصنف ہونے کا ذکر آپ کے متعلق ملتا ہے، تذکرۃ الاولیاء، مطلق المیر، مذاہد مشہور ہیں، تذکرۃ الاولیاء کا اردو ترجمہ بھی عام ملتا ہے، چند سرمدیہ و احقاق، فقیر سیرت اور تصوف کے مضامین پر آپ کی عمدہ مضمون کتاب ہے، عربی و فارسی حادری کے قاری نصاب کا مصدق ہے۔

۱۔ شیخ شرف الدین (لقب صالح الدین) سعدی شیرازی (ایران) (۱۲۹۹ھ تا ۱۳۹۹ھ) گلستان، بوستان قاری ادب میں آپ کی لازوال و سادہ پر شاہکار کتابیں ہیں، گزشتہ سات سو سال سے ایران، افغانستان، وسطی ایشیا (ترکستان)، برصغیر پاک و ہند و بنگلہ دیش میں مسلمان بچوں کی ابتدائی تعلیمی نصاب کا لازمی حصہ رہی ہے، ان سات سو سالوں میں مسلمانوں کی نسلوں کی تینوں ان کتابوں سے فیضیاب ہوئی، تنجیم، تہذیب، تہذیب و تہذیب اور اخلاقی تعلیمات کے زور سے مسلمان بچے کو سمجھنے سے ہی آرام نہ کرنے میں اس تمام عمر میں ان تذکرہ سب نسلوں میں ان کتب نے جتنا فیض پہنچایا ہے اس کے لئے امت کی گردنیں بچ کھڑے بار بار سامنے ہیں، اللہ تعالیٰ آپ کے شاہان شان و عزا پر کھڑا فرمائے۔

ان کتب کی فیض رسانی کی سات سو سالہ قدیم روایت جاری رہی حادری میں ہی زندہ و زرار ہے، ہائی مصری تھیں حادری نے تو انگریزیت و طریقت کا گلہ چا کر مسلمان بچوں کے لئے اسلامی فیض کا یہ راستہ بند کر دیا ہے، حقیقت یہ ہے کہ ان کتب کے فیض سے محروم ہو کر حادری نسلوں نے بہت کچھ کھو دیا ہے۔

وواقعی علم و فن کو اختیار کر کے اس کے ہر ایہ بیان میں اتنی تاثیر پیدا کرنا ہی بڑا جان جو کوس کا کام ہے، چہ جائیکہ ایک سے زیادہ علوم و فنون کی سنگاڑ زمینوں میں معافی کا قلم بٹھا جائے، اور وہ سدا بہار کھیتیاں بن کر لہلہانے لگیں، اور صد ہا سال گزرنے پر بھی ان کی تروتازگی میں فرق نہ آئے، بلاشبہ مشنوی شریف اسی مرتبہ پر قائم ہے۔

بہار عالم شمس دل و جاں تازہ میدادو      برنگ اصحاب ظاہر را بہر اصحاب معانی را

### مشنوی کی چند وجوہ تاثیر

مشنوی کی اس تاثیر و جامعیت کی ایک وجہ بلکہ اصل وجہ تو ان مضامین کا الہامی ہونا ہے، جو خود مولانا کے بعض اشعار سے معلوم ہوتا ہے (جہاں بیان کرتے کرتے استغراق و وارفتگی کی طاری شدہ حالت جب ختم ہونے لگتی ہے تو چلتی حسام کو خطاب کرتے ہوئے آپ فرمانے لگتے ہیں کہ اب پانی گدلا آنا شروع ہو گیا ہے، جیسے کنویں سے مسلسل پانی نکالا جائے تو بعض دفعہ کنویں میں جمع شدہ پانی ختم ہو جاتا ہے، اور ڈول میں گدلا پانی آنے لگتا ہے، جو علامت ہوتی ہے اس بات کی کہ نیچے پانی بالکل معمولی سا رہ گیا ہے، پھر انتظار کیا جاتا ہے تاکہ زمین کے سوتوں سے پانی اٹل اٹل کر جمع ہو جائے، اسی طرح مولانا بھی حسام کو آگاہ کرتے ہیں کہ الہام کا نککش جو مدام اعلیٰ کی نورانی تاروں سے جڑ گیا تھا، اور دل و دماغ پر علوم کا زول ہو رہا تھا منقطع ہوا چاہتا ہے، کچھ وقفہ دینے کی ضرورت ہے، تاکہ طبیعت کو آرام ملے، اور بشارت کی حالت میں دوبارہ جذب و شوق کی کیفیات پیدا ہوں، اور اوپر سے روح کا نککش جڑ جائے) مشنوی کے آخر میں مولانا نے سلسلہ کلام کو یوں ختم کیا ہے:-

چو فنا داز روزان دل آفتاب      ختم شدہ اللہ اعلم بالصواب

یعنی دل میں جس روشن دان سے نہیں علوم و معارف کا دروازہ اور الہام ہو رہا تھا، اب اللہ کے حکم اور حکمت سے الہام کا یہ آفتاب غروب ہو گیا (بجائے چلی کے استہوار ہو گیا، جیسا کہ اصحاب

معرفت کو یہ دونوں حالتیں پیش آتی ہیں، کتب تصوف میں ان اصطلاحات اور اسما کی تفصیلات دیکھنی چاہئیں، اور اللہ ہی کو خوب معلوم ہے کہ حکمت و مصلحت کس وقت کس چیز میں ہے؟ تجلی فرمانے میں کب مصلحت ہوتی ہے، اور استعارہ انقباض میں کب حکمت ہوتی ہے؟ مثنوی کی تائیدی دوسری وجہ بندہ کے خیال میں مثنوی میں ان مضامین عالیہ کے بیان کے لئے مولانا کا اختیار کردہ اسلوب بیان ہے۔

اور وہ اسلوب بیان حکایت و افسانے کا انداز ہے، کہ افسانوی انداز میں کوئی قصہ یا واقعہ مولانا بیان کرنا شروع کرتے ہیں، پھر اس کے ضمن میں روحانی حقائق نکھیرتے جاتے ہیں، اور اونچے سے اونچے مضامین (کلامی و اعتقادی، عملی امور، ہدایت و ضلالت کی باتیں، اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کے متعلق مباحثہ توحید، محبت و معرفت اور درد و محبت کے مضامین وغیرہ) بیان کرتے چلے جاتے ہیں۔

تیسری وجہ مثنوی کا نظم اور اشعار میں ہوتا ہے، پوری مثنوی اشعار اور نظم میں ہے (چنانچہ لفظ مثنوی شعر و نظم ہی کی ایک صنف کا نام ہے، جس میں ہر شعر کا اپنا قافیہ و ردیف ہوتا ہے، غزل کی طرح پر اور اقدار ایک ہی قافیہ و ردیف میں ہونے کی پابندی نہیں ہوتی)

## مثنوی کا فنی جائزہ

صاحب ”معارف مثنوی“ کے مطابق یہ پوری مثنوی علم عروض کی بحرِ مددسِ مہذوف میں ہے، جس کا وزن یہ ہے:

فاعلاتن فاعلاتن فاعلن

فاعلاتن فاعلاتن فاعلن

تفصیل ملاحظہ ہو:

وز، ہدائی، ہا، حکایت، می کند

بخشود، باز، نے، چو، حکایت، می کند

فاعلاتن، فاعلاتن، فاعلن

فاعلاتن، فاعلاتن، فاعلن

## مثنوی کے پہلے شعر کی تشریح

لے (یعنی ہنسری) سے مراد روح انسانی ہے کہ عالم ارواح (ملکوت) میں محبت و معرفت میں مستغرق و مشغول تھی، عالم اجسام کے ساتھ متعلق ہونے سے صفات جسمانیہ شہوت و غضب کا اس پر غلبہ ہوا، اور اس وجہ سے صفات روحانی یعنی محبت و معرفت و غیر ہائیں کی شروع ہوئی، مگر جاذبہ نہیں یا کسی کامل کی محبت سے باطنی دل، باطنی اللہ کے احوال و واقعات کے مطالعے سے مشتعل ہوا، اور دلائل یا ذوق سے اپنی اصلی حالت اور (روح کی) اصل صفات یاد آ گئیں، تو اس کے فوٹ (ضالع) یا مغلوب ہونے پر افسوس ہوتا ہے، تو اس وقت (آدی) زبان حال یا زبانِ قل سے اس تاسف کو ظاہر کرتا ہے، جو کہ نفسِ لواحد کا درجہ ہے (اس درجے پر پہنچنے والے متوسط سالکین و مریدین کے اسی قسم کے احوال ہوتے ہیں) شکایت سے یہی مراد ہے، اور اس افسوس و غم اور آہ و زاری کے سبب اس کو نے (ہنسری) سے تشبیہ دی گئی (کیونکہ ہنسری کی لے میں بھی بڑا سوز اور درد ہوتا ہے) اور چونکہ صفاتِ حمیدہ روح کی بہت سی ہیں، محبت و معرفت اور ذکر و دائم، ان سب میں (آدی دنیا کی رنگینوں میں کھوکھری) کی پاتا ہے اس لئے ایک ایک کو سوچ کر پریشان ہوتا ہے، کہ ان سب کی جدائی ہوگی، اس لئے فرماتے ہیں کہ (جدائی حال) یعنی کئی جدائیوں کی شکایت کرتا ہے (مثنوی)

فلکِ نگر ہے حیرتِ نیم باز اب تک  
ترا وجود ترے واسطے ہے باز اب تک  
ترا نیاز نہیں آشنائے باز اب تک  
کہ ہے قیام سے خالی تری نماز اب تک  
گسٹو تار ہے تری خود کا ساز اب تک  
کہ تو ہے نغمہ رومی سے ہے نیاز اب تک

## (باب دوم)

## عقلیت پرستی کا عام دور دورہ اور مثنوی

”مثنوی رومی“ کی علمی قدر و قیمت اور دینی افادیت کو سمجھنے کے لئے اس پس منظر کو جاننے کی ضرورت ہے، جس پس منظر میں اور جس دور میں مثنوی کی تدوین ہوئی، یہ ساتویں صدی ہجری کا دور ہے، ساتویں صدی ہجری میں پورا عالم اسلام عقلیت پرستی کی تندہ تیز ہواؤں کی لپیٹ میں آچکا تھا، جس طرح انیسویں اور بیسویں صدی عیسوی میں مغرب نے عقلیت پرستی کا یہ ہگل دوبارہ نئے زاویوں سے پوری بلند آہنگی سے پھونکا تو کیا مشرق، کیا مغرب، ساری دنیا عقلیت پرستی اور مادیت پرستی کے اس صور اور تاقوس کی آواز سے مسحور ہو کر تنگی کا ناچ ناچنے لگی، فرق یہ ہے کہ عقلیت پرستی اور مادیت پرستی کی مغرب سے اٹھنے والی یہ بادِ موسم مذہب سے بغاوت و انکار کر کے، خالص دہریت کو گلے لگا کر سائنس و ٹیکنالوجی کے دوش پر سوار ہو کر چلی، جبکہ پچھلی اور ساتویں صدی ہجری کی عقلیت پرستی کی آندھی منطق و فلسفہ اور علم کلام کے دوش بدوش چلتی رہی ہے، مگر علم کلام تو ظاہر ہے کہ مذہب کے انکار پر نہیں، بلکہ مذہب کی حمایت پر تیار رکھتا ہے۔

فرضیکہ ساتویں صدی ہجری کی اسلامی دنیا میں کلامی مباحث کے لفظی تھے، عالم اسلام کے علمی و فکری حلقے اور تعلیمی ادارے، فلسفیانہ مباحث اور کلامی مسائل سے گونج رہے تھے، عالم اسلام کے مقتدر و موثر طبقات دینی عیاشی کے طور پر ان رائج الوقت فلسفیانہ اور کلامی علوم و فنون میں گہری دلچسپی رکھتے تھے، بادشاہوں کے دربار اور امیروں کی ڈیویژن حیاں ان علوم کے ہاکمال حالمین کی جھمکوں اور نکھرے سیموں سے گونجتے تھے، اور جدل و مناظرے کے گویا اکھاڑے بنے ہوئے تھے، وہی انسان مہذب اور اعلیٰ تعلیم یافتہ شمار ہوتا تھا، جو منطق و فلسفہ

کے اصول و قواعد اور طریقے استدلال سے واقف ہوتا اور کلامی اصطلاحات میں ورک رکھتا ہوتا۔ متکلمین کے مختلف طبقات فکر کے اختلافات اور ان کے باہم اختلافی مسائل کو اچھی طرح جانتا اور ان میں بے تکلف بحث اور بات چیت کر سکتا ہوتا۔ معتزلہ اور اشاعرہ کے اختلافات، اشاعرہ اور حنابلہ کے اختلافات ۱۔ ماترید یہ ۲۔ ح ۳ اور اشاعرہ کے اختلافی نکات پر عبور رکھتا ہوتا۔

گویا کہ اُس زمانہ کی یہ ایک طرح سے روشن خیالی اور جدت پسندی تھی، کہ آدمی ان فلسفیانہ اور کلامی مباحث پر عبور بھی رکھتا ہو، اور سوسائٹی کی عام ریت و روایت کے مطابق فحی و دعوائی مجالس و محافل یا ثقافتی اور ریاضتی تقریبات میں بے تکلف اور بے دھڑک ان موضوعات پر

۱۔ امام احمد بن حنبل (۱۲۴ھ تا ۲۴۱ھ) جس طرح فقہ میں اہل سنت کے امام ہے، اور آپ کی فقہی اہل سنت کے چار فقہی مذاہب میں سے ایک ہے، اسی طرح عقائد اور کلام میں بھی معتزلہ کے مقابلے میں اہل سنت کے امام ہیں۔ خصوصاً خلق قرآن کے مسئلہ میں آپ نے جان بکھیل کر سنت دانستے کا اور متنب صاحبین کے طریقے کا دفاع کیا، اور اہل سنت کے مذہب کو محفوظ کیا، اور آپ عقیدے کے اس مسئلہ میں خاص طور پر اہل سنت کے امام تھے۔ فقہ حنفی کے مالکین عقائد کے مقابلے میں امام احمد بن حنبل کے ذاتی اور طریقے کی غیر معمولی پابندی کرتے تھے، تو حیدر بن علی قرآن کے مسئلہ میں تو بعض دھڑے چاہتے تھے کہ حدیث کو چھوڑنے لگتے تھے، جن کو ”جملہ احنابلہ“ کے نام سے اہل علم نے یاد کیا ہے، یہو حال عقائد میں بھی امام احمد بن حنبل کے مقلدین چاہتے تھے، اور معتزلہ و اشاعرہ سے الگ ان کی مستقل جگہ علی بن علیت اور مقام ہے۔

۲۔ امام ابو نعیم اترقی دہراؤ (متوفی ۳۳۴ھ) امام ابو الحسن اشعری کے ہم عصر و ہم زمانہ ہیں، سرقہ (دہلی) شاہ جس کو گزشتہ زمانوں میں دہراؤ کہتے تھے) اسے خلق دیکھتے تھے، جنہی مذہب کے لحاظ سے امام ابو الحسن اشعری دہراؤ تھے، کہی دہراؤ، انجک امام ابو نعیم اترقی دہراؤ تھے، کہی دہراؤ تھے، شیخ اشعری کی طرح شیخ اترقی بھی طرہ عقائد کا نظام میں اہل سنت کے امام ہیں، اشاعرہ کے علم کلام میں ذات و صفات، باری تعالیٰ اور بعض دیگر مسائل میں معتزلہ کے دھڑے میں یکسو ہوتے سے زیادہ آگے تھے، شیخ اترقی دہراؤ نے ان مسائل سے اختلاف کیا، اور علم کلام کی تصحیح جہاد یہ کر کے اسے زیادہ جانتا اور معتزلہ کا اس طرح لگ بھگ تیس مسائل میں اشاعرہ اور دہراؤ یہ ہیں، جزوی اختلاف ہوا، اختلاف ان اختلافی مسائل میں اترقی اشعری کے لیے ہیں، اور مشائخ اشعری تھو ٹھوکر، چونکہ یہ عمل جزوی اختلاف ہے، اس لیے مجموعی طور پر تو حساب اہل سنت لیکن اترقی دہراؤ یہ دہراؤ کو اشاعرہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، اور ان اختلافی مسائل کے علاوہ اترقی یہ بھی اشاعرہ کہلاتے ہیں، اس طرح اہل سنت کے عقائد میں گویا نئی مکتب فکر ہو گئے، حنابلہ، ماترید یہ اور اشاعرہ (دیکھئے تاریخ مذہب و تاریخ، جلد اول، مصلحتہ اب)۔



لترچج عربی میں مختل ہوا ( نیز قدیم مذاہب کے اہل علم اور فضلاء سے مسلمانوں کا ارتباط اور تبادلہ خیالات ہونے لگا، تو مسلمانوں کے وہ افراد اور گروہ جو سنی اور کپاہا بن رہے تھے، ان کے افکار و علوم سے متاثر ہونے لگے ) اور مامون الرشید نے غیر معمولی روشن خیالی کا ثبوت دیتے ہوئے دارالتراجم قائم کر کے یونانی منطق اور فلسفے کا بہت بڑا ذخیرہ عربی میں مختل کرایا ( دارالتراجم کا آغاڑ مامون کے پردادا خلیفہ منصور کے دور میں محدود درجے میں ہو گیا تھا، مامونی عہد میں یہ درجہ کمال کو پہنچا ) اس سے مامون اور اس کے ہمنواؤں کے ذہم کے مطابق کچھ جزوی اور وقتی فائدے مسلمانوں کو حاصل ہوئے ہوں یا نہ ہوئے ہوں، اگر ہوئے بھی ہوں تو وہ اس آیت کے مصداق ہیں۔

”يَسْتَلُونَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ، قُلْ فِيهِمَا اِثْمٌ كَبِيرٌ وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ“

لیکن ان یونانی دینی و ملائی و فطری خصوصاً الہیات کے باب میں غراقات کے پلندوں کے عربی میں مختل ہونے اور مسلمانوں میں راہ پانے سے اسلامیت کی روح کو اور عالمگیر اسلامی معاشرے کی مذہبی اقدار اور بنیادوں کو سخت صدمہ پہنچا، اس سے جہاں ایک طرف مسلمانوں کے کئی گروہ قرآن و حدیث کو چھوڑ کر یونانی منطق و فلسفے پر جھک پڑے، فلسفیات الہیات، افلاطونی اشراقیت اور ارسطوی مشائیت میں ہدایت و صوفی نے لگے جو بڑا ہاں اقبال مرحوم:

تہان لہجہ کے بھاری تمام

تہان تصوف شریعت کا نام

کے مصداق تھا۔

تو دوسری طرف اسلامی دنیا کے طول و عرض اور اطراف و جوانب کے غیر مسلم اقوام اور مسلمانوں کے فرق باطلہ نے منطق و فلسفے کے انجی ہتھیاروں کو لے لے کر، اس یونانی اسلحہ سے مسلح ہو کر اسلام کے اصول و عقائد پر دھاوا بول دیا، اور شریعت کی بنیادوں پر قبضے

کا کرنا شروع کر دیا۔ کتب کا کتاب کر کے لائیں، اس طرح مصر، شام، اردن و غیرہ مختلف ممالک میں لاکھوں روپے دے کر فضلاء و دانشمندیوں کو چھانٹ کر فلسفہ و حکمت کی کتابیں لے کر آئیں۔ مامون کی حفاظت کا عرصہ لگ بھگ بیس سال رہا ہے، ۸۵۰ھ میں وفات پائی۔



چلائے، انہی یونانی فنون کے ذریعہ پر اسلام کے اصول و فروع پر طرح طرح کے اعتراضات کرنے اور مسلمانوں کے ایمانیات و اعتقادات میں تزلزل اور شکوک و شبہات پیدا کرنے کے کام میں یہ سب باطل پرست گروہ اور غیر مسلم اقوام خصوصاً عیسائی، یہودی اور زہم خوردہ مجسخت گئے۔

عالم اسلام میں درآنے والے اور سر اٹھانے والے ان اندرونی اور بیرونی فتنوں اور سازشوں کا طبعی اور محلی توڑ اور تعاقب محققین اہل علم، بزرگان دین اور علمائے راہنہ سب نے اپنی اپنی بساط کے مطابق کیا، محدثین، فقہاء، مفسرین وغیرہ اہل علم کے مختلف طبقوں اور حلقوں نے اپنے اپنے طریقے پر طبعی بنیادوں پر بھی اور اپنی دعوتی و اصلاحی مساعی کے ذریعے بھی ان فتنوں کا تعاقب کیا، اسلام کی ممانعت و ترجمانی کی، مخالفین کے باطل عقائد اور بدوے نظریات کے تار پود یکسرے، ان کی دیسہ کاریوں اور اشکالات و اعتراضات کا تجزیہ کیا، اور جوابات دیئے (ان علماء محققین، سلف صالحین کی متعلقہ تصانیف ان مباحث سے لبریز ہیں)

## معترزلہ کی تحریک اعتراضات کا آغاز

عالم اسلام میں یونانی و سریانی لٹریچر کے در آنے اور فتنہ بچانے کے دور اولیس میں ہی (بلکہ اس سے بھی کچھ پہلے) معترزلہ کا فرقہ وجود میں آ گیا تھا۔ ۱

۱۔ جامل بن مطار (۸۰-۱۳۱ھ) لڑکھڑکائی کہا جاتا ہے، مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے، بعد میں ترک وطن کر کے مصر چلے گئے، جہاں غریب حسن بصری رحمہ اللہ علیہ (۱۱۰-۱۱۵ھ) کی مجلس علم میں شریک ہو کر کسب فیض کرتے رہے۔ غریب کے حلقہ درس میں ایک اعتقادی مسئلہ پر اس نے غریب کی مخالفت کی، اور اپنی بات پر اصرار کیا، اور غریب کے حلقہ سے الگ ہو گیا، لہذا معترزلہ کی وجہ سے یہ بھی قرار دی گئی ہے، الگ ہونے والے، منحرف ہونے والے، کہا آپ غریب سے الگ ہو گئے تھے، اہل سنت کے طریقے سے منحرف ہو گئے تھے، عجم بن مفلحان کے ساتھ ایک جگہ میں آپ کے دروازہ پر رام رہے، جمالی کی طرح آزاد خیالات رکھتے تھے، اور بعد میں بحسب کے خلاف آزاد اٹھانے پر مارے گئے، اسی طرح ﴿بہت عجیب و غریب طے پڑا، فرمایا﴾

جو صحابہ اور سلف صالحین کے طریقہ سے انحراف کر کے، اور وحین اسلام کی ترجمانی اور قرآن کی تفسیر و تفہیم میں سنت سے بغاوت کر کے اور سنت کی اور صحابہ کے طریقہ کی اتھارٹی ہونے سے انکار کر کے محض اپنی عقل پر بھروسہ کرنے اور عقل و استدلال کی بنیاد پر اسلام کی من مانی تفسیر کرنے والا گروہ تھا، جس طرح صحابہ کے آخری دور میں صحابہ کے مقابلہ میں روافض اور خوارج کے نام سے دو باطل تحریکیں اور گمراہ فرقے وجود میں آئے تھے، اور بڑے زور و شور سے انہوں نے اسلامی دنیا میں فساد و انتشار برپا کیا تھا۔

اسی طرح تابعین اور تبع تابعین کے دور میں معتزلہ کا یہ فرقہ بھی پورے زور و شور سے اٹھا، اور روافض و خوارج کی طرح انہوں نے بھی اہل سنت سے بالکل الگ اپنی راہ نکالی، حسن انتہا تک کہتے یا شیعہ قسمت کہ خلیفہ مامون الرشید بھی ان کے زمرے میں داخل ہو کر ان کا پشتیان بنا اور بڑی قوت اس نے اہل سنت کے برخلاف معتزلہ کے نظریات و اعتقادات خصوصاً خلق قرآن کے مسئلہ کو ریاستی دستور اور پالیسی کا حصہ بنایا، اور مسلمانوں پر مسلط کرنے لگا اور علمائے امت کی وار و گیر شروع کی کہ وہ معتزلہ کی جھوٹی کریں، اور خلق قرآن کے مسئلہ کو تسلیم کریں (امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے اس سلسلہ میں جو قربانیاں دیں، اور مامون اور اس کے جانشینوں کے ہاتھوں تشدد اور قید و بند کا نشانہ بنے، اور بالآخر حق کی فتح کے ساتھ سرخرو ہوئے، وہ اسلامی تاریخ کا ایک روشن باب ہے)

### ﴿ گزشتہ صفحے کا اختتامیہ ﴾

عمر بن عبد العزیز کے بعد معتزلہ کے قدیم ترین شاخ اور لمبائی شخصیت تھے، یہ اصل کے برابر حق تھے، اس کی بہن اصل کے گھر تھی، یہ بھی روایت ہے کہ اصل نے اسلامی دنیا کے کلب ممالک اور علاقوں میں اپنے داعی اور مبلغ بھیجے، جو اس کے خیالات و نظریات لوگوں میں پھیلاتے تھے، چنانچہ مہاکرم شہر حنفی نے اپنے زمانے میں دسویں ہجری کے لڑنے کا ذکر کیا ہے، جو مغرب میں قادیانہ و داعی کی طرف منسوب ہوا اور معتزلہ کی ایک شاخ ہو، اصل سے چار خاص عقیدے اور نظریات منسوب کئے جاتے ہیں، جو معتزلہ کے سرکردہ عقائد و عقائد ہیں، جن پر معتزلہ کی بنیاد ہے۔

## معتزلہ کا غلو و بے اعتدالی

معتزلہ نے پرانی منطق و فلسفے کو ہاتھ لیا، اور اس کے اصول و قواعد اور طرز استدلال کو اختیار کر کے اور معیار بنا کر وہ اسلامی احکام اور اسلام کے اصول و فروع کو جانچنے، ٹاپنے، اور تولنے لگے، معتزلہ نے اپنی من مانی تحریکات و تاویلات سے اسلام کا جو قالب تیار کیا، اس کو وہ حرف آخر سمجھتے تھے، اور اپنے ان مباحث و اعتقادات کو کفر و اسلام کا معیار ٹھہراتے تھے۔

یہ گویا کہ ان کی چوری کے ساتھ ساتھ سینہ زوری بھی تھی، کہ اول تو سلف صالحین، صحابہ و تابعین سے بغاوت کر کے دین میں نقب زنی کی، اور پھر اسلام کے ٹھیکیدار بھی بن گئے، ان کی ساری ذہانتیں اور سرگرمیاں اہل سنت کا ناقض بننے کے لئے وقف تھیں۔

خلیفہ مامون اور اس کے بعد متعصم باللہ کے دور میں جب معتزلہ تخت و تاج کے ایک طرح سے مالک تھے، تو انہوں نے پورے عالم اسلام کو تحریک اعتزال میں رکھنے کی ٹھانی، متعصم کے بعد جب یہ شاہی اہوانوں سے بے دخل ہوئے، تو جب بھی انہوں نے کم از کم سو سال کے عرصے تک علمی و درسی ہوں اور اپنے فکری حلقوں کے ذریعے عالم اسلام میں اعتزال کا جادو جگائے رکھا۔

## اہل سنت کے امام العقائد شیخ اشعری کا دور

قدرت کے فیصلے بھی خرابے ہوتے ہیں، لوہے کو لوہے سے کانٹے کا اصول صرف بے جاہن و حقائق کے لئے ہی نہیں، بلکہ جیتے جاگتے انسانوں کے عالم میں بھی یہ اصول قدرت نے بڑی دصمت کے ساتھ برتا ہے، ملاحوں کے گھر موٹی، آذر کے گھر ابراہیم کو پیدا کرنے والے رب نے معتزلہ کے گھر میں شیخ ابوالحسن اشعری (۳۶۰ھ تا ۴۳۳ھ) کو پیدا کیا، تیسری صدی ہجری بھی سمجھیں کہ معتزلہ کے عروج کی صدی تھی، اس صدی میں بھی علمی دنیا میں ان کا طوطی بول رہا، اور وہ دغا دے رہے، تا آنکہ اس صدی کے آخر میں معتزلہ کے امام وقت ابوطی

جہاں ۱۔ کی آغوش میں پلنے والا، اس کے دامن تربیت میں نشوونما پا کر، اعتزال کی مسبوہ شخصیت و امامت کا مصدر نقشبین اور ابوبلی جہاں ۲ کا چاشمین بننے والا، اور دسیوں سال تک ابوبلی جہاں ۳ کے پہلو بہ پہلو، قدم بہ قدم، معتزلہ کی سیادت و قیادت اور اعتزال کی مدافعت کرنے والا شیخ ابوالحسن اشعری، آخر کار اعتزال پر تین حرف بھیج کر صحابہ و تابعین اور سلف صالحین کے طریقے کو قلمبند کیا ہے، اہل سنت میں شامل ہوتا ہے۔

شیخ اشعری نے پھر اسی علم کلام کو جو معتزلہ نے اہل سنت کے مقابلے اور سنت کی تردید کے لئے تشکیل و ترتیب دیا تھا، اسے سنت کی حمایت و مدافعت اور معتزلہ اور دیگر مافرق باطلہ اور ادیان و مذہب ضالہ کی تردید کے لئے مرتب کیا، پھر شیخ اشعری کی باقی زندگی سنت کی ترجمانی اور اہل سنت کی طرف سے مدافعت اور معتزلہ کی اصلاح و ہدایت میں خرچ ہوئی، شیخ، عقائد اور علم کلام کے میدان میں اہل سنت کے امام قرار پائے۔

## معتزلہ کا زوال اور اہل سنت (اشاعرہ) کا عروج

شیخ کے بعد معتزلہ کے مقابلے میں اہل سنت کے متشکمین اور ائمہ اشاعرہ کے نام سے موسوم ہوئے، جنہوں نے شیخ اشعری کے اصولوں پر معتزلہ کو ہر میدان میں شکست کاٹ دی، تا آنکہ ان کا نام صرف تاریخ میں باقی رہ گیا (انیسویں صدی میں انگریزوں اور مغربی

۱۔ ابوبلی جہاں ۲ تیسری صدی ہجری میں معتزلہ کے امام اور شیخ وقت تھے، شیخ اشعری کے والد اسماعیل کی وفات کے بعد اشعری کی والدہ نے ابوبلی جہاں ۲ سے نکاح کر لیا تھا، شیخ اشعری بھی بچے تھے، ان کی پرورش و تربیت جہاں ۲ نے کی، اور مذہب اعتزال میں اسے خوب ماہر اور کامل بنایا، اشعری کم سنی سے ہی ذہین و فہیم، عیاد مغز، حاضر جواب اور بحث اور مناظرہ کے ماہر تھے، ۱۱۰ھ میں جہاں ۲ نے مذہب اعتزال کی امامت و مدافعت میں ان سے خوب کام لیا، حاضر و اور علمی معرکے ہارنے کے لئے جہاں ۲ کو مارا گئے آگے دیکھتے تھے، اس طرح تھوڑے عرصے میں ہی جہاں ۲ کی جہاد میں اشعری معتزلہ کے علمی حلقوں کے مصدر نقشبین اور چاشمین بن گئے، جب شیخ اشعری اعتزال سے تائب ہوئے اور اہل سنت کے مذہب میں داخل ہوئے تو جہاں ۲ نے بھی آپ کا ایک دلچسپ مناظرہ ہوا، جس میں جہاں ۲ نے اپنے اہل علم کو اساتذہ اور اصحاب ہونا چاہا، عقائد و کلام کی کتب میں اس مناظرے کی روایت ملتی ہے، علم کلام کی تصانیف کتاب ”شرح عقائد نسفی“ میں بھی اس مناظرے کا حال درج ہے۔

قوموں کی عقلیت پرستی و مادیت پرستی کی تحریک جب اسلامی دنیا میں پہنچی، تو یہاں اعتزال کی تحریک دوبارہ زندہ ہوئی، اور معتزلہ جدید پیدا ہوئے، برصغیر میں یہ نیچری کہلائے، سرسید برصغیر میں اعتزال جدید کا بانی تھا، گویا دوسرا اصل بن عطاء تھا، ترکی میں ضیاء گوک الپ، مصر میں طہ حسین، روشن خیال، جدت پسند، سکالر و دانش ور، اعتزال کا جدید ایڈیشن تھے)

## اشاعرہ کا چوتھی سے ساتویں صدی تک کا زمانہ

چوتھی صدی ہجری سے علم و عقائد کدہ الکلام کے میدانوں میں اشاعرہ غم خوئیہ کر اتر چکے ہیں، اس طرح اسلامی دنیا کے بیشتر فکری حلقے، علمی درس گاہیں حتیٰ کہ حکومتی ایمان اور شاہی دربار اشاعرہ کی باکمال ہستیوں سے معمور نظر آتے ہیں، چوتھی صدی ہجری سے ساتویں صدی ہجری تک کا سارا زمانہ اشاعرہ کے بھرپور عروج کا زمانہ ہے، خصوصاً سلجوقیوں کے عہد اقتدار (پانچویں صدی ہجری) میں اشعریت کو بہت فروغ اور عروج حاصل ہوا۔

## مدرسہ نظامیہ بغداد و نیشاپور

اس زمانہ میں بغداد اور نیشاپور کے مدرسہ نظامیہ کے قیام نے (جو کہ صدیوں تک بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹیوں کی حیثیت اور شان رکھتی رہیں، عالم اسلام کی بڑی سے بڑی یگانہ روزگار ہستیاں، ان ہی اسلامی جامعات نے عالم اسلام کو عطا کیں، جیسے امام غزالی رحمہ اللہ) اشعریت کو علمی طور پر بہت مضبوط کیا، اور دنیا کے اطراف و اکناف سے آنے والے مسلمان طلباء اہل سنت کے اشعری عقائد اور علم کلام کو پورے عالم اسلام میں پھیلانے کا ذریعہ بنے، شیخ اشعری کے بعد چوتھی صدی سے اس ساتویں صدی تک (یعنی مولانا رام کے دور تک جو شمس کا شمار ہونے سے پہلے خود بہت بڑے اشعری ستون تھے) اشاعرہ اہل سنت میں ایک سے بڑا ایک یگانہ روزگار اور تابعدار وقت عالم رہائی اور محقق پیدا ہوا۔

## اشاعرہ کے چند معروف ائمہ وقت اور متکلمین

چوتھی صدی ہجری میں قاضی ابوبکر باقلانی (متوفی ۴۰۳ھ) جو امام باقلانی کہلاتے ہیں، شیخ ابواسحاق اسرہاکی (متوفی ۴۱۸ھ) پانچویں صدی ہجری میں علامہ ابواسحاق شیرازی (متوفی ۴۷۶ھ) امام الحرمین ابوالعالی علامہ جوینی (متوفی ۴۷۸ھ) حمید الاسلام امام فخرانی (متوفی ۵۰۵ھ) غلویت گزینی اختیار کرنے سے پہلے کا دور) اور چھٹی صدی ہجری میں امام فخر الدین رازی (صاحب تفسیر کبیر، متوفی ۶۰۶ھ) جنہوں نے اشعری کلام کی دھماک ایسی عظمت کے ساتھ بھنائی کہ اس کے مقابلے میں سب آوازیں دب گئیں، اور اس کی صدائے ہادشت عالم اسلام کے علمی دریاگوں اور فکری حلقوں میں مشرق سے مغرب تک گونجنے لگی، تفسیر کبیر میں کیا فلاسفہ، کیا زنادقہ، باطنیہ، کیا معتزلہ، کیا رافضی، کیا خوارج اور کیا دیگر ادیان و شرائع والے، آپ نے سب کا ناقض بند کر کے رکھا۔

## ہر کمالے راژ والے

لیکن ہر چیز کی ایک حد ہوتی ہے، حدود و قیود کو توڑنا، اور غلو میں پڑنا یہ کسی چیز میں اچھا نہیں، خصوصاً دین کے ایجاب میں، علم کلام کی حد اور اس کی غرض و غایت، عقل و استدلال کی راہ سے دین کی حقیقت اور عقل پرستوں، اور دیگر مذاہب والوں کے اعتراضات کے جوابات دے کر مسلمانوں کو ان کے اعتراضات اور شکوک و شبہات سے بچانا تھا۔

دوسرے مذاہب و شرائع کے مقابلے میں اسلام کے عقائد و اصولوں اور مسلمانوں کے فرق باطلہ کے مقابلے میں صحابہ و سلف صالحین کے اخذ کردہ اہل سنت کے اصولوں سے ان کو واقف و متعارف کرانا اور اسلام اور سنت پر ان کو مطمئن کرنا تھا، لیکن ساتویں صدی ہجری میں پہنچتے پہنچتے اشاعرہ کے بیشتر علمی حلقے معتزلہ کا تعاقب کرتے کرتے خود اسی غلو کی طرف جانے لگے، کہ عقل و استدلال کو نفس ایمان اور ایمانیات میں غور و فکر اور بحث و مباحثہ کا پیمانہ بنانے

لگے۔ اس سے ایمان بالغیب کو نقصان پہنچا۔

## ایمان قلبی یقین سے وجود پاتا ہے

اسلامی معاشرے کے اصل جوہر اور امت کے امتیازی خصوصیات جن سے یہ امت ہمیشہ دنیا میں سر بلند و سرخرو ہوتی رہی، اور کامیابی مسلمانوں کے قدم چومتی رہی، وہ عقل و استدلال کے زور پر دماغی طبیعت سے وجود میں نہیں آتے، بلکہ ایمان بالغیب کے قلبی یقین اور اس قلبی یقین کی روشنی میں پورے اخلاص کے ساتھ اعمال صالحہ کرنے سے حاصل ہوتے ہیں، کلامی مباحث تو نہ ماننے والوں اور اعتراض کرنے والوں (مخالفتیں اسلام و سنت) کو عقل کے راستے سے سکت کرنے اور اسلامی احکام و اصولوں کی معقولیت اور آفاقیت بتلانے اور جتانے کے لئے تھے (نہ کہ نفس ایمان اور قرآن و سنت کے صریح اصولوں کو خود تسلیم کرنے کے لئے ان کو کلامی گفتیش سے گزرنے کی ضرورت تھی) نفس ایمان کا مخلص کلامی مباحث سے وجود میں آتا اور پہنچتا و پہلنا پہولنا محض خام خیالی ہے۔

مثنوی شریف جس دور میں لکھی گئی، اس وقت خود شاعرہ کے اہل علم بڑی حد تک علم کلام کے متعلق اسی غلو میں پڑ گئے تھے، جس میں کبھی معتزلہ پڑے تھے، اور اس کا اثر پورے اسلامی معاشرے پر، خصوصاً مسلمانوں کے مؤثر و مقتدر طبقات پر پڑ رہا تھا۔

مثنوی روم میں مولانا رومی کے دور رس نگاہ بصیرت نے عقلیت پرستی کے اس مزمین مرض کی تشخیص بھی کی ہے، اور علاج بھی کیا ہے۔ سب مسلمہ آج پھر اسی دلدل میں اتر چکی ہے، جس میں کبھی یونانی و سریانی لٹریچر کے عربی میں منتقل ہونے کے دور میں وہ دھنسی تھی اور معتزلہ نے کلامی مباحث کے ذریعے کبھی اسے دھنسا یا تھا، پھر امام غزالی کے دور میں وہ اس راہ پر گامزن ہوئی تھی اور امام غزالی اور اس دور کے دیگر ارباب عزیمت کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے امت کا قبلہ سیدھا کیا تھا، پھر مولانا رومی کے زمانے میں وہ اسی ڈگر پر چل پڑی تھی، اور

رودی نے مثنوی کا قیامت خیز تصور پھونک کر اسے جھجھوڑا اور اس کا زرخ سیدھا کیا۔

## مثنوی کا پیغام آج بھی تروتازہ ہے

آج بھی جبکہ امت (خصوصاً جدید تعلیم یافتہ طبقات) پھر عقل اور مادیت پرستی کے بت کی پوجا میں لگ گئی ہے، اسے اس دلدل سے نکالنے کے لئے مثنوی کے پیغام میں وسیع امکانات ہیں۔ شاعر مشرق علامہ اقبال مرحوم نے مغربی زندگی کو بہت قریب سے اور اندر گھس کر دیکھا، اور مسلمانوں کے مغرب پرستی اور مادیت پرستی کے مرض کو بھی اچھی طرح تشخیص کیا، مثنوی مرحوم سے ان کو جو ایمانی حرارت اور روح کی پالیدگی ملی، قوم کو انہوں نے اپنے اردو وقاری دونوں زبانوں کے کلام میں جا بجا اس کی طرف متوجہ اور متنبہ کیا ہے اور بتایا ہے کہ تمہارے امراض اور ان کا علاج قرآنی تعلیمات کی روشنی میں مثنوی میں بہت اچھے طریقے سے سمویا ہوا ہے۔ لیل من مدکر۔

مولانا کی علمی اٹھان اور فکری نشو و نما اسی فلسفیانہ اور کھائی ماحول میں ہوئی تھی، اشعری علمی حلقوں میں پنے بڑھے تھے، اشعریت آپ کی تمثیل میں پڑی تھی، خود ایک کامیاب و تبحر شکلم اور ماہر اشعری عالم تھے، منطق و فلسفہ اور علم کلام کے اصول و فروع پر حاوی اور رنگ سے واقف تھے، اس لئے معرفت و حقیقت کے مقام پر قائل ہونے کے بعد مثنوی میں آپ ان عقلی و روحانی علوم، اور کھائی طول لاطائل مباحث اور فن ترانوں پر نقد و نظر اور عمل جراتی (پوسٹ مارٹم) کرتے ہیں، تو یہ کوئی ”دو پانے کی بڑ“ نہیں ہوتی، بلکہ اپنے ذاتی تجربے و مشاہدے کی روشنی میں سب کچھ کہہ رہے ہوتے ہیں، کیونکہ خود اس صحرا کی دشت نوروی میں ایک عمر گزار چکے ہیں، اور اس آگ میں جل چکے ہیں، بقول اقبال

اس آگ میں ڈالا گیا ہوں مثلِ خلیل

یہ ایسے باخبر شخص کا کیا ہوا تجزیہ و تبصرہ ہوتا ہے جس پر فلسفی کمزور یاں اور عقل و استدلال اور



قیاس کے راستے کی غلطیاں اور گمراہیاں مکمل یکجہ ہیں، فلاسفہ اور عالمی متفکرین اور متاقلق داخل استدلال کے بودے اصولوں کی بے ڈھنگی، بے وقعتی اور ناپائیداری خبر سے گزر کر صاحب نظر ہونے، قال سے گزر کر صاحب حال ہونے اور مقام حقیقت تک رسائی پانے کی وجہ سے اس پر اچھی طرح واضح ہو چکی ہے، وہ پورے یقین کے ساتھ ”برہان قاطع“ اور ”سلطان مبین“ کی روشنی میں معقولوں کے بے ہوئے جالوں کے تانے بانے کھولتا اور تار پود بکھیرتا نظر آتا ہے ”وَإِنْ أُوْهِنَ الْبَيِّنَاتُ لَيْسَ الْعَمَكُنُوتُ“

## فلسفہ و کلام کی در ماندگی

عالم اسلام کے بیشتر علمی حلقوں کا منطق و فلسفہ میں غیر معمولی اعتدال اور علم کلام کو منطق و فلسفہ کے قائم کردہ عقلی اصولوں پر استوار کرنے کا یہ منہی نتیجہ نکل رہا تھا کہ مقدما ت محققہ کے ذریعہ منطقی طریقہ پر کسی نتیجہ کو ثابت کر دینے اور فلاسفہ یونان نے جن اصولوں اور نتائج کو قطعی اور بدیہی بتایا ہے، ان کا نام لے لینے کے بعد یونانیوں کے حلقہ بگوش ان پر ستار ان عقل کی زبانیں گنگ اور دماغ ماؤف ہو جاتے تھے، گویا کہ شریعت محمدی کے اصول و احکام کو پر کھنے کا بیان ان معقولین نے یونانی مشرکوں اور طہود کے قائم کردہ اصولوں کو بتایا تھا، سوچنے کی بات یہ ہے کہ انبیاء کے مباحث اور اللہ تعالیٰ کی معرفت اور اس کی ذات و صفات کی آگہی میں یہ عقلی اصول کافی ہوتے اور عقل کی رہنمائی کفایت کرتی تو اللہ تعالیٰ انبیاء علیہم السلام کو کیوں مبعوث فرماتے، اور انبیاء کی شریعتوں سے محروم و منکر یونانی فلاسفہ اپنی عقلی ہمدانی کے باوجود گمراہ کیوں ہوتے؟ یہ یونانی فلاسفہ اپنی ذہانتوں اور اپنے ترتیب دینے ہوئے فلسفیانہ اصولوں کے باوجود ایک خدا کی، زمین و آسمان کے خالق کی معرفت تک نہ پہنچ سکے، کوئی دہری و مادہ پرست تھا، مادہ و حیوانی کے گورکھ و حندوں میں ٹانک ٹوٹیاں مار رہا تھا، اور اس کو ازلی وابدی ثابت کرنے پر علا ہوا تھا، تو کوئی عقلی مشرک کا پرستار اور اس وحشی

و سطعی شجرہ تحقیق پر سارے سلسلہ موجودات کی بنیاد رکھتا تھا، اس طرح مشرک اور دہریت کو گویا کہ فلسفیانہ غلطیوں میں لپیٹ کر یہ یونانی مشرک اور دہری عقل و استدلال کے نام پر یونانی علم الامام اور مجموعہ خرافات کو انسانوں میں پھیلا رہے تھے، قسم بالا نے قسم تو یہ ہوا کہ یہ یونان جب مسیحی روم کا حصہ بنا، تو مسیحی رومی سلطنت نے ان یونانی فلسفوں کو خرافات کا پلندہ قرار دینے رکھا، اور ان علوم کے غلطیے یونانی اور رومی معاشروں میں عام نہ ہو سکے، بلکہ مخصوص علمی و فکری حلقوں تک ہی محدود رہے، لیکن اسلامی روشن خیالوں، معجز و مسلم فلاسفہ یعقوب کندی، ابوعلی سینا، قارانی، ابن رشد، اخوان الصفا اور ان کے ہمواؤں نے (یہاں تک کہ متاخرین متفکرین نے بھی) یونانی فلاسفہ اخلاطوں و ارسطو وغیرہ کو درجہ تقدس تک پہنچا دیا، اور مقام عصمت پر ان کو فائز کر دیا تھا (گو اعتقاداً نہ کسی لیکن عملاً یونانی و عجمی معنولات میں ان کے توغل سے یہی نتیجہ نکلتا ہے) اور ریاضیات و طبیعیات کی طرح ان کی الہیاتی و مابعد الطبیعیاتی خرافات و جنملات اور وہی گہاؤں (معتول عشرہ، افلاک، مادہ و صیولی وغیرہ کے باب میں) کو انبیاء کی شریعتوں کا سادہ دے رکھا تھا، حالانکہ ان چیزوں کو تسلیم کر کے اسلام کے نظریہ توحید اور اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات اور مشر و معاد کے متعلق منصوص احکام پر صحیح معنوں میں ایمان باقی نہیں رہ سکتا۔

## مابعد الطبیعیاتی حقائق تک رسائی کا ذریعہ صرف وحی

یونان کا جو کچھ طبی و خیرہ دوسری صدی ہجری میں عالم اسلام میں منتقل ہوا، اور تراجم ہو کر اسلامی دنیا میں پھیلا، اس میں کچھ تو منطقی، طبیعیات (فزکس) منضریات، ریاضیات کے علوم پر مشتمل لٹریچر تھا، ان فنون کے لینے اور ان سے استفادہ کرنے میں تو کوئی حرج نہ تھا، ایک حد تک یہ مفید تھے، کیونکہ ان کا فہمی امور سے واسطہ نہیں، کائناتی اشیاء اور امور عامہ کے متعلق طویل انسانی تجربات اور فکر کا یہ نتیجہ نہ تھا۔

لیکن ان کا جو لٹریچر الہیات اور مابعد الطبیعیات پر مشتمل تھا، الہیات اور مابعد الطبیعیات پر مشتمل یہ سارا ذخیرہ وحی الہی سے متصادم تہہ بہ تہہ گمراہیوں پر مشتمل یونانیوں کا علم الامنام تھا، جو انہوں نے بڑی عیاری سے فلسفیانہ زبان اور علمی اصطلاحات میں ڈھال لیا تھا، یہ سارا ذخیرہ الہیات و مابعد الطبیعیات مفروضات، وہیات کا ایک ظلم ہو شر با تھا، جس کا نہ کوئی ثبوت تھا، اور نہ اس کا کوئی واقعی وجود، کہیں اس میں عقول عشرہ واطلاک کا شجرہ نسب اور تدریجی مراحل کا بیان اور فلاسفی ہے، اور کہیں ان فرضی و تخیلاتی عقول واطلاک کے افعال و حرکات کا زانچہ اور دو اتریناے اور مرتب کئے گئے ہیں۔

الہیات اور مابعد الطبیعیات کے مباحث اور اللہ تبارک و تعالیٰ کی ہستی اور اس کی ذات و صفات کے مسائل، علمی عقلی موشگافیوں اور قیاس آرائیوں کا میدان نہیں، اس بارے میں انسانوں کا ذریعہ علم صرف انبیاء علیہم السلام کی لائی ہوئی شریعتیں اور وحی الہی کے ذریعے انبیاء کو موصول و حاصل ہونے والے اشار و احکام ہیں، اسی سے اللہ تعالیٰ کی صحیح و حقیقی معرفت اور اس کی صفات و کمالات کا علم ہو سکتا ہے، اور انسان کے ساتھ اس رب کے تعلق کی نوعیت اور انسان کا مقصد تخلیق معلوم ہو سکتا ہے، اور اللہ تعالیٰ انسان سے کیا چاہتے ہیں، کیا نہیں چاہتے؟ اس کا پتہ چل سکتا ہے، انبیاء علیہم السلام کے ذریعے وحی الہی کے نتیجے میں ہی الہیات اور مابعد الطبیعیات کی تمام گتیاں سلجھ سکتی ہیں، اس کے بغیر کسی اور راستے (مثلاً حواس، عقل و استدلال، حتیٰ کہ فیرجی کے کشف و الہام کے ذریعہ سے بھی) اس معنی کی گمراہ کشائی نہیں ہو سکتی۔

ی تو اس رفتن جز ہے مصطفیٰ

مہند ار سعدی کرداد صفا

غیبی حقائق اور عقلی منطقی مباحث

فلسفہ و عقلیات کا سارا زور (خصوصاً رسطہ کے فلسفہ کا) عقلی استدلال اور حواسِ خمسہ کا ہرہ

کے ذریعے علم پانے اور حقائق کا اور اک کرنے پر تھا، انہی حواس کے ذریعے منطقی استدلال کے زور پر حاصل ہونے والے علم کو یقین کے حصول کا قابل اعتبار ذریعہ سمجھا جاتا تھا، یونانی فلسفوں سے یہ چیز معتزلہ نے انگیز کی، اور مسلم فلاسفہ نے اس کو پروان چڑھایا، مشکمین اشاعرہ جو اس کے توڑ کے لئے میدان میں آئے تھے (کراچی کے ہتھیاروں سے ان کا توڑ کریں اور ان پر وار کریں) اور ایک زمانے تک انہوں نے کامیاب مقابلہ بھی ان سب مغرب گروہوں کا کیا، اب وہ خود ضرورت سے زیادہ اس معقولی رنگ میں رنگتے چلے جا رہے تھے، اور انہی کلاسیک مباحث میں تو غل کو انہوں نے اپنا اوڑھنا چھوڑنا چاہا تھا، اس عقلی تو غل سے احکام اسلامی محض ایک عقلی فلسفہ بن کے رہ جاتے ہیں، نہ کہ روح میں بالیدگی اور قلب میں ایمانی حرارت اور جذب دہوں پیدا کرنے والی اسٹیم۔

پانچویں صدی ہجری میں امام غزالی رحمہ اللہ نے مسلمانوں کے مختلف مغرب گروہوں کا (فلاسفہ، باطنیہ، زنادقہ اور غالی معتزلہ کا) جنہوں نے عقلیت پرستی اور مادیت پرستی کی یونانی کیمیا گاہوں میں سوہرچہ بند ہو کر شریعت محمدیہ پر الحاد و زندقہ اور تکلیک و ارتباب کے تیروں کی بارش کر رکھی تھی، امام موصوف نے ان فلاسفہ و باطنیہ، ملاحدہ اور زنادقہ پر انہی کے ہتھیاروں سے تازہ توڑ حملے کر کے ان کو پسائی پر مجبور کر دیا تھا، لیکن اس وقت تک بڑی حد تک مشکمین اور مسلمانوں کے علمی و فکری حلقے یونانی ہتھیاروں سے مسلح ہو کر فلاسفہ و زنادقہ اور دیگر غیر مسلم اقوام کے مقابلے میں علمی و استدلالی میدانوں میں اسلام کا دفاع کرتے کرتے خود بھی اس استدلالی رنگ اور عقلی اسلوب کے ایسے غور ہو گئے کہ اب محض مدافعت یا اثراتی جواب کی حد تک نہیں، بلکہ اصلاً اسلامی فکر کو انہوں نے اسی رنگ میں رنگ لیا، شرعی و نبوی حقائق کو ان عقلی و استدلالی سانچوں میں ماسے بغیر خود ان کو بھی گویا تسکین نہ ہوتی تھی، اس حواس پرستی اور عقل پرستی نے ایمان بالذلیب کو بہت ہی نقصان پہنچایا۔

چھٹی صدی ہجری تک پہنچتے پہنچتے مسلمانوں کے تعلیمی اداروں، دینی حلقوں اور فکری طبقات

اور ان کے واسطے سے پھر عام معاشرے اور سوسائٹی میں بھی کافی حد تک خصوصاً سوسائٹی کے موثر و مقتدر طبقات میں (پلور فیشن یا دماغی تفریع کے) یہ عقلی و استدلالی کلامی رنگ عمومیت کے ساتھ پھیل گیا۔

اس معنوی رنگ کے نقصانات عالمگیر اسلامی سوسائٹی کے لئے اور اس آفاقی امت کے لئے جو خیر الام ہے، اور تاقیامت دینِ حق کی طہیر دار، وحیِ الہی کی حامل اور ساری انسانیت کی ہدایت کے لئے مہوٹ ہوئی ہے، بڑے دور رس اور گہرے تھے، جو اس وقت بھی نکلے، اور اس کے بعد بھی نکلنے دے، بلکہ آج تک امت اس کے نتائج بھگت رہی ہے۔

## منطق و کلام دماغ کو غذا فراہم کرتے ہیں دل کو نہیں

اس کلامی و استدلالی رنگ سے دماغ کی تسکین کا سامان تو ایک حد تک ہو جاتا ہے (پارے طور پر نہیں، کیونکہ چرب زبانی اور استدلال کے زور پر دوسرے کو چپ تو کرا سکتے ہیں، اس کی زبان بند کر سکتے ہیں، لیکن ضروری نہیں کہ اس کا دل اس استدلال پر مطمئن ہو جائے، اس لئے واقفانِ راز نے کہا ہے کہ علمِ کلام کے طریقے سے شبہات ماکت تو ہو سکتے ہیں، لیکن ساتھ نہیں ہوتے) لیکن دل کی انگلیٹھیاں بھتی چلی جاتی ہیں، ایمانی حلاوت، یقین کی گہرائی، ان دیکھے فیہی حقائق پر ایمان و یقین، منطقی استدلال کے زور پر نہیں، بلکہ قلبی کیفیت کی بنیاد پر، رسول کی صصت، عظمت، تقدس کے اعتقاد اور ان کے ساتھ محبت کی بنیاد پر پیدا ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ صحابہ کا ایمان اس قسم کا استدلالی اور منطقی نہیں تھا، ذوقی اور وجدانی تھا، قلبی طہانیت کے ساتھ تھا (دماغی دلائل تو بعد کی چیز ہیں، وہ بھی منطقی طریقہ پر نہیں، بلکہ معروضی و فطری طریقہ پر جیسا کہ قرآن کا انداز ہے، انفسی و آفاقی نشانیوں سے توحید و رسالت اور قیامت پر استدلال کرنے کا)

اور صحابہ کا ایمان ہی سب سے مضبوط، راسخ، اور مستحکم تھا، انقلاب انگیز تھا، اسی طرح تابعین

وجہ تابعین کا بھی، اور بعد کے زمانوں میں جو جو لوگ اس طریقہ پر رہے، ان کے بھی ایمانی کیفیات کا یہی حال تھا۔

مولانا روم نے مثنوی میں ایمان و یقین کے حصول اور تکمیل کے لئے، محبت پیدا کرنے اور حب الہی پر مبنی جذبات پر ایمانی زندگی استوار کرنے پر زور دیا ہے، ایمان و یقین کے راستے میں باطنی احساسات، وجدان اور روح سے کام لینے کی طرف متوجہ کیا ہے، متکلمین کے عقلی و استدلالی طریقہ، لفظی گورکھ و حسدوں، اور دماغی عیاشیوں و معرکہ آرائیوں، قیل و قال اور مناظرہ و مجاہدہ کو ایمانیات و غیبات پر طمانیت و یقین پیدا کرنے کے لئے ناکافی بلکہ مضرت بتلایا ہے، اور متکلمین کی عام روش سے ہٹ کر مولانا نے مجتہدانہ شان کا ثبوت دیتے ہوئے علم کلام کے متبادل خود اپنی ایک نئی راہ نکالی ہے، ایمانیات اور فطری حقائق کے دقیق مباحث جن کو متکلمین نے جا بجا پیچھا رہا ہے (لیکن اپنے استدلالی مباحث سے ان کی گتھیاں سلجھانے کے بجائے ان کو مزید الجھا دیا، اور پیچیدہ بنالایا) مولانا مثنوی کے اشعار میں ان مسائل کو اس طرح بدیہی بنا کر پیش کرتے اور واضح کرتے ہیں، گویا کہ ان میں کوئی پیچیدگی ہی نہ تھی، وہ بالکل روزمرہ زندگی کے بدیہی حقائق اور عام واقعات کی طرح معلوم ہونے لگتے ہیں، جن کو پڑھنے اور سننے والے کا دل و دماغ بے تکلف قبول کرنا چلا جاتا ہے۔

ہر کس نہ شائسا سندہ راز است      ورنہ نہ تھا ہمدراز اند کہ معلوم مدام اند

مولانا کا اسلوب، عام مناظرہ و متکلمین کی طرح دماغ کو کھست دینے، اور مخاطب کو لا جواب کر کے ساکت کرنے کا نہیں ہے، بلکہ ایسا اسلوب ہے کہ بات خوشی خوشی مخاطب کے دل و دماغ میں جا گزیریں و دلنشین ہو جاتی ہے، اور محسوس ہی نہیں ہوتا ہے کہ باہر سے کوئی چیز ٹھوسی یا مسلط کی جا رہی ہے، یہی انداز و اسلوب قرآن مجید کا اپنے دلائل آفاق و انفس کے بیان کرنے میں بھی ہے، تو گویا مولانا نے قرآنی اسلوب کو سامنے رکھ کر اپنا عظیم کام تکمیل دیا ہے، جس کا حاصل بزبان شاعریوں ہے۔

دیکھنا تقریر کی لذت کہ جو اس نے کہا میں نے یہ جانا گویا یہ بھی میرے دل میں ہے

## مثنوی کے بنیادی موضوعات و مباحث

اسلام کے تین بنیادی عقائد ہیں، جن پر اسلام کے پورے کلام عقائد اور تعلیمات کی بنیاد ہے، توحید، رسالت اور قیامت (ہر آسمانی شریعت اور ہر نبی کی تعلیمات ان تین اصولوں پر مبنی اور انہی کے گرد گھومتی رہی ہیں)

مولانا نے ان اصولی عقائد کو مثنوی میں جابجا پھیلایا ہے، اور جس و الہانہ، عاشقانہ، درود مندانہ، عارفانہ و ناسمیانہ انداز میں ان کا بیان کرتے ہوئے محبت و معرفت کے دریا بہائے ہیں، اور اسرار و رموز اور روحانی حقائق کے جام لٹکا چائے ہیں، وہ پنہاں اور سن کر دل میں ایمان و یقین کی لہریں اٹھتی ہیں، اور درود و محبت کے جذبات موجزن ہونے لگتے ہیں۔

اس کے علاوہ ایک اہم موضوع مثنوی کا یہ ہے کہ اصلاح نفس اور خدا طلبی کے راستے میں مرشد و شیخ کی ضرورت و اہمیت اور مرشد کے حقوق اور اس کا مقام و مرتبہ اور اس سے فیض پانے و استفادہ کرنے کے آداب و طریقے، اور خدا طلبی کے اس راستے میں عقل و استدلال کے بجائے شیخ کامل کی بلا چوں و چرا اتباع کی ناگزیریت، نیز کامل و ناقص شیخ کا فرق اور باتصوف سے نہ چنے اور دور رہنے کی تاکید، اور اس ضمن میں تصوف کی باریکیوں کا تجزیہ و تحلیل۔

مشکلمین کی کلامی فکر و تحریک بھی ایمان و اسلام کی دعوت و اشاعت اور مدافعت کی فکر و تحریک ہے، جو کہ عقلی و استدلالی اصولوں پر استوار ہے، مولانا کی فکر بھی ایمان و اسلام کی دعوت، اشاعت اور مدافعت کی فکر و تحریک ہے، لیکن یہ مشکلمین کے برعکس معرفت و محبت کی بنیادوں پر استوار ہے، عقل و استدلال دماغ کو اپیل کرتے ہیں، تو محبت قلب اور روح کو قلب و روح میں جب صفائی، جلا اور بالیدگی پیدا ہوتی ہے، تو اس کی پرواز اور طاقت اتنی لامحدود ہوتی ہے کہ عقل و استدلال کی انگلی پائی اس کی گرد کو بھی نہیں پاسکتے، قلبی قوتیں ایمان و یقین کی روشنی

ورہمائی میں جب تکمیل پزیر ہو جاتی ہیں، اور روح میں بالیدگی پیدا ہوتی ہے، تو مکان سے لا مکان تک، ناسوت سے لاہوت تک، اور عالم محسوسات و شہادات سے مجرد و معنیات تک سارے سلسلے و مرحلے ان کی ترکتازیوں اور بلند پروازیوں کی بازی گاہ بن جاتے ہیں۔  
 راہ مشق میں کوئی دیکھے جو لایاں دل کی  
 دو عالم سے گزر کر پہلی منزل کی

## محبت کی اقسام

محبت شریعت میں مطلوب و مقصود ہے۔

قرآن مجید میں ایمان والوں کی صفت اور شان یہ بیان ہوئی ہے:

يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهُ (المائدہ، آیت ۵۴)

کہ اللہ تعالیٰ اہل ایمان سے محبت کرتے ہیں، اور اہل ایمان اللہ تعالیٰ سے محبت کرتے ہیں۔

دوسری جگہ ایمان والوں کا غیر اہل ایمان پر شرف و خصوصیت کا یہاں ذکر فرمایا ہے:

وَالَّذِينَ آمَنُوا أَهْلًا لِلَّهِ (مائدہ، آیت ۱۶۵)

کہ جو ایمان والے ہوتے ہیں، ان کی سب سے شدید و مشہور محبت اللہ تعالیٰ سے ہوتی ہے۔

اس لیے محبت تو ایمان کا لازمہ ہے، اور مؤمن کی شناخت و پہچان ہے، بقول (قابل مرحوم):

بے محبت زندگی ماتم ہمہ کار و پار زشت و نا محکم ہمہ

غیث اور ہر ممکن و موجودات جملہ عالم خلق و اشیا غیبات (جدید و قدامت)

پھر اس محبت کے درجات ہیں، بنیادی درجات دو ہیں، محبت عقلی، اور محبت طبعی۔

محبت طبعی بھی بڑی نعمت ہے، جس کو عطا ہو جائے، لیکن آدمی شرعاً اس کا مکلف نہیں، کیونکہ غیر اختیاری اور وہی ہے، البتہ عقلی محبت شرعاً مطلوب ہے، اور آدمی اس کا مکلف ہے، جیسے



مذکورہ بالا آیت سے اس کی مطلوبیت ظاہر ہوتی ہے۔

اور حدیث شریف میں اس کی مطلوبیت و ضرورت یوں ذکر ہوئی ہے:

عَنْ أَنَسٍ، قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يُؤْمِنُ أَحَدٌ شَيْئًا،

خَتَّى أَتَكُونَ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْ وَالِدِهِ وَوَلَدِهِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ (بخاری،

حدیث نمبر ۱۵۰۰، صحابہ الامین، باب: عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الْإِيمَانِ)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ

وآلہ وسلم نے فرمایا تم میں سے کوئی شخص مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ میں اس کے

نزدیک اس کے والد اور اسکی اولاد اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔

## محبت کے درجات

اس حب عقلی کا متعین دائرہ مضامین محبوب کو سب ماسوا پر ترجیح دیتا ہے، پھر اس ترجیح کی کئی اقسام و درجات ہیں، پہلا درجہ ایمان کو کفر پر ترجیح دینا ہے، یہ سب سے بنیادی اور ابتدائی درجہ ہے، اس کے بغیر آدمی مومن نہیں بن سکتا، باقی درجات میں سے اللہ و رسول کے احکام کو غیر کے احکام پر ترجیح دینا ہے، چونکہ اللہ و رسول کے احکام کے بھی کئی درجے ہیں، کوئی فرض، کوئی واجب، کوئی سنت، کوئی مستحب، کوئی منوع و مکروہ، اسی اعتبار سے اس محبت کے درجات ہیں، یعنی واجب و ضروری، متوسط، اعلیٰ و مستحب۔

مثلاً خدا و رحیم کا ذکر سن کر یا اللہ کا حکم سامنے آنے پر دل میں ایک جذبہ اور دلولہ پیدا ہو جائے، اور نافرمانی سے بچنے کی اور اللہ کے احکام کی بجا آوری کی فکر ہو جائے، تیسرا درجہ یہ ہے کہ پھر عملی زندگی میں اپنی حالت کو بدل لے، نافرمانیاں کسی بھی نوع کی ہوں، انہیں چھوڑ کر فرماں برداری اور اطاعت کا اہتمام شروع کر دے، حتیٰ الامکان فرمانبرداری پر استقامت اور دوام اختیار کرے۔

یہ محبت کا گھسیلی درجہ ہے، ایک عرصے تک تقویٰ و تدبیر کی اس حالت کو بھانے اور سب معصیتوں و نافرمانیوں سے پرہیز کرنے کے نتیجے میں پھر بندہ مؤمن کو وہ مقام اور وہ حالت اور کیفیت حاصل ہو جاتی ہے، جس کو صوفیاء فرماتے ہیں کہ شریعت کے احکام طبعیت کا فیہ بن جاتے ہیں، یعنی پہلے شریعت کے احکام کی پابندی جو تکلف کرنی پڑتی تھی، نفس اور طبعیت کو ناگواری ہوتی تھی، اس ناگواری کا مقابلہ کر کے احکام کی بجا آوری کا مرحلہ سر کرنا پڑتا تھا، تو اب خود طبعیت ان احکام پہ چلنے کا تقاضہ کرنے لگتی ہے، اور ان احکام کی بجا آوری طبعیت کی غذا بن جاتی ہے، پہلے یہ احکام طبعیت کے لیے دوا تھے، طبعیت حامل مرض میں تھی، مرض کے ازالے اور اصلاح کے لیے اسے احکام شرع کی بجا آوری کی ایک عرصے تک دوا دی جاتی رہے، اور دوا تو طبعیت کو ناگوار لگتی ہے، لیکن جب مسلسل اس دوا کے استعمال سے طبعیت صحت مند ہوگی، خواہشات پہ چلنے کی بجائے حکم پر چلنے کا حکم اور جذبہ اس میں پیدا ہو گیا، تو اب نماز، روزے، وغیرہ احکام پورے کرنے کا اس میں ایسے ہی تقاضہ پیدا ہوتا ہے، جیسے بھوک میں غذا کی طلب اور پیاس میں پانی کا تقاضہ، خود طبعیت کا اندرونی تقاضہ ہوتا ہے، اور گناہوں سے بچنے کا تقاضہ بھی ایسا ہی تقاضہ بن جاتا ہے، جیسے زہر، تکلیف اور مہلک چیزوں سے بچنے کا تقاضہ طبعیت کا اپنا تقاضہ ہوتا ہے۔

## پہلے مجاہدہ پھر مشاہدہ

اسی ترتیب کو صوفیاء کی اصطلاح میں یوں بھی تعبیر کیا جاتا ہے، پہلے مجاہدہ، پھر مشاہدہ، نیز پہلے ”سیرائی اللہ“ اور پھر ”سیر فی اللہ“، سیرائی اللہ یا مجاہدہ اسی مرتبہ کا نام ہے، کہ اللہ تعالیٰ کی محبت پیدا ہوگی، اور نافرمانیاں چھوٹ کر فرمانبرداری و اطاعت شروع ہوگی، اور نفس و طبعیت کے نہ چاہتے ہوئے بھی حتی الامکان سب احکام پہ عمل درآمد ہوتا رہا، گناہوں سے بچنے کا اہتمام ہوتا رہا، ایک عرصے کے بعد طبعیت میں استقرار اور قلب میں رسوم پیدا ہو جائے گا، نفس

مضطر ہو جائے گا، اطاعت و فرمانبرداری کرنے کی مزاحمت و مخالف قوتیں، نفس، طبیعت، خواہشات نفس وغیرہ دب جائیں گی، اور ایک حد تک تابع ہو جائیں گی، یہ گویا کہ ”مجاہدہ“ یا ”سیر الی اللہ“ کی منزل یا تعمیلی درجہ ہے۔

اس کے بعد جو بندہ مؤمن کا ایمانی سفر ہوتا ہے، وہ مشاہدہ ذات و صفات کا سفر ہوتا ہے، سیر فی اللہ کا سفر ہوتا ہے، سیر الی اللہ اور سیر فی اللہ کے ان دو مرحلوں کی ایسی مثال ہے، جیسے کوئی راولپنڈی سے لاہور کے سفر پہ نکلے، موٹر وے پر راولپنڈی سے لاہور تک کا سفر یہ سیر الی لاہور ہے، اور لاہور پہنچ کر پھر شہر لاہور میں پھر تا کبھی چڑیا گھر جانا، کبھی شاہی قلعہ، کبھی یادگار پر پہنچنا، کبھی مشال مار باغ، کبھی مقبرہ جہانگیر پہ چانا وغیرہ: یہ سب سیر فی لاہور ہیں، سیر فی اللہ یا مشاہدہ کا درجہ بھی ایسا ہے کہ اللہ کی ذات و صفات کے جلووں، اللہ کے فیہی نظام کے رازوں سے شناسائی سیر فی اللہ یا مشاہدہ کے اس مرحلہ میں بندہ مؤمن کو، سالک کو مخاطب اللہ بطور اعزاز و اکرام کے عطا ہوتے ہیں، جن میں زیادہ غلو نہ کیا جائے، تو یہ بڑی نعمت ہیں، حضرات صوفیاء نے ان کی نشاندہی فرمائی ہے، اور بزرگوں کے احوال اور سیرتوں میں قدم قدم پر اس کے نمونے ملتے ہیں۔

## اہل مشاہدہ کے مقامات

سیر فی اللہ یعنی مشاہدہ کے مقام تک پہنچنے والوں کے چند قابل ذکر احوال یہ ہیں:

- (۱)..... قبولیت دعا (ان کی بکثرت دعائیں قبول ہونے لگتی ہیں)
  - (۲)..... الہام (دل میں علوم کا القاء اور اللہ کی طرف سے ماضی و مستقبل اور دیر و دور کے واقعات و حالات کی اطلاع حاصل ہوتی ہے)
  - (۳)..... دکائے صادقہ (سچے خواب بکثرت نظر آتے ہیں)
- فراست صادقہ (درخشاں امور میں ان کا ذہن فوراً اصل بنیاد اور راز تک پہنچ

جاتا ہے)

(۱۳۵۴)..... فنا و بقا، وحدہ و وحدت الوجود، استغراق، تصرف و توجہ، سکر، قبض

و بطن، مشاہدہ، کرامت، کشف۔

ان تمام احوال کی نازک فنی تفصیلات ہیں، خصوصاً وحدۃ الوجود اور اس کے بعد والی کیفیات تصوف کے بڑے نازک مقامات ہیں۔

خلاصہ یہ کہ احکام شرع کی بجا آوری مؤمن سے مطلوب و مقصود ہے، اور اعمال کی بجا آوری کے لیے محبت ضروری ہے، محبت کی دو قسمیں ہیں، حب عقلی، اور حب طبعی، حب طبعی غیر اختیاری اور وہی فطرت و دولت ہے، جس کو بھرا جائے، بڑی سعادت ہے، ورنہ حب عقلی پیدا کرنا تو ضروری ہے ہی، کہ طبعیت چاہے یا نہ چاہے، نفس آ مارہ ہو یا نہ ہو، عقلی درجہ میں اللہ کی محبت کو سب ماسوا کی محبت پر اور اللہ کے احکام کی عظمت اور ان کی رعایت و بجا آوری کو سب ماسوا کے احکام پر غالب کرے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

محبت کیا ہے دل کا درد سے معذور ہو جانا	محتاج جاں کسی کو سوئپ کر مجبور ہو جانا
یہاں تو سر سے پہلے دل کا سوا شرط ہے پارو	کوئی آسان ہے کیا سرحد معذور ہو جانا
بسایہ کسی کو دل میں دل ہی کا کلیجہ ہے	پہاڑوں کو تو بس آتا ہے جمل کر طور ہو جانا
	(مثنوی مولانا عتیق شاہ صاحب)

## (باب سوم)

## مثنوی کے منتخب اشعار مع تشریح

مولانا روم رحمہ اللہ کی فکر کا حاصل یہ ہے کہ قلب میں شوق و محبت کی چنگاری سلگا کر اس اہمیت اور بھاپ کے ذریعے دین کے احکام پر عمل کیا جائے، خشکمین کی کلاہی و ماغ سوزیاں اور عقل و استدلال کے لیے چوڑے طومار فرد کی اصلاح کے لئے، ماسلامی معاشرے میں دین داری کی سپرٹ بھرنے کے لئے بالکل نا کافی بلکہ مضر ہیں۔

بدھ کے خیال میں علامہ اقبال مرحوم کے فلسفہ محبت و غنوی کا حاصل بھی یہی ہے اور اس فکر و فلسفے میں مولانا روم کو وہ اپنا رہبر اور امام قرار دیتے ہیں، مولانا عقل پرستوں، فلاسفہ، اور خشکمین پر جن جن پہلوؤں سے جرح و تنقید کرتے ہیں، انہی بنیادوں پر علامہ اقبال مرحوم الگادی و مادی معرکے فلسفہ سے متاثر، مسلمانوں کے مغرب پرست و ردین خیال طبقات پر تنقید کرتے ہیں، علامہ اقبال مرحوم کا مولانا روم سے خیالی مکالمہ جو ”سچ روی اور مرید ہندی“ کے عنوان سے علامہ نے منظم کیا ہے، اس نظم میں اجمالی درجہ میں یہ امور بڑے عمدہ طور سے سامنے آتے ہیں۔

## عقلیت و ظاہر پرستی پر نقد و جرح

بعد ازاں دیوانہ سازم خویش را

آزمودم عقل دور اندیش را

اس کا مطلب یہ بان علامہ اقبال مرحوم یہ ہے:

مرے مولانا مجھے صاحب جنوں کر

بڑی گتیاں سلجھا چکا میں

غیر رازنی راز و داہدی بد سے

اندیش، بحث اور جرورہ میں بد سے

مطلب: فیہی اسرار و رموز اور دین کے حقائق و معارف سمجھنے کے لئے محض عقل کافی ہوتی تو فخر الدین رازی جیسے ائمہ متکلمین اور اہل عقل و استدلال دین کے سب سے بڑے دلازدان اور صاحب معرفت ہوتے، لیکن عام طور پر ان متکلمین و اہل استدلال (خصوصاً ان کے متاخرین کا) کی عقلی و دینی زندگی اتنی مثالی، معیاری و وزنی نہیں ہوتی تھی، چنانچہ یہ دینی مسائل کے متعلق عقل و استدلال کا دماغی خزانہ اپنے پاس رکھتے تھے، دورِ حاضر کے سوئڈ بونڈ، فارغ البال، جدت پسند کارلوں، دوکتور حضرات اور مستشرقین کا ضیوت اور نقشِ زمین میں رہے، تو مولانا کے اس شعر کی گہرائی اور پہنائی خوب کھلتی ہے، بقول اقبال مرحوم:

متاع قلندر جزو حرف لالہ کچھ بھی نہیں      فقیہ شہر قارون ہے لغت حائے حجازی کا  
متاخرین اشاعرہ، عالی متکلمین، اور مناہد و غیرہ اہل استدلال کی مولانا نے یوں خبر لی ہے:

ہنم حس راست مذہب اعتزال	دیدہ عقل است سنی دروصال
حرہ حس اعدا اہل اعتزال	غریب راسنی نماید از خلخال
ہر کہ در حس مامد معتزلی است	گرچہ گوید ستم از خای است
ہر کہ بیرون شد دس سنی و بست	اہل بنیض اہل عقل غریب چست

مطلب: بصرف محسوسات کی آنکھ (سے حقائق کو دیکھنا، پہنچنا) معتزل کا مذہب ہے، سنی (محسوسات کا چاب تو ذر) عقل (ایمانی بصیرت مراد ہے) کی آنکھ سے حقائق کا ادراک کرتا ہے۔

محسوسات و مادیات کے قلام (جو شریعت کو صرف محسوسات و مادیات کے پچانوں سے پہنچنا چاہتے ہیں) معتزلی ہیں، اپنے آپ کو سنی کہنا ان کی گمراہی اور بھول ہے، خود بھی سنی ہونے کے مقابلے میں جتنا ہیں، دوسروں کو بھی دھوکہ دے رہے ہیں (متاخرین اشاعرہ پر بظاہر چوٹ ہے کہ محض نام کے سنی ہونے کا کوئی فائدہ نہیں، طرز استدلال تو تمہارا گمراہ معتزلیوں کی طرح ہے، جن کو محسوسات و مادیات سے آگے کچھ بھائی ہی نہیں دیتا) سنی وہ ہے جو محسوسات و مادیات کا حصار تو ذکر و جاننا ہے اور فیہی حقائق اور ان کے ادراک کے مقام تک

(ریاضت، مجاہدہ اور اجتناب سنت کا اہتمام کر کے قلب و روح کے ذریعے) رسائی پائے۔

## حواسِ ظاہر اور عقل کی حد پر واز

انسان کے پاس علم کا ذریعہ ایک تو حواسِ ظاہرہ ہیں، یعنی آنکھ، ناک، کان، زبان اور لمس (ان حواس کے ذریعے اور اک کرنے والی قوتوں کو قوتِ باصرہ، شامہ، سامعہ، ذائقہ، لامسہ، یعنی دیکھنے، سونگھنے، سننے، بچھنے اور چھونے کی قوتیں کہتے ہیں) ان سب حواس کا کنکاش اور رابطہ دماغ کے ساتھ ہے، دماغ میں پھر مزید پانچ قوتیں ہیں، جن کو دماغی حواس یا باطنی حواس کہا جاتا ہے، جو یہ ہیں، حسِ مشترک، حافظہ، خیال، واہمہ اور ذہن، ان میں سے حسِ مشترک تو حواسِ ظاہرہ اور حواسِ باطنہ کا مقام اتصال اور بیس کمپ ہے، کہ پانچوں ظاہری حواس کی معلومات حسِ مشترک میں پہنچتی ہیں، پھر یہاں سے آگے، تخیل (خیال) حافظہ وغیرہ میں جاتی ہیں، اس طرح حافظہ، تخیل وغیرہ کا بھی اپنا اپنا دائرہ کار اور حسِ مشترک سے آنے والی معلومات میں عمل دخل، اور تصرف کرنے کا نظام ہے (حس کی تصحیلات متعلقہ کتب فن میں ملتی ہیں)

خارجی معلومات و ادراکات حواسِ ظاہرہ سے گزر کر حواسِ باطنہ میں پہنچتی ہیں، اور حواسِ باطنہ میں ان کی چھاننی، دوجہ بندی، ریکارڈ وغیرہ مرتب و محفوظ ہوتے ہیں، پھر اپنی اس تقسیم اور دوجہ بندی کے ساتھ یہ ادراکات باطنی حواس سے عقل کو منتقل ہوتے ہیں، عقل ان ادراکات کی دوجہ بندی کے مطابق ان معلومات کو سامنے رکھ کر قوانین و نتائج مرتب کرتی ہے، اور اصول و کلیات بناتی ہے، اور پھر حواس کے ان معلومات اور عقل کے نکالے ہوئے نتائج و قوانین کی روشنی میں انسان اس مادی کائنات میں، محسوسات کے اس عالم میں عمل دخل اور تصرف و تدبیر کرتا ہے۔

اس تفصیل سے یہ واضح ہے کہ عقل جو انسان کو شرفِ انسانیت عطا کر کے باقی تمام مخلوقات،

حیوانات وغیرہ سے ممتاز کرتی ہے، یہ عقل اپنی مگر وہ قدر اور نتائج و قوانین کے بنانے کے عمل میں حواسِ ظاہرہ اور باطنیہ کی محتاج ہے، حواسِ ظاہرہ سے حواسِ باطنیہ کو، حواسِ باطنیہ سے عقل کو محسوسات کے متعلق، کائناتی اشیاء کے متعلق معلومات کا خام مال اور ایچ من نہ ملے، تو عقل عاجز و درماندہ ہے، پس عقل کا دار و مدار جب حواس کی دی ہوئی معلومات پر ہے، اور حواس سے ادراک کرنے کا دائرہ صرف مادی کائنات کی اشیاء ہیں، جو دیکھی، سونگھی، چکھی، سنی یا چھوئی جاسکتی ہوں، اس سے آگے حواس عاجز ہیں، اور پھر حواس کا ایک معز یہ بھی ہے کہ ہر ایک حواس اپنے دائرہ کار سے باہر مادی چیزوں کا بھی ادراک نہیں کر سکتا، مثلاً آنکھ دیکھنے میں کتنی ہی تیز ہو اور دور رس نتائج دیتی ہو، لیکن سونگھنے یا سننے کا کام کبھی نہیں کر سکتی، کوئی بہرا ہو، لیکن جتنا ہو، تو ساری زمین چیخوں سے بھر جائے، آوازوں سے ساری فضا میں ارتعاش اور صوت پیدا ہو جائے، بھرے کو منطق خبر ہی نہ ہوگی کہ کیا آوازیں اور صدائیں اٹھ رہی ہیں، یہی حال ظاہری پانچ حواس میں سے ہر ایک حواس کا ہے، کہ دوسرے حواس کے متعلق معلومات کو وہ بالکل محسوس نہیں کر سکتا۔

پس جب عقل کا سارا دار و مدار ان حواس کی معلومات پر ہے، تو عقل کا عمل دخل اور غور فکر کا سلسلہ بھی عالم مادی، عالم ناموس، عالم محسوسات تک ہی محدود ہے، مادی کائنات کے مادہ جو کچھ حقائق اور فیہی نظام ہیں، جہنم، جزا و سزا، مشر و شر، مل و صراط، میزانِ عمل، کائنات کے آغاز و انتہاء کے متعلق حقائق، آسمانوں سے اوپر کی کائنات، عرش، کرسی، جہم، اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کے رموز یہ سب کچھ عقل کے دائرہ کار سے باہر ہے۔

**غیبیات اور ما بعد الطبیعات کا ذریعہ ادراک وحی الہی ہے**

اس فیہی نظام کے ادراک و علم کے لئے اللہ تعالیٰ نے وحی کا سلسلہ رکھا ہے کہ خود اللہ کی طرف سے بذریعہ وحی اس فیہی نظام کے متعلق معلومات بھیجی جاتی ہیں، اور یہ وحی ہر کس و نا کس پر



نہیں بلکہ چنے ہوئے منتخب انسانوں پر بھیجی جاتی ہے، جن کو شریعت کی اصطلاح میں نبی و رسول کہتے ہیں، اس لئے عقل کو وحی کے تابع رکھنا ضروری ہے، کیونکہ وحی کی پرواز وہیں سے شروع ہوتی ہے، جہاں عقل کی پرواز دم توڑ دیتی ہے، یعنی وحی عالم غیب سے بات شروع کرتی ہے:

ذٰلِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ فِيْهِ هٰذَا الَّذِيْ لَمْ يُشْكُ فِيْهِ الْكَافِرُوْنَ. الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ (المائدہ)  
ترجمہ: یہ ایسی کتاب ہے، جو ہر طرح کے شک و شبہ سے خالی ہے، حقیقین کے لئے ہدایت ہے، جو یمن دیکھے تھا کئی پر ایمان لاتے ہیں۔

یہاں متقی آیات میں مذکورہ صفات والوں کو قرار دیا گیا ہے، اور ”اَلَا اِنَّ اَوْْلٰىئَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ. اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ كَانُوْا يُنْفِقُوْنَ“ میں اولیاء کی تعریف، تو صیغ اور تو ضیح متقیوں سے کی گئی ہے، پس منطقی نتیجہ یہ نکلا کہ ایمان بالغیب اور اعمال صالحہ کرنے والے متقی ہیں، اور متقی ہی مقام ولایت پر فائز ہیں۔

فہمی امور کی جانچ پرکھ کے لئے وحی پر اعتماد کرنے کی بجائے محض عقل کو میزان و معیار بنانا ایسا ہی ہے، جیسے سننے والی چیزوں یعنی آوازوں کے لئے بجائے کان کے آنکھ کو اور دیکھی جانے والی چیزوں (کیست، مقدار، رنگ، ضخامت، جسامت، اشکال) کے لئے بجائے، آنکھ کے کان کو معیار و میزان بنایا جائے، ایسا کرنے سے کبھی بھی صحیح نتیجہ حاصل نہ ہوگا، موردِ انہن خلدون نے ”مقدمہ تاریخ“ میں عقل کے متعلق کیسا مناسب فیصلہ کیا ہے:

عقل ایک صحیح ترازو ہے، اس کے فیصلے جتنی ہیں، جن میں کوئی خلاف واقعہ، چیز نہیں، لیکن تم اس ترازو میں امورِ توحید و آخرت، حقیقت نبوت، حقائق صفات الہی، اور وہ تمام امور و حقائق جو ماوراء عقل ہیں، تول نہیں سکتے، یہ لا حاصل کوشش ہوگی، اس کی مثال ایسی ہے کہ ایک شخص نے ایک ترازو دیکھی جو سونے کا وزن کرنے کے لئے ہے، اس کو اس ترازو میں پہاڑوں کے تول لئے کاشوق پیدا ہوا، جو

ناممکن ہے، اس سے ترازو کی صحت پر کوئی حرف نہیں آتا، کیونکہ اس کی گنجائش کی ایک حد ہے، اس طرح عقل کے عمل کا بھی ایک دائرہ ہے، جس سے باہر وہ قدم نہیں نکال سکتی، وہ اللہ اور اس کی صفات کا احاطہ نہیں کر سکتی، کہ وہ اس کے وجود کا ایک ذرہ ہے (مقدمہ ابن عابدین ص ۴۷۳، ترجمہ دعوتِ غزنی ص ۱۶۶)

## عقل غیبیات کی جانچ کا پیمانہ نہیں بن سکتا

اس لئے عقل کا کام یہ نہیں کہ وہ وحی سے ثابت شدہ فیہی حقائق کے صحت و سقم کا فیصلہ کرے، اور جائزہ لے کہ عقل ان کو قبول کرتی ہے یا نہیں، کیونکہ وہ تو عقل سے درامالوراء ہیں، عقل کی نگاہ پانی ان کی گرد کو بھی نہیں پا سکتی، عقل میں وہ کیسے سمجھیں گے؟ لہذا عقل کی رینج میں نہ آنے کی وجہ سے ان کو خلاف عقل کہنا بڑی حماقت اور بد عقلی ہے، خلاف عقل ہونا اور چیز ہے، عقل سے ماوراء ہونا اور چیز ہے، طہرہ و درہقین، فلاسفہ اور عقل پرستوں نے انبیاء کے ذریعے ملنے والی خبروں، وحی کے راستے ثابت ہونے والی فیہی باتوں کے بارے میں شور مچایا کہ یہ خلاف عقل ہیں، تو متفکرمین میں سے ایک طبقہ ان کو عقل کی ترازو میں تولنے کے لئے دوڑ پڑا، اور سمجھنا تانی و تاویلات، در تاویلات کر کے تکلف فیہی حقائق کو عقل کے دائرے میں محصور کرنے لگے، انہوں نے عقل پرستوں کو ان کے عقل کی اوقات سمجھانے اور یاد دلانے کے بجائے خود بالواسطہ اس بات کو گویا قبول کر لیا، کہ فیہی حقائق کا عقل کے دائرے میں ہونا ضروری ہے، حالانکہ اس راستے کی بجی سب سے بڑی گمراہی ہے، کہ عقل کو علم و ہدایت کا آخری سرچشمہ تسلیم کر لیا جائے، وحی کی منکر قومیں، آسمانی شریعتوں کے منکر طبقے، انبیاء کی نبوتوں کے منکر گروہ اگر ایسا کرتے ہیں، تو کہا جاسکتا ہے کہ وہ گمراہ ہیں، ان کو وحی کی حقیقت کا نبوت کی ضرورت و اہمیت کا علم نہیں، لیکن مسلمان ہو کر، وحی و نبوت کو تسلیم کرتے ہوئے، باہر ان و ہری عقل پرستوں کے شور و شین سے متاثر ہو کر اور ان کی بات کو صحیح تسلیم کر کے اسلام کو،

اسلامی احکام و انبیاء کو عقل پرستوں کے خود ساختہ اصولوں کے گرد گھمانا یہ تو بڑی زیادتی کی بات ہے۔

پھر حرسے کی بات یہ ہے کہ ان فلاسفہ و ماویہین کے وعاوی کے برخلاف خود انسان میں عقل و حواس کے علاوہ ایک وجدانی، باطنی قوت بھی ہے، جب قلب قلب صافی ہو اور عقل عقل سلیم ہو (خواہشات کی غلام نہ ہو) تو یہ ذوقی و وجدانی قوت بڑا کام کرتی ہے، انبیاء پر ایمان لانے والے اولین مومنین کو انبیاء کی بات محض سن کر ہی ایک گہرا یقین اور ایمان بالغیب حاصل ہو جاتا تھا، اس میں اس ذوقی و وجدان کا بڑا دخل معلوم ہوتا ہے۔

## باطنی وجدان یا نور باطن کی قدر و قیمت

مولانا نے اس باطنی وجدان اور ذوقی یقین کو بڑی اہمیت دی ہے، اور بتلایا ہے کہ حواس ظاہرہ کے مقابلے میں یہ باطنی حس و وجدان (امور غیبیہ کے ادراک کے لیے) کہیں زیادہ اہمیت کا حامل ہے فرماتے ہیں:

چھ حسے بہت جزایں چھ حس	آں چہ ز سرخ وایں حسا چھ حس
اندراں بازار کہ اہل محشر اند	حس مس را چوں حس زرد کے خند
حس ابدان قوت عظمت می خورد	حس جاں از آفتابے می چہد

مطلب: ان ظاہری پانچ حواس کے علاوہ پانچ اور حواس بھی ہیں، یہ حواس ظاہرہ تو تانے کے مثل جبکہ وہ حواس (قلبی و وجدانی قوتیں) اس کے مقابلے میں سونے کی طرح ہیں، اس بازار میں جہاں اہل محشر ہیں (عالم بالا یا عالم آخرت میں) تانے جیسے حواس کو سونے جیسے حواس کے بدلے میں کون لے گا (کب لے گا، اور کیوں لے گا) یہ ہسانی حواس تاریکی کو نفاذ دیتے ہیں، جبکہ روح کے وہ حواس روشن آفتاب سے نفاذ پاتے ہیں۔

حضرت مولانا یہاں بڑے پتے کی باتیں کہہ گئے ہیں جن کی ذیل میں شق وار وضاحت کی

جاتی ہے۔

ایک بات تو یہ ہے کہ حواسِ ظاہرہ اور عقل ہر انسان کو عطا ہوئے ہیں، خواہ مومن ہو، یا کافر، مقبول ہو یا مردود۔

دوسری بات یہ کہ عقل حیوانی (جو عام انسانوں کی عقل کا مرتبہ ہے) کے سارے استدلال و فکر کی بنیاد انہی ظاہری حواس کی معلومات پر ہے، جیسے کہ پیچھے واضح کیا گیا ہے، تیسری بات یہ کہ اس ناسوتی زندگی میں انسانی زندگی کی جہاں، انسانی جسم کی نشوونما (جنس میں ان ظاہری پانچوں حواس کی نشوونما بھی شامل ہے) دنیا کی مادی غذاؤں، ہوا، حرارت، پانی، جمادات، نباتات (اناج، لٹوں، پھول، پھل، ترکاریاں) اور حیوانات کے اجزاء (گوشت، اڈے، دودھ، گھی، مکھن، شہد وغیرہ) سے ہوتی ہے، اور مادہ چونکہ تاریک و بے شعور چیز ہے، اس لیے مارے کی ان مختلف شکلوں (اناج، غلے، جماد، نبات، حیوان کے دودھ، گوشت، ہال، کھال وغیرہ) سے جو جسم و حواس نشوونما پاتے ہیں، وہ بھی تاریکی کے حامل ہیں، یعنی اس مادی عالم کے حجاب کو تو ذکر اس سے آگے کے حقائق کا ادراک وہ نہیں کر سکتے، اس سے حواسِ ظاہرہ اور عقل کا دائرہ کار معلوم ہو گیا، ان کی محدودیت، نارسائی، اور ان سے حاصل ہونے والے ظلم کی مختارت و بے وقعتی معلوم ہو گئی۔

اب چوتھی بات سمجھو کہ روح، انسان کے جسم اور حواس کی طرح مادی چیز نہیں، بلکہ لطیف اور مجرد جو ہر ہے، جو اوپر کے عالم سے آئی ہے، بچہ جب ماں کے پیٹ میں چار ماہ کا ہوتا ہے، اس کا مادی اور خاکی بدن تشکیل پذیر ہو جاتا ہے، تو اللہ تعالیٰ عالمِ بالا کے فرشتوں سے روح فرشتہ کے ذریعہ بھیج کر اس کے جسم میں داخل کر دیتے ہیں، تو یہ مادی اور خاکی جسم زندہ ہو جاتا ہے، تو حیات کا سرچشمہ روح ہے، یہ مادی و خاکی بدن نہیں، روح اس سے نکل جائے تو چار دن میں پھول پھٹ کر گل مرز کو رو بارہ مٹی ہو کر مٹی میں مل جاتا ہے۔

اور مادہ جو مختلف سانچوں میں داخل کر روح کی وساطت سے انسانی بیکر میں مجسم و متشکل ہوا

تھا، دوبارہ اپنی اصل حالت پہ چلا جاتا ہے۔

زندگی کیا ہے حنا سر کا ظہور تریب موت کیا ہے، انہی اجزاء کا پریشاں ہونا روح جس طرح اوپر سے آئی تھی، جسم سے الگ ہونے کے بعد باہر دوسرے عالم میں (مطلق یا ممکن) چلی جاتی ہے، جس حیات کا سرچشمہ، شعور کا سرچشمہ، اور اک و علم کا سرچشمہ اصل میں روح ہے، نہ کہ بدن۔

پانچویں بات جسم کے حواس کے علاوہ روح کے کچھ مستقل حواس بھی ہیں (جیسے کہتے ہیں کہ دل کی آنکھیں، دل کے کان، بصیرت کی نظر یعنی بصارت کے مقابلے میں دل کی نگاہ کو بصیرت کہتے ہیں) تو جس طرح روح کو جسم پر فوقیت و فضیلت حاصل ہے، اسی طرح روح کے حواس کو بھی جسم کے ظاہری حواس پر فضیلت حاصل ہے، اور ان میں نسبت سونے اور تانبے کی سی ہے کہ تانبے کا رنگ بھی سونے کی طرح ہوتا ہے، اور وہ بھی سونے کی طرح وضاحت ہے، لیکن تانبے اور سونے کی حقیقت، دونوں کے اثرات، دونوں کے فوائد و دونوں کی تاثیرات اور دونوں کی طرف رغبت اور میلان میں زمین آسمان کا فرق ہے۔

چھٹی بات جس طرح جسم مادی خوراک سے غذا حاصل کر کے آنکھ، ناک، کان کو سپلائی کرتا ہے، اور اس غذا سے خون بنتا ہے، جس سے پورے جسم کی طرح یہ ظاہری حواس بھی نشوونما پاتے ہیں، اور دیکھنے، سننے، سونگھنے کا فعل کر کے دماغ کو، عقل کو کائناتی اشیاء کے بارے میں معلومات و ادراک فراہم کرتے ہیں، تو اسی طرح روح کے حواس بھی غذا حاصل کرتے ہیں، لیکن روح چونکہ مادی چیز نہیں، عالم بالا سے آتی ہے، اس لیے روح اور ان روحانی حواس کی غذا بھی مادی نہیں، بلکہ نورانی ہے، اور اسی سرچشمہ فیض سے براہ راست نشر ہوتی ہے، جہاں سے روح آئی ہے۔

ساتویں بات آفتاب سے غذا حاصل کرنے سے مراد آفتاب حقیقت، سرچشمہ نور، اللہ نور السموات والارض والی ہستی اللہ تعالیٰ کی ذات ہے، اور روح کی غذا جو اوپر سے آتی ہے، وہ

انبیاء کی شریعتوں کی صورت میں، وحی سے ثابت شدہ احکام کی صورت میں آتی ہے، روح کو جب یہ غذا ملتی ہے (شریعت کے احکام پر عمل درآمد کی صورت میں) تو روح کی نشوونما ہوتی ہے، روح کی قوتیں بھلنے پھولنے لگتی ہیں، روح کے ادراک کے آلات وحواس بیدار ہوتے چلے جاتے ہیں، اور عالم فیب سے ان کا کنکشن جڑ جاتا ہے، اور وہاں سے روح پر علوم کا، حقائق کا، معرفت و اسرار کا فیض نازل ہوتا ہے۔

انبیاء پر علوم بالا کا یہ فیض وحی کی صورت میں اور انبیاء کے قبضین پر کشف، الہام، بصیرت، فراست، رویائے صادقہ اور عقل سلیم (نہ کہ عقل حیوانی جو خواہشات کی غلام ہو، جیسے کفار، منافقوں اور عام لوگوں کے عقول) کی صورت میں نازل ہوتا ہے، اب اس راستے سے جو علوم کا فیضان ہوتا ہے، وہ ایسے بڑے اور وسیع علوم ہوتے ہیں، جو عالم سفلی سے عالم بالا تک عالم مشہود سے غیبیات تک، ماسوت سے لاہوت تک، مادیات سے روحانیات تک، دنیا سے عقیٰ تک پہلے ہوئے ہوتے ہیں، جبکہ مادہ پرست معقولیوں کا علم جو حواس ظاہرہ اور عقل و استدلال کے راستے سے حاصل ہوتا ہے، اس تاریک و محدود علم کو، اور مادی کائنات کے ساتھ مخصوص علم کو روح کے ان حواس کے ذریعے آنے والے علم سے کوئی نسبت ہی نہیں، بلکہ اس کے مقابلے میں اسے علم کہنا بھی محل نظر ہے۔

چہ نسبت خاک را با عالم پاک

آخوس اور آخری بات، عالم بالا میں، عالم آخرت میں مادیات کے علم کی کوئی قدر و قیمت نہیں، کیونکہ یہ تو مرنے سے پہلے پہلے تک کے مادی تقاضوں اور مادی کائنات کے ٹوہنجہ بن میں الجھا ہوا ہے۔

## عقل حیوانی اور عقل ایمانی

عقل حیوانی بات کو سمجھانے کے لئے بندہ راقم الحروف کی تعبیر ہے، مولانا نے اس مفہوم کے

لئے ”عقل جزوی“ کی اصطلاح بعض اشعار میں استعمال کی ہے (یہ اشعار آگے آرہے ہیں) عقل حیوانی یا عقل جزوی سے مراد ظاہر میں عقل، سطحی خواہشات کے ہاتھوں پر فعال عقل، مادی کائنات میں، ابھی ہوئی اور نکاح ہری حواس کی پابند عقل ہے، خواہ وہ منطقی استدلال اور عقلی مقدمات پر علم و تحقیق اور انکشاف حقیقت کے لئے انھما کر کرتی ہو، جیسا کہ قدیم فلاسفہ اور یونانی و اسلامی دور کے مناظر و معقولین اور متکلمین (معقول و غیرہ) کا طرز و طریقہ تھا، یا تجربہ و مشاہدہ پر اور جدید سائنسی طریقہ کار کے مطابق لیبارٹری ریسرچ پر انکشاف حقائق کے لئے اعتماد و انحصار کرتی ہو، جیسے جدید فلاسفہ و سائنس دانوں اور مدعیان علم و تحقیق کا شیوہ ہے، کیونکہ تجربہ و مشاہدہ کی بھی تو تمام تر بنیاد ظاہری حواس کے اور اکائیت و احساسات پر ہے، اور ان اور اکائیت و احساسات سے عقل حیوانی کے استحباب و استدلال پر ہے۔

### مادیات کے تجربہ و مشاہدہ کا دائرہ کار

سائنسی آلات اور مشینوں کے ذریعے ظاہری حواس کے ساتھ یہ تجربہ و مشاہدہ کتنا وسیع و عمیق اور باریک و دقیق ہو، انہم وظیہ کے اندرونی رازوں تک پہنچنے والا ہو، اور ذہن امین اے کی وسیع دنیا کو کھولنے والا ہو۔

الیکٹران، نیوٹران اور پروٹان کی مثبت و منفی چارج اور نظام شمسی کی طرح انہم کے اندر ہی اندر ان کے ایک مربوط و منضبط نظام کے راز فاش کرنے والا ہو، لیکن جو کچھ بھی ہو، یہ سب کچھ اس مادی کائنات ہی کی کرشمہ سازیاں ہیں۔

عنصری کائنات اور آپ و باد و خاک و آتش چینی جہان رنگ و بو کی ہی پوچھو نیاں ہیں، کڑوں اور سیاروں کے عالم محسوس ہی کی جولانیاں ہیں، اس عالم غیب کے روحانی اور قدوسی سلسلوں سے قویہ و اجنبیت اور بے خبری و لاعلمی ہی ہے، جس سے انبیاء نے پردہ اٹھایا ہے، آسانی کتابوں، اور وحی و الہام کے سلسلوں نے جس کی خبر دی ہے، اور ایمان و عمل صالح

وہابی زندگی اختیار کرنے اور اس میں چری طرح رہنے کے بعد بندہ مؤمن پر عالم فیض کے یہ اسرار و رموز، یقین محکم، مشاہدہ باطنی، کشف و الہام اور بصیرت و فراست، ذوق و شوق کی مختلف کیفیات اور قلبی و جہانی کی صورت میں، مادی کائنات سے باوراء یہ سب پرست اور تہہ بہ تہہ حقائق کھلتے ہیں، مؤمن کو نبوت کی اطاعت اور احکام شرع کی اتباع اور مقام توحید میں رسوم حاصل ہونے کے نتیجے میں جب قلبی طہانیت اور روحانی بالیدگی وصف کا یہ مرتبہ حاصل ہوتا ہے، تو اس کی عقل حیوانی کے درجے سے گزر کر عقل ایمانی کے مرتبہ پر فائز ہو جاتی ہے۔

ایک دانش برہانی، ایک دانش نورانی دانش برہانی، حیرت کی فراوانی  
 اب اس کی عقل سطحی خواہشات اور نفسانی قوتوں کے ہاتھوں پر نال ہوئے اور مادی کائنات  
 کو ہی سب کچھ سمجھنے اور حواس ظاہرہ پر انحصار کرنے کے بجائے روح و قلب کو حاصل ہونے  
 والے ذوق یقین اور باطنی و جہانی و روحانی بالیدگی کی ہر از و دوساز ہوتی ہے۔  
 حاصل یہ کہ اللہ پر ایمان لائے بغیر، اللہ و رسول کے احکام کی غیر مشروط اطاعت و فرمانبرداری  
 کے بغیر، قرآنی علوم و حقائق سے مناسبت و ربط پیدا کئے بغیر عام طور پر آدمی کی عقل و سمجھ، فہم  
 و تامل، عقل حیوانی کے درجے سے آگے نہیں بڑھ سکتی۔

مادی عالم کے عقلانی تجاہات سے اس کا علم و تجربہ اس کی تحقیق و تہریر آگے نہیں بڑھ سکتے۔  
 خواہ وہ سورج کی شعاعوں کو مادی قوانین پر قابو پا کر گرفتار کرنے کے قابل ہو جائے، یا  
 ستاروں کی گزر رگا ہوں کا کھوج لگائے، یا ایٹم کا جھکڑو ذرہ ایکٹران و پروٹان اور نیوٹران کی  
 خود بینی دنیاؤں کے راز فاش کرے، یا علیہ اور ذی این اے میں چھپے قوانین فطرت تک  
 رسائی پالے۔

بقول اقبال مرحوم!

اپنے افکار کی دنیا میں سفر کرنے لگا

ذہن نے والا ستاروں کی گزر رگا ہوں کا



اپنی حکمت کے ظم و بیچ میں الجھا ایسا	آج تک فیصلہ نفع و ضرر کرنے سکا
جس نے سورج کی شعاعوں کو گرفتار کیا	زندگی کی شب تاریک سحر کرنے سکا

(خرب کلم زمانہ حاضر کا انسان)

## ”خرد االجھی ہوئی رنگ و بو میں ہے“

زمین و آسمان کے قلابے ملانے والی اقوام مغرب، کائناتی قوتوں اور مادی قوانین کو ایک حد تک انسانی دسرس میں لانے والے زمانہ جدید کے دھری و مادہ پرست، الوہے کو پرندے کی طرح فضاء میں اڑانے والے اور خلا کی تفسیر کرنے والے سائنس دان اور انکشافات جدیدہ کے حاملین، سمندروں کی چھاتیاں پھاڑ کر بحری تفسیرات و کھوجات کے جھنڈے گاڑنے والے خدا فراموش انسان یہ سب کچھ کرنے کے باوجود اگر نہیں کر سکتے تو یہ نہیں کر سکتے کہ یہ انسان جو اس مادی کائنات کے پیچھے پڑا ہوا ہے، خود اس کی کیا حقیقت ہے، اس کائنات میں خود اس کی کیا حیثیت ہے؟ اس کی زندگی کا مقصد کیا ہے، یہ جسم اور روح دو چیزوں سے مرکب ہے، جسم کی ساری ضروریات تو اس مادی کائنات میں موجود ہیں، اور یہاں سے پوری ہوتی ہیں، لیکن روح بے چاری کی بھی تو ایک حقیقت ہے، اس کی کیا ضروریات ہیں، اس کی نذر اور وادہ کا کیا نظام ہے، اس کی صحت اور مرض کے کیا قوانین ہیں، اس کی طب کے کیا ضوابط و اصول ہیں، اور روح کی صحت و مرض کے ماہر و اطباء اور معالج کون ہیں، مادی تفسیرات میں الجھ کر مادہ پرست اور خدا فراموش انسان اپنی روح پر توجہ دینے سے قاصر رہتا ہے، وہ روح کی گہرائیوں سے ابھرنے والے ان سنگتے سوالوں کو مسلسل نظر انداز کرتا رہتا ہے، اپنے ضمیر کی آواز کو سختی سے دبا دیتا ہے، وہ اس مادی کائنات سے آگے نہ اپنے علم کو لے جانا چاہتا ہے، نہ اپنے عمل، سعی و ہمد و جہد اور دوز و صوب کو لے جانا چاہتا ہے، وہ اس بے ثبات عالم اور فانی زندگی اور مادی کائنات پر مطمئن ہو جاتا ہے، اور محض جسمانی ضروریات کی فراہمی کو انسانی زندگی کی تکمیل سمجھتا ہے، سلی خواہشات کی تکمیل اور نفس پروری کو زندگی کا

مقصود قرار دے لیتا ہے، خواہ اس تمام بے راہ روی کے نتیجے میں روح کی بے قراری انتہاء کو پہنچ جائے، روح کو اپنی ضروریات، اپنی دوا و غذا، نہ ملنے سے انسانی شخصیت میں مہیب غلا اور بولناک و خوفناک اوصور پین پیدا ہو جائے، اور انسان اشرف المخلوقات کے بجائے حیوان اور مہذب و رندہ بن جائے، وہ اپنی عقلی و نفسانی خواہشات کی تکمیل کے لئے مجرور میں نساو برپا کر دے، اس کے شر و شرارتوں سے زمین کا پٹنہ گلے، زلزلوں سے بھر جائے، سمندر طغیانوں سے بھر جائیں، دریا بھر جائیں، آتش فشاں شعلے اگلنے لگیں۔

ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْأَخْثَرُ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ (سورۃ الروم)

آیت نمبر ۱۴

ترجمہ: خشکی و تری میں انسانوں کے کرتوتوں سے نساو اور بگاڑ رونما ہو گیا۔

کی صداقت پر پوری کائنات گواہ بن جائے۔

لیکن اس سب کچھ پر بھی خدا فراموش انسان جس سے مس نہ ہو، عقل حیوانی کو خیر باد کہہ کر عقل ایمانی کے مرجے پر آنے کے لئے تیار نہ ہو۔

روح کے احتجاج کو نظر انداز کر تار ہے، فطرت کی قوتوں کے مقابلے میں بعادت و سرکشی پر ہی اڑا رہے، ایک خدا کی خالقیت و مالکیت، معبودیت والوہیت کو مان کر نہ دے، اپنی فرعونیت اور خدائی کے دعاوی سے دستبردار ہونے کے لئے تیار ہی نہ ہو۔

مخلوق ہو کر بھی خالقیت و ربوبیت کی لاف زبیاں کرتا پھرے۔

پرندوں کی طرح فضاؤں میں اڑنے، مچھلیوں کی طرح سمندروں میں تیرنے کے باوجود انسانوں کی طرح زمین پر رہنے اور چلنے کے لئے تیار نہ ہو، مشتری و مریخ کی دیرینہ پراسرار اور اپنی ہستی کو سمجھنے سے انکار کی روش پر قائم رہے۔

خمیر کی ملاست جس کو سعدی نے یوں زبان دی ہے:

تو کار زمین را کو ساختی کہ با سان نیز پرداختی

کے تازیانہ ہائے محبت ہر آن اس کی روح کی گہرائیوں سے بلند ہوتے رہیں، ان پر اس ظلم و جہول نے کان نہیں دھرتا۔

یہ کام کر شے عقل حیوانی کے ہیں، کہاں تک کوئی اولاد آدم کی زباں کاریوں کو، خدا فراموش انسانوں کی غفلت، دنیا عاقبت اندیشیوں کو بیان کرے۔

بس مولانا کے اشعار ملاحظہ کرو، جو ان حقائق کو اپنے اندر سموئے ہوئے ہیں، شریعت کے رموز کے مخفی خزانے اپنے اندر چھپائے ہوئے ہیں۔

## مادی اشیاء کا اصل جو ہر بھی ان میں مخفی غیر مادی امر ہے

جنت منکر ہی آئندہ کہ من	غیر ازس ظاہر نمی بنم وطن
پنج تندی شد کہ ہر جا ظاہر است	آں زحمت ہائے پناہاں جہرست
فائدہ ہر ظاہرے خود باطنیت	بھو نفع اندر دواہا مضر است

مطلب: منکرین (ظاہرین و مادہ پرست) کی بڑی دلیل یہی ہوتی ہے کہ ہمیں تو اس جہان رنگ دیو، اس مادی کائنات کے علاوہ کوئی اور جہاں، کوئی اور عالم (جنت، جہنم، عالم آخرت، برزخ وغیرہ) کو کھائی نہیں دیتے، یہ سب سلسلے ہیں تو کہاں ہیں؟

(مولانا جواب دیتے ہیں) یہ لوگ کچھ نہیں سوچتے؟ غور نہیں کرتے کہ جہاں کہیں کوئی ظاہری نقش، کوئی مادی صورت، محسوسات میں سے کوئی چیز ہوتی ہے، وہ پوشیدہ (مخفی) حقائق سے ہی نمایاں ہوتی ہے (اس کے پیچھے قدرت کا پورا فیہی نظام کارفرما ہوتا ہے) ہر ظاہری صورت اور ظاہری عمل کا فائدہ اور روح کوئی باطنی چیز ہی ہوتی ہے، جو ظاہر میں نظر نہیں آ رہی ہوتی، اس کی ایک مثال دوا دارو ہے کہ ظاہری صورت تو ایک دوائی کی ہے، ایک علاج کی ہے، لیکن اس کی اصل روح اور اصل مظہر جو اس دوا دارو سے مقصود ہے، وہ اس دوا میں شفا کی تاثیر، ازالہ مرض کی وہ صلاحیت ہے، جو غیر مادی اور غیر محسوس چیز ہے، اور دوا میں مخفی طور پر

موجود ہے، تو دوائی میں ازالہ مرض کی تاثیر اور شفا کی صلاحیت کے نظر نہ آنے سے اس کا انکار کرنا کیسے صحیح ہو سکتا ہے، اور نکاہر ہے خود ہری مادہ پرست بھی اس کا انکار نہیں کرتے۔

## عقل حیوانی اپنی اوقات میں رہے

عقل جزوی آفتش و ہم ست و عن	زانکہ در ظلمات شد اور وطن
عقل جزوی عقل را بدنام کرد	کام دنیا مرد را بے کام کرد
ایں غرور جاہل ہی ہانک شدن	دست درد پیاگی ہانک کردن

مطلب: عقل جزوی کا تہیادوام و تخیلات، عن و عنین، بے اصل اور بے حقیقت گہاؤں میں اور دھوکے میں ہیں (جن کو عقل حیوانی کے پہاڑی منطقی اصول اور عقلی مقدمات قرار دیتے ہیں) یہ اس وجہ سے ہے کہ عقل جزوی دالوں کی منزل اور ٹھکانہ تاریکیوں میں ہے، یعنی ان کی روح روشن و منور نہیں، جو اس عالم ناسوت سے آگے کا بھی اور اک کر سکے، اس لئے ان کا مسلک علم یہ عالم ناسوت اور یہ مادی کائنات ہے، اس سے آگے کی ان کو کوئی سوچ بوجھ، کوئی شعور نہیں، کفر کے، اللہ سے اجنبیت و بیگانگی کے نوع در نوع تجاہات ان کی عقل پر اور ان کی روح پر پڑے ہوئے ہیں، قرآن مجید میں ان کی اس حالت کی قریب ترین ترجمانی ان آیات میں ہے:

وَالَّذِينَ كَفَرُوا أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ  
وَإِذَا جَاءَهُمْ مُنْجِيَةٌ قَالُوا هَذَا نَارُ اللَّهِ الَّتِي كُتِبَ عَلَيْهَا أَنْ تُبْعَثَ قُلُوبُهُمْ  
وَاللَّهُ سَرِيعُ الْحِسَابِ. أَوْ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا فَذُوقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنتُمْ تَكْفُرُونَ  
وَإِذَا جَاءَهُمْ مُنْجِيَةٌ قَالُوا هَذَا نَارُ اللَّهِ الَّتِي كُتِبَ عَلَيْهَا أَنْ تُبْعَثَ قُلُوبُهُمْ  
وَاللَّهُ سَرِيعُ الْحِسَابِ. أَوْ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا فَذُوقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنتُمْ تَكْفُرُونَ

ترجمہ: ”اور جو لوگ منکر ہیں ان کے اعمال ایسے ہیں جیسے جتنا صحرا، جس کو پراسا (دور سے) پانی سمجھ، یہاں تک کہ جب پہنچا اس پر اس کو کھونہ پایا اور اللہ کو پایا اپنے پاس پھر اس کو چرا پہنچا دیا اس کا کھسا، اور اللہ جلد لینے والا ہے حساب۔ یا جیسے اندھیرے ہوں مگر سور یا میں، چمچی آتی ہے اس پر ایک لبر اس پر ایک اور لبر اس کے لو پر ہاں اندھیرے ہیں ایک پر ایک، جب نکالے اپنا تھوگ لگتا نہیں کہ اس کو وہ سوچے اور جس کو اللہ نے ندی روشنی اس کے واسطے کہیں نہیں روشنی“

### چند فطری سوالات اور عقل کا ان سے عجز محض

فرماتے ہیں کہ اس عقل جزوی نے حقیقی عقل کو جو عقل ایمانی کا درجہ ہے، بے کار اور بدنام کر دیا ہے، عقل کا حقیقی مقام و مرتبہ یہ ہے کہ وہ وحی کے ماتحت رہے، خصوصاً مابعد الطبیعیاتی امور میں وہ از خود کوئی رائے زنی نہ کرے، کیونکہ مابعد الطبیعیات کے متعلق جاننے کے لئے اس کے پاس ابتدائی معلومات بھی نہیں، یہاں حواس بھی بے کار ہیں، براہ راست فکر و تدبیر بھی بے کار ہے، وہ عالم ہی اور ہے، جس کے امور کو مادی کائنات پر محسوسات کے عالم پر قیاس نہیں کیا جاسکتا، ان مابعد الطبیعیاتی امور یعنی کائنات کا آغاز کیا ہے، انجام کیا ہوگا؟ انسان کا مقصد زندگی کیا ہے، اس زندگی کے بعد کیا سلسلے ہیں؟ روح کہاں سے آئی ہے؟ روح کہاں جائے گی؟ روح کی ضروریات کیا ہیں؟ خالق کائنات کون ہے، اس کی کیا صفات ہیں، خالق و مخلوق کے باہمی تعلق کی کیا نوعیت ہے؟ وہ خالق انسان سے کیا چاہتا ہے، کیا نہیں چاہتا؟ یہ تمام امور صرف اور صرف وحی سے معلوم ہو سکتے ہیں، عقل کا کمال اور سعادت مندی یہ ہے کہ وہ محسوسات و مادی کائنات میں تو اپنے حواس سے کام لے کر فکر و تدبیر کرے، اور مفید مقاصد کے لیے مادی کائنات سے فائدہ اٹھائے، یہاں کی چیزوں کو اپنے استعمال میں لائے، لیکن مذکورہ مابعد الطبیعیاتی امور میں صرف اور صرف وحی کی ماتحت رہے، نبوت

درسات کے زیر اثر رہے فرماتے ہیں دنیا کو مقصود و مطلوب بنانے نے انسان کو بے مقصد و نامراد کر دیا، کیونکہ دنیا مقصود بنانے کی چیز نہیں، عقل جزوی نے وحی کی اتباع سے آزاد ہو کر خود فیصلہ کرنا چاہا تو اس کی نقد سزا اسے یہ ملی کہ مادی کائنات میں الجھ کر اپنی حقیقی منزل سے محروم ہوگئی، اللہ تعالیٰ انبیاء کرام کے ذریعے انسان کو بہت آگے تک کی منزلوں پر لے جا کر قاذر کرنا چاہتے ہیں، انبیاء کی اتباع اور ان پر ایمان سے محروم ہو کر عقل جزوی والے انسانوں نے اپنی منزل کھوٹی کر دی۔

یا اسلمیٰ و یا حسرتا علی العباد.

## عقل حیوانی کے حاملین کا جہل مرکب

فرماتے ہیں کہ اس عقل و ذہن اور فہم و تامل سے جو عقل حیوانی والوں کو حاصل ہے، اور اس پر وہ خوش و مطمئن ہیں کہ ہم بڑے عقل مند ہیں، حتیٰ کہ انبیاء کی تعلیمات کو وحی کے بیان کردہ حقائق کو بھی خاطر میں نہیں لاتے (جیسے کہ روشن خیال مخلوق کا، کافروں کا، دھری سائنس دانوں اور فلاسفہ کا، نام نہاد سیکالروں کا حال واضح ہے) تو اس عقل سے جہالت اور دیوانگی بہتر ہے کہ معمولی سمجھ بوجھ کا عام آدمی عقل کے نشے میں مست نہیں ہوتا، اپنی الملائکویت کے چہرہ میں چمکا نہیں ہوتا، اس لئے ایسے لوگ ایمان بھی جلدی لے آتے ہیں، اور انبیاء کی خبروں پر مطمئن ہو کر، جنت جہنم پر، آخرت پر، ایمان لا کر، حساب کتاب کو تسلیم کر کے، دنیا میں بھی ان عقائد و تعلیمات کے مطابق پابندی احکام و اتباع شریعت و الٰہی زندگی گزارتے ہیں، کچھ بد عملی بھی کرتے ہوں، جب بھی عقیدہ اور نظریہ ان کا بنی ہوتا ہے کہ یہ کام اچھا ہے، یہ برا ہے، کیونکہ انبیاء نے وحی الٰہی نے ان کو اچھا یا بُرا بتایا ہے، اور مرنے کے بعد ان کا اچھا یا بُرا نتیجہ بھی ضرور سامنے آنے والا ہے، اس لئے وہ گناہ پر جری نہیں ہوتے، گناہ کو اُرت، ٹکڑ، روشن خیالی اور جدت پسندی، کے خوشنما غلافوں میں لپیٹ کر دین میں تحریف کے مرکب نہیں

ہوتے، بلکہ گناہ کو گناہ سمجھتے ہیں، اور آخرت کے مواخذے سے ڈرتے ہیں، اس لئے تو یہ استغفار بھی کرتے ہیں، اور زندگی کے کسی بھی مرحلے میں اپنی کوتاہیوں کا احساس بھی ان کو ہو جاتا ہے، اور اس کے بعد کی زندگی کی اصلاح کر لیتے ہیں، اب دیکھوان لوگوں کے پاس معمولی عقل تھی، لیکن یہ ان عقل جزوی والوں سے فائدہ میں رہے، یہ صرف دنیا ہی میں نہ اٹھے، مادیت ہی کو قبلہ و کعبہ نہیں بنایا، اس لئے فرماتے ہیں کہ عقل جزوی والے ان افلاطونوں سے تو یہ عام سیدھے سادھے مسلمان جو توحید رسالت، آخرت، حشر، نشر، نبوت، مبداء و معاد، جنت جہنم پر ایمان رکھتے ہیں، یہ زیادہ اچھی حالت میں رہے، اگر عقل جزوی والوں کے نزدیک یہ دنیا نویت ہے، یہ جہالت ہے، تو مولانا فرماتے ہیں کہ یہ جہالت اور یہ دنیا نویت تمہاری افلاطونیت سے لاکھ دور ہے بہتر ہے، جو افلاطونیت تمہیں توحید، رسالت کی اہمیت نہ سکھاسکی، تمہیں آخرت کے عالم سے واقف نہ کرائی،۔

قلم بخلکن، سیاسی برجن دوم درکش حسن این قصہ عشق است در دفتر نمی نگہد  
مولانا نے اسی بات کو دوسری جگہ یوں فرمایا ہے:

آزمودم عقل دور اندیش را بعد از آن دیوانہ سازم خویش را

عقل خدا داد سے روشن ہے زمانہ

صد ہزاراں فضل دارد از علوم	جان خود رانی اندامیں علوم
داندان خاصیت ہر جوہرے	در بیان جوہر خود چوں غرے
قیمت ہر کالہ می دانی کہ چوست	قیمت خود راندانی زانچوست
جان جملہ علما میں است این	کہ بدانی من یکم در جم دین

مطلب: (فرماتے ہیں) ایک فلسفی، ایک حکیم، ایک سائنسٹ، ایک ماہر پرست، خدا فراموش سکالر دنیا جہان کے علوم سے تو واقف اور باخبر ہوتا ہے، مادی کائنات کے مختصر

واجزاء کی تحقیق و دریافت میں تو ہال کی کمال امارت ہے، نبات و جماد اور سب ذی حیات مخلوقات کی تخلیق، بناوٹ، ترکیبی صیغہ، منافع و مضرات کا کھوج لگانے میں عمر کھپا دیتا ہے، لیکن اپنی ہستی اور ذات کا یہ عالم و جاہل انسان (انہ کا ان ظلو ما تھولاء، الایہ) اور اک و شہور حاصل نہیں کرتا۔

ہر کائناتی عنصر، ہر مادی ذرے کی اصل اور جوہر تک تو رسائی حاصل کر لیتا ہے، اس کے خاصیات اور منافع و مضرات سے واقفیت، ہم پہنچا دیتا ہے، لیکن اپنے اصل اور جوہر (روح اور روح کے خواص، اور مقصد تخلق آدم) سے بالکل انجان بنا دیتا ہے، اس باب میں بالکل گمراہی کا مظاہرہ کرتا ہے، ہر ذرے کی قدر و قیمت کا کھوج لگا آتا ہے، لیکن حماقت اور نادانی کرتے ہوئے اپنی قدر و قیمت کا کھوج نہیں لگا تا، کہ اللہ کے نزدیک انسان کی کیا قدر و قیمت ہے، کائنات میں اس کی حیثیت اور مقام کیا ہے۔

(فرماتے ہیں) حالانکہ دنیا جہان کے تمام علوم اور حکمت و دانش کی اصل روح اور جوہر یہ ہے کہ انسان یہ جان لے کہ کل حشر کے بازار میں میری کیا قیمت لگے گی، اور جنت و جہنم کی خریداری میں میں کس دام بکوں گا۔ ع

کس دام بکیں گے، کوئی لگا دیا رہے پوچھے

ہاں ہماری جانوں کی قیمت لگ چکی ہے، بولی لگانے والے خود ہمارے خالق و مالک اور ہمارے کریم رب ہیں، اور جس آفاقی تجارت کے لئے تمام اولاد آدم کو یہ زندگی مستعار ملی ہے، ”رب السموات والارض“ نے ”ملک الناس“ اور ”الاناس“ نے ”نفس“ نہیں اس کے متعلق اپنا شاہی فرمان، اپنے پیچھے ہوئے صحیفہ ہدایت اور ربانی منشور میں جاری اور نافذ فرمایا ہے۔

ملاحظہ ہوں آیات چنانہ:

إِنَّ اللّٰهَ اشْتَرَىٰ مِنْ النَّفْسِ مِيزَنَ أَنْفُسِهِمْ وَأَقْوَمُ لَهُمْ بِأَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ



يَقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَيَقْتُلُونَ وَيُقْتَلُونَ (سورۃ التوبہ، آیت ۱۱۱)

ترجمہ: اللہ نے مسلمانوں سے ان کی جانیں اور ان کے مال خرید لئے ہیں (اور اس کے) عوض میں ان کے لئے بہشت (تیار کی) ہے۔ یہ لوگ اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں تو مارے بھی ہیں اور مارے جاتے بھی ہیں۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا هَلْ أَدُلُّكُمْ عَلَىٰ بَحَارَةٍ تَجِيءُكُمْ مِنْ عَذَابِ اللَّهِ فَيُمْسُونَ بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ وَتُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ بِأَمْوَالِكُمْ وَأَنْفُسِكُمْ ذَلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ. يُغْفِرُ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَيُدْخِلُكُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ وَمَسْكِنٌ وَلَدِيَّةٌ فِي جَنَّاتٍ عَدْنٍ ذَلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ (سورۃ الصف، آیت ۱۴ تا ۱۶)

ترجمہ: اے ایمان والو! کیا میں تم کو ایسی تہاوت بتاؤں جو تمہیں دردناک عذاب سے نہات دے۔ تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور تم اللہ کی راہ میں اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے جہاد کرو یہی تمہارے لیے بہتر ہے اگر تم جانتے ہو۔ وہ تمہارے لیے تمہارے گناہ بخش دے گا اور تمہیں بہشتوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہوں گی اور پاکیزہ مکانوں میں ہمیشہ رہنے کے باغوں میں داخل کرے گا یہ بڑی کامیابی ہے۔

يَا أَيُّهَا الْإِنْسَانُ مَا غَرَّبَكَ بِرَبِّكَ الْكَافِرُ نَحْمُ سَورۃ الاعطاف، آیت ۶

ترجمہ: اے انسان تجھے اپنے کریم و مہربان رب کے بارے میں کس چیز نے دھوکے میں ڈالا؟

فلسفی کو بحث میں خدا ملتا نہیں

گردِ خواہی کت شقاوت کم شود	چند کن تا از تو حکمت کم شود
----------------------------	-----------------------------

حکمتِ کربطیع آئندہ و زخیال	حکمتِ بے فیض نور ذوالجلال
حکمتِ دنیا فزائندہ غلن و شک	حکمتِ دینی بزد و فوقی شک

مطلب: (فرماتے ہیں) اگر تو چاہتا ہے کہ تیری کم غلتی اور شقاوت میں کمی آجائے، تو کوشش کر کہ فلسفہ سے (کائنات و موجودات اور مابعد الطبیعیاتی امور میں مادیین، فلاسفہ کے نظریات سے) چھٹکارا پالے، بے دین عقائد کی عقلی لمن ترانیوں پر فریفتہ ہونے سے کنارہ کشی کر لے (کہ یہ سب غلن و غمین اور انکل بکل باتیں ہیں، جن کو فلسفہ لامرئی حقیقت سے کچھ بھی مس نہیں)

(فرماتے ہیں) جو حکمت و دانش اور فلسفہ محض انسانی طبیعت اور فکر کی پیداوار ہو، اور خیالات انسانی سے ناشی ہو، وہ رب ذوالجلال کے نورانی فیض سے خالی ہوتا ہے (جو فیض کہ مقررین بارگاہ حق پر کشف و الہام اور وحی کی صورت میں فائض و نازل ہوتا ہے، اور اس فیض ربانی سے ہی کج معنوں میں انکشاف حقائق ہوتا ہے، اور راستی کو اپنی ذات کا اور اک اور معرفت حاصل ہوتی ہے)

(فرماتے ہیں) یہ دنیوی حکمت و دانش اور مادی فلسفہ (جو بے دین فلاسفہ کی یادگار ہے) محض غلن و غمین پر مبنی ہے، اور خلک و شبہات ہی کو بڑھاتا ہے، بمصداق آیت کریمہ:

إِنْ يَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ وَإِنَّ الظَّنَّ لَا يُلْغِي مِنْ الْحَقِّ شَيْئًا (سورۃ النجم،

آیت ۲۸)

ترجمہ: وہ صرف اپنے گمان کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں اور وحک و ہم (گمان) حق کے مقابلے میں کچھ کام نہیں دیتا۔

جبکہ وہ حکمت و فلسفہ جو آسمانی شریعتوں نے پیش کیا ہے، انبیاء علیہم السلام کی تعلیمات سے ناشی ہے، وہ تجھے آسمان سے بھی اوپر کی بلند یوں تک پہنچا دے گا، اور مقام عروج کی معراج کرا دے گا، جس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو اس راستے سے اچھائے عروج پر لے جا کر

معراج کرائی، بقول اقبال مرحوم:

سبقت ملا ہے یہ معراج مصطفیٰ سے مجھے کہ عالم بشریت کی زد میں ہے گردوں  
(بال جبریل)

اس نبی کے نقش قدم پر چلنے سے قربت و معرفت کے مقام عروج پر فائز ہوا جاسکتا ہے۔  
وہ دانا ہے سبیل، شمع الرسل، مولائے نکل جس نے غبارِ راہ کو بخشا فروغ وادی سینا  
(ایضاً)

نیز:

نبی کے نقش قدم ہیں جنت کے راستے اللہ سے ملاتے ہیں سنت کے راستے  
حضرت شاہ فضل الرحمن صاحب گنج مراد آبادی رحمہ اللہ انیسویں صدی کے سلسلہ نقشبندیہ کے  
عظیم بزرگ ہیں، حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ کے شاگرد تھے، دینی علوم  
ظاہری کی تحصیل کے بعد اپنے زمانے کے عظیم نقشبندی صوفی بزرگ حضرت شاہ آفاق رحمہ  
اللہ سے علوم باطنیہ کی تکمیل کی، اور معرفت کے مقامات طے کئے، ربانی و الہی محبت کے رنگ  
میں رنگ کر مقام فائز پر فائز ہوئے، جو منطق و فلسفہ وغیرہ علوم ظاہرہ کی تارسانی اور بے وقعتی کا  
یوں ذکر کرتے ہیں، اپنے اشعار میں اپنے مرشد کو خطاب فرماتے ہوئے:

اے شہ آفاق شیریں داستان      بکواز بے شکائی من نکش  
صرف و نمود منظم را سوختی      شعلہ عشق خدا فروختی

عقل حیوانی اور عقل ایمانی کی کارگزاریوں کا موازنہ

عقل دینر ہا کند بکسر سیاہ	عقل عقل آفاق دارد پر زماہ
از سیاہی وسطیدی فارغ است	نور را پیش بردل و جان بازغ است

مولانا نے عقل ایمانی کے لئے یہاں عقل عقل کی تعبیر اختیار کی ہے، یعنی عقل ایمانی عقل کی  
بھی عقل ہے، اور عقل کے لئے راہِ خدا اور چراغ ہے، اس عقل ایمانی کے بغیر عقل، عقل

کہلانے کی بھی مستحق نہیں، اور یہ عقل ایمانی انہی سعادت مند نفوس کے حصے میں آتی ہے، جو ایمان کی روشنی اور یقین کا خزانہ اپنے پاس رکھتے ہوں۔

ان مذکورہ اشعار میں عقل ایمانی اور عام عقل (عقل جزوی یا حیوانی) کا باہم موازنہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ عقل حیوانی نے انسانی نامہ ہائے اعمال کے دفتر کے دفتر سیاہ کئے ہیں، کائنات کو ہمیشہ فساد و بگاڑ سے بھرا رکھا ہے، انسان کے شرف انسانیت کی مٹی پلید کی ہے، انسان کے مصہب خلافت و نیابت (انہی جامل فی الارض خلیفہ الایہ) کو پامال اور داندہار کیا ہے، کبھی قاتل اس عقل حیوانی کا حامل ہو کر زمین میں خونریزی کی بنیاد ڈالتا ہے، کبھی قوم نوح کے کفر چٹھے سردار اس عقل حیوانی کے مل بوتے پر انبیاء علیہم السلام کی انسانوں میں رائج کردہ آسمانی تعلیمات اور رہائی ہدایت کو فخر بودہ کر کے، توحید و رسالت کی بنیادیں اکھیڑ کر انسانوں میں شرک و بت پرستی کے اندھیاروں کا نسوں پھونکتے ہیں، جس کے نتیجہ میں پوری روئے زمین اپنے ساکنین کے ہمرہو طوفانوں اور سیلابوں میں غرقاب و غوطہ زن ہو جاتی ہے، کبھی عقل حیوانی کے حاملین آزر و مردوں، شداد و فرعون، عاد و ثمود، قوم شعیب اور قوم لوط کی صورت میں زمین کو نوح و فساد اور بگاڑ سے بھرتے ہیں، اور اس حد تک انسانی حدود سے تجاوز کر جاتے ہیں کہ قیامت سے پہلے زمین پر قیامتیں برپا ہوتی ہیں، کبھی آسمان سے چتر برسنے لگتے ہیں، تو کبھی دھڑلوں سے زمین بھر جاتی ہے، اور کبھی دوریا و سمندر بھر جاتے ہیں، اس طرح انسان کے بگاڑ پر تمام کائناتی قوتیں، مظاہر قدرت، فرشتوں کے قدوسی لشکر، ملائکہ اعلیٰ کے ارباب حل و عقد اور حاملین حکومین اپنا احتجاج رکھاڑ کر جاتے ہیں، اور میرے رب کے یہ تمام کھلے چھپے لشکر انسانی بگاڑ اور فساد کے ایک خاص حد تک پہنچنے کے بعد باذن رب اس کے آگے بند باندھتے، دروک اور پیر مل لگاتے رہے ہیں۔

وَمَا يَنْفَعُ جُنُودَ رَبِّكَ إِلَّا هُوَ وَمَا يَصْرِفُهُ إِلَّا هُوَ ۚ

ترجمہ: اور تمہارے پروردگار کے لشکروں کو اس کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

آج بھی عقل حیوانی کے حاملین نے زمین کو فساد سے بھر رکھا ہے، کرہ ارضی کو جہنم کا نمونہ بنا رکھا ہے، سسکی ہوئی دہکی انسانیت پر زندگی کو دہال بنا رکھا ہے، آج بھی کائناتی طاقتیں، خدا کے قدوسی فکر، ملام اعلیٰ کے اربابِ گویں اس فساد کے آگے مختلف اطوار سے روک لگاتے رہتے ہیں، اور اس ہکا بکا ایک حد میں محدود رکھتے اور اس کے درخ اوتنے بدلتے رہتے ہیں، کیونکہ:

وَاللّٰهُ مِنْ وَرَآئِهِمْ مُّجِيبٌ سُورَةُ الْبُرُوجِ، آیت ۴۰  
ترجمہ: اور اللہ ہر طرف سے ان کو گھیرے ہوئے ہے۔

اور

وَلَمَّا اتَّبَعَ الْخَلْقُ أَهْلَآءَهُمْ لَقِيَ سَدَّ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَنْ فِيهِنَّ (سورۃ المؤمن، آیت ۱۷)

ترجمہ: اور اگر حق تعالیٰ ان کی خواہشوں کے پیچھے چلے (کائنات کی باگ ان کی من مانوں کے ماتحت کر دے) تو یقیناً سب آسمان اور زمین اور جو کوئی ان میں ہے، بکڑ جائیں۔

یہ تو عقل حیوانی کی سید کاریوں کا حال تھا، جبکہ عقل ایمانی کے بارے میں فرماتے ہیں کہ عقل ایمانی کی وجہ سے زمین اور ساری کائنات چودہویں کے چاند کی طرح جگمگا رہی ہے۔ ہاں انبیاء اور ان کے نائبین اور اللہ والوں، اللہ کے نیک صالح بندوں کی وجہ سے ہی یہ دنیا قائم ہے، اس کی چمک، چیل، پیکل اور رونق برقرار ہے۔

حضرت نوح اور ان کے تبع مومنین نہ ہوتے، تو زندگی کے ہنگامے تو عقل حیوانی کے حاملین قوم نوح کے مشرک و منافقان قوم کی فرجاتی کے ساتھ ہی ٹھنڈے ہو چکے ہوتے۔

حضرت ہود و صالح، حضرت شعیب و حضرت لوط، حضرت یونس و حضرت موسیٰ علیہم السلام اور ان کے تخلص قبضین نہ ہوتے، تو انسانیت کا تو بھی کاتیا پانچ ہو چکا ہوتا، زمین خلا کے کسی

آوارہ اور دیوان سپارے کی طرح زندگی کی چہل چل اور انسانی آبادی سے محروم ہو کر فضا میں آوارہ و پریشان محو م رہی ہوتی۔۔

رواں ہے زمین بے کراں خلاؤں میں مگر صدا کوئی اٹھتی نہیں ہواؤں میں  
آج کے اہل حق و اہل ایمان نہ ہوتے، تو آج کے طاغوت تو کب کا نوع انسانیہ کا رشتہ  
اپنے رب سے کاٹ چکے تھے، کیا روس کے بڑبولے کیڈٹوں کی یہ بغاوت تاریخ و پکارا  
نہیں کر چکی کہ ”ہم نے خدا کی عارضی خدمات کا شکر یہ ادا کر کے اسے سرحد پار و تکمیل  
دیا“ (زندگی کے ہنگاموں اور دنیا کے نظم و نسق سے اسے بے دخل کر دیا)

العیاذ باللہ من هذه الهولاء.

لیکن میرے رب کی بادشاہی تو آج بھی پورے جلال اور آب و تاب کے ساتھ قائم ہے،  
جبکہ سرخ برقانی دیکھ سانسیر یا کے برف زاروں میں منہ چسپائے خدا پرستوں کے ہاتھوں  
کھائے ہوئے زخم آج بھی سہلار ہا ہے، اللہ اکبر۔

آج ایک اور بڑبولا، خدا کی کا دعویدار، زمانے کا فرعون سپر پاور ہونے کے قلعہ زعم میں جتلا،  
طاغوت وقت بھی موت و حیات کی کھٹکھٹ میں جتلا ہو چکا ہے، کوئی وقت جاتا ہے، کہ یہ آخری  
پگلی لے اور اپنی خود ساختہ خدائی کے تحت سے دھڑام سے پیچھا آ کرے۔

نَلْ تَقْدِفْ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ فَيَلْبَعْنَهُ فَإِذَا هُوَ رَاغِبٌ (سورۃ الاحقاف، آیت ۱۸)

ترجمہ: بلکہ ہم حق کو باطل پر پیچھا مارتے ہیں پھر وہ باطل کا بیجا نکال ڈالتا ہے  
پھر وہ مٹنے والا ہوتا ہے۔

قرآن مجید مختلف مقامات میں عقل حیوانی کے حاملین کو متنبہ کرتا ہے:

وَلَا تَقْسِدُوا فِي الْأَرْضِ نَعْلَمُ إِضْلَاحِيهَا (سورۃ الاعراف، آیت ۵۶)

کہ زمین میں سوچنے کے بعد پھر فساد نہ پھار۔

تو یہی اصلاح ہے جو ہر زمانے میں انبیاء اور ان کے تابعین و قیامین آ کے کرتے رہے ہیں،  
کفر کے اندھیاروں میں ایمان و خدا پرستی کے دیپ جلاتے رہے ہیں، خدا کے بندوں کو

وقت کے طاغوتوں کے چلنے سے نکال کر اور کفر یہ غذا ہب کے جور و جبر سے چھڑا کر ایک خدا سے جوڑتے رہے ہیں۔

## وہ شاہ و دو جہاں جس دل میں آئے ہے

(فرماتے ہیں) عقل ایمانی کا نور اس جہاں رنگ و بو کی مادی وحسی سیاحی و سفیدی سے، ظاہری زیب و زینت اور ہلاوت سہاوت سے بے نیاز ہے، اس کے حسن اور نورانیت کے جلوے تو دل کی گہرائیوں اور روح کی پہنائیوں میں جھلک رہے ہوتے ہیں اور اپنے حسن کی بہار چائغزاد کھلا رہے ہوتے ہیں، جس کے دل اور روح پر اس کی پرچھائیں چڑ جائیں، وہ دو عالم کو بھی اس کے مقابلے میں خاطر میں نہیں لاتا۔

دو عالم کو خاطر میں لائے نہ ہم      جانے کیا پاگمے جان عالم سے ہم

وہ شاہ و دو جہاں جس دل میں آئے ہے      عزے دو جہاں سے بڑھ کر وہ پائے ہے

ان کی یاد میں بیٹھے جو ب سے بے غرض ہو کر      تو اپنا ہر یا بھی پھر ہمیں محبت سلیمان تھا

حس و قمر کی روشنی عظم الہی اور محبت الہی کے حاملین کے آفتاب ایمان و یقین کے سامنے گہنا جاتی ہے، دنیا کی ساری رنگینیاں اور شاہادیاں ان کے دل میں کھلنے والی ایمانی کلکاریوں کے مقابلے میں مرجھا جاتی ہیں، اور پچھلی معلوم ہوتی ہیں، مرزا بیدل کسی ایسی ہی ایمانی تجلی سے بے تاب ہو کر پکارا اٹھے تھے:

چہ ستم است گر ہوست کشد کہ چہ سیر مرد و من در آ

تو ز غنیمت کم نہ میدہ ای در دل کشاپ چمن در آ ۱

۱۔ کبھی ہی بات ہے کہ دنیا کی ہوس و حرص تجھے دنیا کی ظاہری رنگینیاں اور تجلی شاہادیاں پر فریفتہ کر دے اور تھی کافی دنیا کے رنگ و بو میں گھوڑ کر دھائے، مگر اگر کرۂ خود کی گہرائی ویداد اور غم سے کم کھو ہوا نہیں ہے، مگر اپنے دل کا دروازہ کھول اور باطن کی آواز و شاہاد پر ہائے ویداد دیا کے عزے کرے۔

باطن کی دنیا کی اسی آبادی و شمارانی کا مولانا روم رحمہ اللہ ایک مقام پر یوں تذکرہ فرماتے ہیں:

آسمان ہا است در ولایت جاں	کار فرمائے آسمان جہاں
دردہ روح پست و بالاست	کوہ ہائے بلند و صحرا است
غیب را آہے و بادے دیگر است	آسمانے آفتابے دیگر است

کہ دل اور روح کی سلطنت کے بھی اپنے آسمان ہیں، جو اس جہاں کے آسمان کی طرح ہی روح و باطن کی دنیا میں فعال و کار فرما ہیں، روح کے راستوں میں بھی تھیب و فراز اور بلندی و پستی ہے، بڑے بڑے پچھلے میدان، درختے صحراء، اور فلک یوں پرباز ہیں، باطن کے اس فنی نظام کے الگ موسم اور باد و باران کے سلسلے ہیں، اور اس کی اپنی خلا و فضا، اپنے آفتاب و مانتاب ہیں۔

## اپنے من میں ڈوب کر

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے منسوب ذیل کے اشعار میں بھی یہی حقیقت بیان ہوئی ہے۔

ذَوَاؤُكَ فِيكَ وَمَا تُبْصِرُ	وَذَوَاؤُكَ بِنُكْ وَمَا تُشْعُرُ
وَنَسْرُ عَمَّ اَنْكَ جَزْمٌ ضَعِيفُ	وَفِيكَ اِنْطَوَى الْعَالَمُ الْكَبِيرُ ۱

صوفیاء کی اصطلاح میں یہ تقسیم عالم اصغر اور عالم اکبر کے عنوان سے معنون ہے، کہ انسان

۱۔ یہ اشعار صاحب روح المعانی علامہ ابن عربی علیہ الرحمۃ نے اپنی تفسیر میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیے ہیں، مطالعہ ہول روح المعانی ۹۱ء۔

ترجمہ: میری ذات میرے وجود کے اندر ہی ہے (ایمان و یقین جس کے بغیر روح بے یمن اور دل پر راض ہوتا ہے، اور انسان جس کے ہاتھوں پر دل اور ہر اہم تخیلات کا ذخیرہ ہوتا ہے) اور میری چاندی بھی میری اپنی ذات سے ہی بچا ہوئی ہے، جس کا تجھے شعور نہیں (یعنی فکر و فکر، یمن و یقین اور مادیت پرستی اور علم و فلسفہ اور سیرت، یہی انسان کے اصل اور حقیقی جز ہیں) اور میں اس کی دائمی پاکیزگی چاہتا ہوں کی وجہ سے ہے، اور یہاں پر اس انسان کے اندر سے ہی چھوٹتے ہیں، ان کے سرخسے اور سوتے اور سے لٹکے سے ہی اگلے ہیں) تو اپنے آپ کو ایک چھوٹا سا (پالکا، چوڑے کا) جسم اور ایک حقیر وجود سمجھتا ہے، حالانکہ جسے خداوند پروردگار کا کائنات بھی ہوئی ہے، کہ انسان ہی قصور و تقصیر ہے، شرف و علو کا ہے، جساری کائنات کا ہے، چھوٹے وجود کے ساتھ یہ مال و مال و مال ہے، چندی کائنات اس کے فائدہ و کمالات کے لئے مقرر ہے)



عالمِ صغیر یعنی اپنی ذات میں خلاصہ کائنات ہے، اور گویا کہ ایک چھوٹی سی دنیا ہے، اور انسان کے باہر جو کچھ ہے، وہ عالمِ اکبر ہے، یعنی پھیلی ہوئی بڑی کائنات۔

اللہ کے مقبولین اور مقربین، بارگاہ، کاملین، انبیاء و صلہ یقین، شہداء اور اولیاء و صالحین نے ایسی زندگیاں گزاریں کہ مقصود کائنات ہونے کا عملی ثبوت دیا۔

پھر رب نے ساری کائنات کو ان کے گرد گھمایا۔

کبھی کبھی تو اس ایک مشقِ خاکی کے گرد  
طواف کرتے ہوئے ہفت آساں گزرے

اپنے من میں ڈوب کر پا جا سراغِ زندگی  
میرا نہیں بنانا بن اپنا تو ہیں

## طبع، عقل اور شرع، فرق مراتب

حسنِ سیرِ عقل باشد اے غلاں  
عقلِ سیرِ روح باشد ہم ہاں  
دست بستہ عقل را جان باز کرد  
کار ہائے بستہ را ہم ساز کرد

مولانا فرماتے ہیں کہ جس طرح طبیعت و حواس عقل کے ماتحت اور اس کے تابع و محکوم ہیں، اسی طرح عقلِ روح کی ماتحت اور تابع ہے، روح عقل کے مجزے ہوئے کام لہ بھر میں، بنا دیتی ہے۔

عقل کی الجھنیں اور دشواریاں پلک جھپکنے کی دیر میں حل کر دیتی اور کھول دیتی ہے، انکشافِ حقائق کے جائز اور دشوار گزرا سفر میں ہستی و ذات اور موجودات کی اصل اور کنک نہ پہنچنے کے چھیدہ اور معرہِ نامل میں عقل، ذرہ بمثل ایک دو قدم ہی اٹھا پاتے ہیں کہ ان کا سامن پھول جاتا ہے، عقل حواسِ باختر ہو کر چھپا رکھتا ہے، عقل شفا سحری شیرازی۔

چہ شبہا نصہستم دریں سیرِ گم  
کہ دہشت گرفت آہنِ گم  
نادر اک در کن ز آتش رسد  
نہ نگرمت بغور صفائش رسد

کہ خاصاں دیریں رانا فرس رانده اند      بلا اخصی از تک فرومانده اند  
نه هر جائے مرکب تو اس تا نقض      کہ جاہا سپر با کمانده نقض  
(روحانی نظم) ۱

## محبت سے دلوں کی حیات ہے

پچھے ذکر ہو چکا ہے کہ ساتویں صدی ہجری میں (جو مولانا رومی کی صدی ہے) عالم اسلام عقلیت پرستی، علم کلام کی تنگ بحثوں اور منطق و فلسفہ کی غلبہ و غلبہ موقعاں اور عقلی امن ترانیوں سے گونج رہا تھا، دلوں کی انگلیٹھیاں سرد پڑتی جا رہی تھیں، جس کے نتیجے میں ایمانی دلوں اور ذوق یقین سے محرومی پڑتی جا رہی تھی، محبت الہی کی چنگاری مسلمانوں کے خرمین دل سے بجھتی جا رہی تھی۔

بھی عشق کی آگ اندھیر ہے      یہ مسلمان نہیں راکھا کا ڈھیر ہے  
یہ صورت حال اُس وقت پیدا ہو چکی تھی، افسردہ دلی اور مردہ دلی نے معاشرے کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا تھا، محبت کی آگ بجھ جائے اور دل مردہ ہو جائیں تو زندگی کی رونقیں ختم ہو جاتی ہیں، خصوصاً اسلامی زندگی کی بہاریں اور امت کی سرسبزی و شادابی خزاں رسیدہ ہو جاتی ہے، پھر علوم و فنون کی عقلی موقعاں اور فلسفہ و دانشوروں اور عقل پرستوں کی ذہانتیں اور دماغ سوڑیاں کچھ بھی کارآمد نہیں ہوتیں، قوموں اور ملتوں کو مردہ دل و مادہ پرست عقل پرستوں کے

۱۔ کتنی ہی راتیں میں نے اس غمراہی میں آنکھوں میں کانٹیں (کہ اللہ تعالیٰ کی کائنات اور حقیقت کیا ہے اور کائنات کو اس نے کس طرح وجود بخلا ہے) لیکن تجھ کا لگاؤ کہ وحشت و حیرانگی نے مجھے آئینے سے بچا کر اٹھا دیا کہ جا (محل سے) گھڑا سے اس بچے کے پیچھے نہ دلا (محل سے مادہ ہے) حقیقت یہ ہے کہ محل وادراک کی قوتیں نہ اس ذات وحدہ کے کائنات تک پہنچ سکتی ہیں نہ اس کے کائنات کی کوئی اور معنی کو ناپ سکتی ہیں، انبی کے خاصان خدا (انبیاء و اولیاء و مقررین نے بھی اس راستے میں گھڑا سے دلائے سوئے طر لا اخصی کہہ کر تھکوا دل دیئے) لا اخصی بظاہر اس حدیث کی طرف اشارہ ہے جس میں حضرت علیؑ کے پیادے لکھا ہیں کہ اسے اللہ آپ کی ایک ہونٹا نہیں کر سکا جیسے آپ خود اپنی ہونٹا کر سکتے ہیں کہ ہم آپ کی معرفت ذات کا سوا نہیں کر سکتے اس لیے چاہے کہ وہی ہر جگہ عقلی گھڑا سے نہ دلائے (جیسے فلسفہ و مادہ پرست اہل عقل کا خیال ہے) بلکہ کہیں تھکوا بھی اہل ایمان کرے۔

انکار پریشاں سے حیاتِ تازہ نہیں مل سکتی

سنگِ وحشت سے ہوتے نہیں جہاں آباد

دل کی زندگی ہی اصل زندگی ہے جو جذبِ محبت سے پروان چڑھتی ہے۔

مجھے یہ ڈر ہے کہ دل زندہ نہیں تو نہ مر جائے

کہ زندگی کافی عبارت ہے حیرے جینے سے

ایمان و یقین کا خمیر اسی جذبِ محبت میں گندھا ہوا ہے، اور محبت کی آپ حیات سے پروان چڑھتا ہے، حق پر قائم دائم رہنے اور حق کے لیے جینے مرنے کے پاکیزہ جذباتِ روح کی گھرائیوں میں سلگتی ہوئی اسی چنگاری کے شعلے ہیں، مومن کے اندر یہ چنگاری سلگتی ذاتی جا ہے، وہی رہے خواہ بھڑکے نہ، لیکن بجھنے نہ پائے، یہ چنگاری بجھتی ہے تو جانتے ہو کیا ہوتا ہے؟ انسان زندگی پر بوجھ بن جاتا ہے، مسلمان اسلام کے نام پر بدنام و صہ بن جاتا ہے، شرکا پر کال اور شیطانِ قوتوں کا آلہ کار بن جاتا ہے، زمین و آسمان کا پورا نظام اس کے شر سے پتلا مانگتا ہے، آج مسلمانوں میں پھر ایسے مردہ دلوں و تاریک خمیروں کی بھرمار ہو گئی ہے، خمیر تاریک و مردہ ہو تو روشن خیالی و ہمتِ پسندی کے دھوے محض اپنی منافقت، دو نفلے پن، خواہشاتِ پرستی، اپنی دنیاؤں سے انحراف اور ملتِ فروشی کے جرائم پر پردہ ڈالنے کی فنکاری ہوتی ہے، اس سارے پس منظر کو سامنے رکھ کر مولانا رومی اور علامہ اقبال کے معرفت و محبت اور محض و خرد کے حلقِ کلام کا مطلب و مفہوم خوب سمجھنا ہے۔

## محبت فاتحِ عالم

مولانا کا زحرِ محبت کو بھتا ہے:

از محبت تلخیا شیریں شود	وز محبت مسہا زریں شود
از محبت دردِ حاصلی شود	وز محبت دردِ ناشانی شود
از محبت جہنم گلشن می شود	بے محبت روضہ گلشن می شود

از محبت سنگ روشن ی شود	بے محبت موسم آہن ی شود
از محبت ستم صحت ی شود	از محبت قہر رحمت ی شود
از محبت مردہ زندہ ی شود	از محبت شاہ بندہ ی شود

حب الہی میں کتنی پاور اور توانائی (دولت) ہے، مولا ناردی فرماتے ہیں:

جسم خاک از عشق بر افلاک شد	کو در رقص آمد و چالاک شد
عشق جان طرد آمد عاشقا	طرد مست "و غرموی صفا" ج

فلس پرستیوں، خود غرضیوں، اجنبی خواہشات میں پڑ کر اور دنیا جہان کے بکھیر دیں کو اپنے سر لے کر پریشان روزگار اور آفتل مغرور آفتل خور میض جب جام محبت سے ایک گھونٹ لیتا، ایک جرد بھرتا ہے، تو سرور و بے خودی کا کیا عالم اس پر طاری ہوتا ہے، مولا ناساں حال کی ترجمانی کرتے ہیں:

شاہ بائ اے عشق خوش سوائے ما	اے طیب جملہ طعنائے ما
اے دوائے نوحہ و ناموس ما	اے تو افلاطون و چالینوس ما

مولا ناساں فرماتے ہیں کہ اس فانی دنیا میں جذبہ محبت ایک لافانی سوغات ہے، یہ بخر ناپیدا کرتا

۱۔ ترجمہ محبت سے نگاہیں غور ہو جاتی ہیں، محبت سے تپا سوتا ہی جاتا ہے، محبت سے چمکت (جام شراب کی تہ میں بیٹھا ہوا) بکرا، لٹو شکان جاتی ہے، محبت سب دروں کے لئے شفا اور دوا امراض کے لئے دوا ہے، محبت سے قد خور، قلب گستاخ ہو جاتا ہے، محبت کے پیر گل بگرا بھی کوزا بکرا ہیں، محبت چری گنجی کو مات دے دیتا ہے، جگر موم ہو جاتے ہیں "وان من العاجل والعا بطغر مدہ الا تھاد" "محبت کے بغیر موم بھی لوہے کی سرشتی جتنی کو شرمائے لگتا ہے۔" محبت سے چاری (فلس و صوفیوں کا لہر، دلوں کا فاسد رنگ) امید پر محبت ہو جاتی ہے، محبت سے قہر بے مروتی اور مت داریت سے بدل جاتی ہے، محبت سے سرور (دل لگی) لگتے ہیں، محبت سے بدشاہ نظام محبت ہو جاتے ہیں)

۲۔ ترجمہ: ہر جتنی عشق محبت کی وجہ سے سیر سوات کرے لگتا ہے، وہ شکر آ جاتا ہے، لڑائی و جھگڑا ہوتا ہے اسے عاشق محبت کی کو نظر پڑنے بدل لگتی اصل ہے۔ جس سے غور و جہش کیا ہو مری ہے عشق ہو کر گر پڑے۔

۳۔ ترجمہ: شاہ آوارہ ہے، قہر محبت جو چاری آزاروں اور سامان کی چالی ہے اسے کو قوی چاری سب کچھ مچھلی مچھلی مچھلی اور چاریوں کا سچا محبوب ہے، اسے کو قوی چاری نوحہ و ناموس کی دوا ہے، قوی تارے لئے سزا و جزا و جزا و جزا

ہے مایہا سندر ہے جس کا کوئی کنارہ نہیں، اگر میں اس کی شرح بیان کروں تو قیامت آ جائے گی لیکن یہ داستان ختم نہ ہوگی، کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی صفت ہے اور اللہ کی ذات و صفات لا محدود اور غیر قافی ہیں۔

شرح عشق ارمن گویم بر دوام	صد قیامت بگذرد و آں ناقص
زانکہ تاریخ قیامت را حد است	حد کجا آنجا کہ وصف این داستان

اس لیے مولانا فرماتے ہیں کہ محبت کی حق دار و سزاوار صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ قافی مخلوق محبت جیسی لافانی حقیقت کا مکمل کیسے بن سکتی ہے؟

عشق باقی و باقی م دار  
عشق بر مردہ باشد پانچیدار ۲

فرماتے ہیں لا الہ میں لائے نفی کی تلواریں سب ماسوائے اللہ کے گلے کاٹ ڈال، پھر اللہ کے مقام وحدت پر جو محبت کا حقیقی مقام ہے تو پہنچ جائے گا۔

تج لا در قتل غیر حق براند	در نگر زان پس کہ بعد از لا چه ماند
ماند الا اللہ باقی جملہ رفت	شاد باش اے عشق شرکت سوز رفت

مولانا فرماتے ہیں:

عشق آں شعلہ است کو چوں بر فروخت  
جس کا مطلب ہے:-

عشق کی آتش ہے ایسی بد بلا  
دے سوائے معشوق کے باقی سب کو جلا

مولانا کے معرفت و محبت سے متعلق کلام کا یہ محض تھوڑا سا نمونہ ہے، ورنہ یہ لسانِ دل تو انہوں نے پوری مثنوی میں چھیڑ رکھا ہے، آخر میں اس ”پیر رومی“ کے ہندی مرید علامہ اقبال مرحوم

۱۔ ترجمہ: اگر میں محبت کی داستان تمام بیان کرتا ہوں تو سوائے قیامت کے کز ہائے گی لیکن یہ قصہ تمام ہی ہے گناہ  
لے کے قیامت زان، گناہ کی حدود میں گمراہ ہے، لیکن محبت زان، گناہ کی حدود میں ہے۔

۲۔ ترجمہ: محبت اس ایستادہ ہے، دلی ساری احمقیت و دیوانہ وادی کا کات کو کھانے والی رات کے ساتھ کہ قافی مخلوقات سے محبت کو تمام باقی تمام نہیں۔

کے کلام شوق و محبت سے کچھ نمونہ ملاحظہ ہو، جو بڑے فخر سے اپنے آپ کو پیر روی کا سر یہ ہندی کہتے ہیں، مولانا کی پیر روی میں علامہ کا فارسی وارادہ کلام بھی شوق و محبت کی زحرہ سنجیوں سے لبریز ہے۔

مہبت کے لیے دل ڈھونڈ کوئی نونے والا	یہ وہ ہے جسے کہتے ہیں تڑک آگینوں میں
چھپایا حسن کو اپنے حکیم اللہ سے جس نے	وہی تاز آفریں ہے جلوہ چراغ نینوں میں
کسی ایسے شرر سے بھونک اپنے غریب دل کو	کہ خورشید قیامت بھی ہو حیرے خوش بچنوں میں
جلا سکتی ہے شمع کشید کو موج نفس ان کی	الہی کیا چھپا ہوتا ہے اہل دل کے سمونوں میں
کبھی اپنا بھی نگاہ کیا ہے تو نے اے بھٹوں؟	کہ لیلیٰ کی طرح تو خود بھی ہے محل نینوں میں

(ہامکدہ)

ہم خاکِ محسوس ہیں ساحل کے خریدار	ایک بحرِ بڑا شوبہ دہا اسرار ہے روی
تو بھی ہے اسی قافلہ شوق میں اقبال	جس قافلہ شوق کا سالار ہے روی
اس صحر کو بھی اس نے دیا ہے کوئی پیام	کہتے ہیں چراغِ رو احرار ہے روی

جواب

کہ دباہ خوردو جو بچو خزاں	آہوانہ درختن چہ ارغواں
کہ ہر گاہ و جو خورد قریاں شود	ہر کہ نور حق خورد قرآں شود

(الجرم - نظم چہ سہ سے ایک خط)

## (باب چہارم)

## اللہ والوں کے اثر انگیز واقعات و ارشادات

## دنیا سے دل نہ لگانا

حدیث شریف میں ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے اگر تمہیں ان باتوں کا علم ہوتا جن کا مجھے ہے تو تم تھوڑا بہتے اور زیادہ روتے اور تمہیں عورتوں کے ساتھ بستروں پر مزہ نہ آتا، اور تم خدا سے فریاد کرتے ہوئے راستوں پر نکل کھڑے ہوتے (اور جس کا ہر مزہ لذت گھبراہٹ کے مارے اسی طرف نکل کھڑا ہوتا۔

یعنی بزرگوارِ خیرت کے ایسے ہولناک احوال آگے آنے والے ہیں جو ہم سب کو روٹیں ہیں) عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں مجھے ہنسنے والے پر تعجب ہوتا ہے (کہ وہ کیونکر سرور و بے فکر ہے) حالانکہ اس کے سامنے موت ہے۔

خواجہ حسن بھری رحمہ اللہ کی یہ حالت تھی کہ ان کو جو کوئی دیکھتا یہ سمجھتا کہ ان پر کوئی تازہ مصیبت پڑی ہے کیونکہ وہ (ہر وقت) نہایت غمگین اور خائف رہتے تھے (قبر و آخرت کے احوال کے مراقبے سے)

ابنِ مرزوق رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جو شخص یہ دعویٰ کرے کہ وہ اپنے گناہوں پر رنجیدہ و غمگین ہوتا ہے اور اس کے باوجود وہ شہد اور سچائی سے روٹی کھاتا ہے تو وہ اپنے دعویٰ میں جھوٹا ہے (کیونکہ جس کے دل کو کچھ غم لگا ہو اس کو لذتوں سے لطف اندوز ہونے کا کیا موقع ہے)

عالمِ برحق فرماتے تھے جو دنیا میں زیادہ غصے کا وہ دوزخ میں زیادہ روئے گا۔  
خلیفہ راشد عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ چالیس برس تک نہیں بنے حتیٰ کہ اسی حالت میں ان کا انتقال ہو گیا۔

وہیپ بن النور فرماتے ہیں کہ اسراف سے خالی ہنسی وہ ہے جس سے صرف دانت کھل جائیں اور آواز سنائی نہ دے اور اسراف سے خالی لباس وہ ہے جس سے ستر چھپ جائے اور گرمی سردی سے بچاؤ ہو جائے اور اسراف سے خالی کھانا وہ ہے جس سے بھوک نہ لگ جائے اور پیٹ (پوری طرح) نہ بھرے۔

عبدالعزیز بن ابی داؤد رحمہ اللہ فرماتے ہیں جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں خوش حزامی نمودار ہوئی تو یہ آیت نازل ہوئی:

أَلَمْ يَأْنِ لِلَّذِينَ آمَنُوا أَنْ تَخْشَعَ قُلُوبُهُمْ لِذِكْرِ اللَّهِ (سورہ حٰجِدہ آیت ۱۶)

ترجمہ: کیا مسلمانوں کے لئے ابھی وہ وقت نہیں آیا کہ ان کے دل خدا کی یاد سے ڈر جائیں (ترجمہ)

اس کے بعد انہوں نے خوش طبعی ترک کر دی اور وہ ڈر گئے۔

حاصل ان باتوں کا یہ ہے کہ اللہ والوں اور غیر اللہ والوں میں یہ دو باتیں فرق اور امتیاز پیدا کرتی ہیں ایک آخرت کی طرف توجہ اور دہم آخرت کے ان مراحل و حالات کے لئے تیاری۔

ابو تراب بخشی رحمہ اللہ فرماتے تھے کہ جب آدمی گناہوں کے چھوڑنے کا پختہ ارادہ کر لیتا ہے تو حق تعالیٰ کی عدا سے ہر طرف سے ملتی ہے کہ وہ دل سیاہ ہو جانے کی تحن نکالیاں ہیں ایک یہ کہ گناہ سے گھبراہٹ نہ ہو دوسری یہ کہ اطاعت کی دل میں جگہ نہ ہو تیسری یہ کہ فصاحت دل میں اثر نہ کرے۔

ابو محمد مروزی رحمہ اللہ فرماتے تھے کہ اطمینان پانچ خصلتوں کی وجہ سے بد بخت ہوا ایک تو اس نے اپنے گناہ کا اقرار نہ کیا، دوسرے وہ اس پر نادم نہ ہوا، تیسرے اس نے اپنے اوپر ملامت نہ کی، چوتھے اس نے توبہ کی طرف سہقت نہ کی، پانچویں وہ خدا کی رحمت سے غامید ہو گیا۔

احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے تھے کہ کیا گناہگار کے لئے توبہ کا وقت ابھی تک نہیں آیا کیونکہ اس کا گناہ و رجسٹر میں درج ہے اور کل قبر میں وہ بے چین ہو گا اور اس کے سبب اسے دوزخ کی طرف بھیج کر لے جایا جائے گا۔



## حضرت ابن اسماک کے ارشادات

ابن اسماک رحمہ اللہ فرماتے تھے کہ اگر اللہ کی فرمانبرداری میں ان فائدوں کے سوا اور کوئی فائدہ نہ بھی ہوتا کہ فرمانبردار بندے کے منہ پر نور اور رونق ہوتی ہے، لوگوں کے دلوں میں اس کی محبت ہوتی ہے، اس کے اعضاء میں قوت ہوتی ہے اس کو اپنے نفس پر حدود و قصاص و تعزیر کا خطرہ نہیں ہوتا (یعنی بعض گناہوں کی دنیا کی عدالت میں ہی سزا مقرر ہے جیسے قتل کے گناہ میں قصاص، چوری کے گناہ میں ہاتھ کٹنا وغیرہ تو جو ان جرائم سے بچے گا وہ ان دنیوی سزائوں سے اپنے نفس کو محفوظ پائے گا) اور لوگوں کے مقابلے میں اس کی گواہی جائز رکھی جاتی ہے (اسلام میں قاسم کی ایک سزا دنیوی اعتبار سے یہ بھی ہے کہ اس کی گواہی قابل قبول نہیں ہوتی) تو یہ باتیں بھی گناہوں کے چھوڑنے کے لئے کافی تھیں (پھر جبکہ اطاعت و فرمانبرداری میں ان دنیوی فائدوں کے علاوہ قبر و آخرت کی زندگی میں نجات و جنت اور اللہ کے ہاں مقربیت وغیرہ جو ہمیشہ ہمیش کے انعامات ہیں وہ بھی ملیں گے تو پھر تو اور زیادہ شوق اللہ کی فرمانبرداری اور نیکوکاری والی زندگی اختیار کرنے کا ہونا چاہئے) اسی طرح اگر گناہ میں اس کے علاوہ اور کوئی خرابی نہ ہوتی کہ گناہ و ناجرمانی کی وجہ سے چہرہ بے نور و بدرق ہو جاتا ہے، دل میں غلٹ و تاریکی پیدا ہو جاتی ہے، اور گناہ کا تذکرہ لعنت و برائی کے ساتھ ہوتا ہے اور اس کی گواہی نامقبول و مردود ہوتی ہے (بہرحال قاسم ہونے کے) اور اس کو اپنے نفس پر حد، قصاص، تعزیر و سزا کا خطرہ ہوتا ہے (جو گناہ دنیوی قانون میں بھی جرم ہیں ان کے ارتکاب پر دنیوی قانون کی رو سے قید و بند، حد و تعزیر وغیرہ کی سزا پائے گا) تو یہ امور بھی گناہ چھوڑنے کے لئے کافی تھے (پھر جبکہ ان دنیوی قصاصات و ذراہوں کے علاوہ گناہ کی وجہ سے قبر و آخرت کا عذاب، اور پھانسی و پلاکت میں بھی مبتلا ہونا یقینی ہے تو پھر گناہوں کا چھوڑنا کس قدر ضروری ہو جاتا ہے)

## بشر حافی کی نصائح

بشر حافی رحمہ اللہ فرماتے تھے ایک زمانہ ہم نے دیکھا ہے کہ جب لوگ پہاڑوں جیسے اعمال صالحہ کرتے تھے پھر بھی مزید اعمال کرنے سے حوصلہ اور صبر نہ ہارتے اور سستی نہ دکھاتے (بلکہ جب تک جان میں جان ہوتی جان تو ذکر اعمال کرتے) اور ایک زمانہ ہم یہ دیکھ رہے ہیں کہ تمہارے پاس نیک اعمال بالکل نہیں مگر باوجود اس کے تم سست ہو اور اعمال میں کوشش نہیں کرتے، اللہ کی قسم ہمارے اقوال تو تبارک الدنیا لوگوں کے سے ہیں مگر ہمارے افعال و اعمال سرکشوں اور منافقوں کے سے ہیں۔

## حاتم اہم

حاتم اہم رحمہ اللہ فرماتے تھے کہ جب تو اپنے رب کی نافرمانی کرے اور تو دیکھے کہ اس نافرمانی کے باوجود بھی خدا کی نعمت تجھ پر خوب ہو رہی ہے (اور جاری و ساری ہے) تو اللہ کے اس برتاؤ سے ڈر کیونکہ یہ استدراج اور ڈھیل ہے (ڈھیل کی وجہ سے آدمی عموماً پوری طرح غافل ہو جاتا ہے اور مہرت نہیں پکڑتا نہ تو بہ کرتا ہے اسی حالت میں جب مرتا ہے تو یہ پوری بربادی والا ہے اس طرح ڈھیل یعنی استدراج نعمت نہیں بلکہ غضب والی چیز ہے اس سے ڈرنا چاہئے)

## ربیع بن ہشام کا ایک واقعہ

ربیع بن ہشام رحمہ اللہ جب معبد کے روز قربانی کرتے تو فرماتے کہ اے اللہ آپ کی عزت و جلال کی قسم اگر میں جانتا کہ اپنی جان قربان کرنے میں آپ کی رضا مندی ہے تو میں آپ کے لئے اپنی جان قربان کر دیتا۔

## مالک بن دینار

مالک بن دینار رحمہ اللہ نے مصر سے پیدل سفر کرنا اختیار کیا تو ان سے کہا گیا کہ آپ سوار کیوں نہیں ہوتے؟ آپ نے جواب دیا کہ کیا نافرمان اور بھاگا ہوا غلام اپنے آقا سے صلح کرنے کے لئے سوار ہو کر بھی جانا پہنچ کرے گا، بخدا اگر میں انگاروں پر چل کر کہ جاؤں تو یہ بھی کم ہے۔

## سفیان ثوری کا حال

ایک مرتبہ سفیان ثوری اس قدر روئے کہ بے ہوش ہو گئے، اس پر ایک غلام نے اس کا سبب پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ بھائی پہلے تو ہم اپنے گناہوں پر روتے تھے، اور اب ہم اسلام پر روتے ہیں، کہہ دیکھنا اسلام و ایمان بھی سلامت رہتا ہے یا نہیں؟ اور فرماتے تھے کہ بسا اوقات آدمی جہنم کی پرستش کرتا ہے، مگر اللہ کے علم میں وہ اہل سعادت میں سے ہوتا ہے، اور بسا اوقات آدمی حدود پر قطع ہوتا ہے مگر اللہ کے علم میں وہ اہل شقاوت میں سے ہوتا ہے، کیونکہ حدیث شریف میں وارد ہے کہ بعض آدمی جہنم کے لئے عمل کرتا ہے یہاں تک کہ اس میں اور جہنم میں ایک ہاتھ کا قاسم رہ جاتا ہے، مگر تقدیر الہی غالب آ جاتی ہے، اور وہ جہنم والے عمل چھوڑ کر دوزخیوں کے کام کرنے لگتا ہے، اور دوزخ میں چلا جاتا ہے (آگے حدیث میں اسی طرح برے عمل کرنے والے کے متعلق بھی ہے، کہ وہ آخر وقت میں جنتیوں والے اعمال کرنے لگتا ہے) یہ وہ بات ہے کہ جس سے عقلیں دنگ رہ جاتی ہیں۔

## حماد بن زید کی عاجزی

حماد بن زید رحمہ اللہ جب بیٹھے تو اکثر دوں بیٹھے، اور اچھی طرح نہ بیٹھتے، کسی نے اس کا سبب دریافت کیا، تو فرمایا کہ بھائی اطمینان کے ساتھ تو وہ شخص بیٹھ سکتا ہے، جو عذاب خداوندی سے بے خوف ہو، اور میں رات دن کسی بھی وقت اس سے بے خوف نہیں ہوں کہ مجھ پر

عذاب نازل ہو۔

## خاتم بن عبد الجلیل کا عجیب طریقہ

خاتم بن عبد الجلیل رحمہ اللہ کا معمول تھا کہ عید کے دن اپنے متعلقین کو جمع کرتے اور سب کے سب ایک جگہ جمع ہو کر روتے، کسی نے پوچھا کہ حضرت کیا بات ہے کہ دنیا عید کو خوش ہوتی ہے مگر آپ روتے ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ بھائی میں بندہ ہوں، جسے اللہ نے اطاعت کا حکم دیا اور نافرمانی سے منع کیا ہے، اور مجھے معلوم نہیں کہ میں نے اطاعت کرنے اور نافرمانی سے بچنے کا حق ادا کر دیا ہے یا نہیں، عید کی خوشی تو ان لوگوں کو زیادہ ہے جن کو عذاب کا کھٹکا نہیں رہا۔ ۱۔ پس اے بھائی! تو ان باتوں کو خوب سمجھ لے اور خبردار! جب تجھ سے گناہ کئے ہوئے ایک عرصہ ہو جائے تو اس وقت بھی تو استغفار میں سستی نہ کرنا کیونکہ تجھے گناہ کا تو یقین ہے اور معافی مانگنے میں شبہ لہذا جتنی چیز کو شبہ کی بناء پر نظر انداز کرنا صاف ہے اور رات دن استغفار کرتا رہ (الحق رحمہ اللہ) امام شعرانی رحمہ اللہ

## قیامت کے مناظر

قیامت کی ہولناکی کے مناظر قرآن مجید میں چار ہج مختلف جہانوں میں بیان ہوئے ہیں۔

سورہ مزمل میں ایک موقع پر قیامت کا حال یوں بیان فرمایا گیا ہے

فَكَيْفَ تَقْسِرُونَ اِنْ حَسَرْتُمْ سَوْسًا يَخْشَعُ الْوِلْدَانُ شِيبًا ۝ السَّمَاءُ  
مُتَقَطِّعَةٌ ۝ اَنْ تَخْلَعُوا مُتَقَعًا لَا (سورہ مزمل آیت ۱۸، ۱۹)

ترجمہ: سو اگر تم (رسول کے ذریعے ہدایت آپنے کے بعد بھی نافرمانی اور) کفر

کرو گے تو اس دن (یعنی قیامت کی ہولناکی) سے کیسے بچ سکو گے جو (اپنی

شدت اور طوالت کی وجہ سے) بچوں کو بوڑھا کر دے گا، جس میں آسمان پھٹ

۱۔ اس قسم کے احوال ان دو رنگوں پر ظہور حال کی وجہ سے جاری ہوتے تھے۔

جائے گا بے شک اس کا وعدہ پورا ہو کر رہے گا (ترجمہ ختم)

قرآن وحدیث کی ان خبروں کا ایک مسلمان پر کیا اثر ہونا چاہئے، وہ اللہ کے نیک بندوں کے ذیل کے احوال سے واضح ہے۔ اللہ کے نیک بندوں اور بزرگان دین کے حالات و واقعات پڑھنے اور سننے سے عبرت حاصل ہوتی ہے اور غفلت و خدا فراموشی اور قبر و آخرت سے بے لگاری والی حالت پر زور پڑتی ہے اور احساسِ زیاں پیدا ہوتا ہے بشرطیکہ دل بالکل مردہ نہ ہو چکا ہو، اللہ کرے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم، حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم، اولیاء کرام اور اللہ کے نیک بندوں کے عبرت و نصیحت سے لبریز حالات چن چن کر ہمارے دل کی دنیا بھی بدلے، ہم بلا تاخیر اپنی اصلاح پر کمر بستہ ہو جائیں، اللہ تعالیٰ کی تافرمانی اور دنیا میں اٹھناک و استغراق سے اپنے آپ کو نکالیں۔

حدیث شریف میں آیا ہے کہ آنحضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم (فداہابی و امی) نے فرمایا کہ اے صفیہ! محمد رسول اللہ کی بیوی اماءے قاطرہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی اتم خود اپنے کو آگ سے چھڑاؤ کیونکہ اللہ کے مقابلے میں میں تمہارے کسی کام نہیں آ سکتا (یہ الگ بات ہے کہ حق سبحانہ و تعالیٰ از خود میری نسبت سے تمہارے گناہ معاف کر دیں مگر یہ کوئی لازمی امر نہیں اس لئے اعمالِ صالحہ اور اپنی اصلاح کی فکر چھوڑ کر صرف اس پر بھروسہ نہیں کرنا چاہئے اور خود گناہوں سے بچنے بلکہ نیک اعمال کرنے کا اہتمام کرنا چاہئے)

ایک دفعہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیات پڑھیں۔

إِنِّ لَدَيْنَا كِتَابٌ لَّا تُغْنِي عَنْكَ غُلَّتُكَ وَأَعْيَانُكَ وَلَدُنَّا أَسْوَءُ مِنْ ذَلِكَ ۝۱۲ ۝۱۳

ترجمہ: بے شک ہمارے پاس کتابیں ہیں اور دوزخ ہے اور گلے میں پھنس جانے والا کھانا ہے اور دوزخ ناک عذاب ہے۔

اس وقت آپ کے قریب حمران بن امین تھے یہ سن کر ان کی روح پر ہذا زنگی لافوت ہو کر گر پڑے۔ تفسیر معارف القرآن میں اس آیت کے تحت مسند احمد و ابوداؤد وغیرہ کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ ایک شخص نے یہی (مذکورہ بالا) آیت سنی تو خوف سے بے ہوش ہو گیا اور حضرت خواجہ

حسن بصری رحمہ اللہ ایک دن روزہ سے تھے اظہار کے وقت کھانا سامنے آیا تو اس آیت کا دھیان آ گیا کھانا نہ کھا سکے اٹھو یا مانگے روزِ شام کو پھر ایسا ہی ہوا کھانا اٹھو یا، تیسرے روز پھر ایسا ہی ہوا تو ان کے صاحبزادے، حضرت ثابت بنانی رحمہ اللہ اور کچھ اور بزرگوں کے پاس گئے اور اپنے والد کا یہ ماجرا سنایا یہ بزرگ تشریف لائے اور حضرت حسن بصری رحمہ اللہ کو کھانے کا اصرار کرتے رہے تب آپ نے کچھ کھایا۔ ایک دفعہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سورۃ الزلزال التمس کورت پڑھ رہے تھے جب

وَإِذَا الصُّحُفُ نُشِرتُ (سورہ نکوہ آیت ۱۰)

(یعنی جس دن اعمال نامے نشر کئے جائیں گے)

پر پہنچے تو بے قرار ہو کر گر پڑے اور دیر تک زمین پر لوٹ پوٹ ہوتے رہے۔

## حسن بن صالح کا خوف و خشیت

حضرت ابو سلیمان دارانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے حسن بن صالح سے زیادہ خشوع و خضوع والا کوئی نہیں دیکھا۔ ایک رات وہ نماز پڑھنے (تہجد کی نماز) کھڑے ہوئے اور سورۃ ”عم یسراء لون“ شروع کی (اس سورۃ میں بھی قیامت کی ہولناکی اور جہنمیوں کے حالات کا ذکر ہے) اور کچھ سورۃ پڑھی کہ بے ہوش ہو گئے، جب ہوش آیا تو وضو کیا اور نماز شروع کی پھر یہی سورۃ پڑھنے لگے تو دوبارہ بے ہوش ہو گئے غرض صبح تک یوں ہی ہوتا رہا، سورت تمام نہ کر سکے۔

## داؤد طائی اور ربیع پر غشی طاری ہونا

ایک روز شیخ داؤد طائی رحمہ اللہ کا گزرا ایک عورت پر ہوا جہاں کسی عزیز کی قبر پر رو رہی تھی اور کہہ رہی تھی کہ کاش مجھے معلوم ہو جائے کہ تیرے کون سے دشمنوں میں کیڑے پڑ گئے یہ سن کر داؤد طائی بیہوش ہو گئے اور گر پڑے۔

حضرت رافع بن جہم رحمہ اللہ نے ایک پڑھنے والے کو (ایک روایت کی رو سے یہ پڑھنے والے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ تھے) یہ پڑھتے سنا:

إِذَا وَاتَّهَمُ بَيْنَ مَثَانٍ مُّجِيبٌ سَمِعُوا لَهَا تَغِيظًا وَزَيْفًا (سورہ فرقان آیت

سورہ ۱۱۲)

ترجمہ: جب وہ جہنمی دیکھیں اس جہنم کو دور سے ہی توئیں گے اس کی جھنجھلاہٹ اور چنگھاڑ کو (فیضانِ غضب سے جہنم آگ بگول ہو رہی ہوگی) تو بے ہوش ہو کر گر پڑے۔

## فضیل بن عیاض کے بیٹے کی فکر آخرت

حضرت فضیل بن عیاض رحمہ اللہ نے ایک دفعہ صبح کی نماز میں سورۃ یٰسین پڑھنی شروع کی جب اس آیت پر پہنچے:

إِنْ كُنْتُمْ إِلَّا ضِلَّةً وَاجِدَةً فَإِذَا هُمْ جَمِيعٌ لَّدَيْنَا مُحْضَرُونَ (سورہ

یسین آیت ۵۴)

ترجمہ: پس وہ (قیامت) ایک چنگھاڑ ہوگی پھر اسی دم وہ سب ہمارے پاس پکڑے (گرفتار شدہ) چلے آئیں گے۔

تو ان کے بیٹے علی رحمہ اللہ یہ آیت سن کر بے ہوش ہو کر گر پڑے اور طلوع آفتاب تک ہوش نہ آیا اور یہ علی رحمہ اللہ آخرت کی فکر میں ایسے ڈوبے ہوئے تھے کہ جب کوئی سورۃ پڑھنا چاہتے تو پورا نہ کر سکتے اور سورۃ الزلزال اور سورۃ القارعہ (جن میں قیامت کا مہرت آموز نقشہ کھینچا گیا ہے) تو سن ہی نہ سکتے۔

## حسن بصری کا تبصرہ

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے کہ پہلے وقت میں جب کوئی رات کو قرآن پڑھتا

تو صبح کے وقت لوگ اس کا اثر (یعنی شدتِ تغیر اور رنگ میں زردی چھا جانا، ڈبلا پن اور نر جھا جانا) اس کے چہرہ میں محسوس کرتے تھے اور اب یہ حالت ہو گئی ہے کہ جب کوئی رات کو پورا قرآن بھی پڑھتا ہے تو صبح کے وقت اس کے چہرہ پر اس کا کوئی اثر بھی نہیں دکھائی دیتا اور اس کا قرآن پڑھنا ایسا معمولی معلوم ہوتا ہے جیسے چادر اوڑھ لینا یا یہ تو بھر بھی قیمتِ قہار ہمارے زمانے میں رات کو چھبہ میں قرآن پڑھنا تو کمالِ فرضِ نماز ہی کی توفیق ہو جائے تو بڑی بات ہے ناقص)۔

## سلمان قاری کا غلبہ حال

میران بن مہران فرماتے ہیں کہ حضرت سلمان قاری رضی اللہ عنہ نے یہ آیت سنی:

وَأَنۢی جَهَنَّمَ لَمُؤۡبَدٌ لَّهُمۡۖ أَنۡجٰہِیۡنِ (سورہ صحر ایت نمبر ۴۳)

کہ بے شک جہنم ان (نافرمانوں) سب کا وعدہ ہے (اسی گھاٹ یہ سب اتارے جائیں گے) تو چیخ اٹھے اور ہاتھ سر پر رکھ لیا اور سر گھٹکتے دھیران اگل کھڑے ہوئے مایوس چلتے رہے۔ چنانچہ تین دن تک ان کو یہ نہ معلوم ہوتا تھا کہ وہ کس طرف پر، کس طرف جا رہے ہیں؟

## مرض و بیماری میں اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع و اتناہت

اللہ والوں کی عادت و حالت میں سے ایک یہ بھی ہے کہ جب کبھی وہ کسی مرض میں مبتلا ہو جائیں تو ان کے دل ان کے جسموں سے لاتعلقی ہو جاتے ہیں اور وہ جسم کی درنگی و صحت کی تدبیر اختیار کرنے کی بجائے آخرت کی درستی میں لگ جاتے ہیں اور جب اس کی یہ ہوتی ہے کہ ان کو یہ خیال ہوتا ہے کہ شاید اس مرض میں موت آ جائے اور ہم اسے معمولی مرض سمجھ کر بے فکر رہیں (اس طرح غفلت میں مارے جائیں) کہ نہ ہمیں تو یہ کی توفیق ہو اور نہ کامل ادا نیکی واجب حقوق کی ادا نیکی کر پائیں (حقوق العباد وغیرہ) اور نافرمانی کی حالت میں آخرت کو رواں نہ ہو جائیں۔



## حسان بن سنان کا واقعہ

ایک مرتبہ حضرت حسان بن سنان رحمہ اللہ بیمار ہوئے تو احباب عیادت کے لئے آپ کے پاس حاضر ہوئے اور حزاج پڑی کی تو آپ نے فرمایا کہ دوزخ سے بچ جاؤں تو حزاج اچھا ہے (دو نہ حزاج و زاج کچھ بھی نہیں)، پھر انہوں نے پوچھا کہ آپ کا جی کس بات کو چاہتا ہے؟ فرمایا کہ میرا جی چاہتا ہے کہ موت سے پہلے مجھے لمبی رات نصیب ہو جائے جس کو میں نماز و استغفار میں گزار دوں۔

## ربیع بن ثثم کا اور واقعہ

حضرت ربیع بن ثثم رحمہ اللہ کی مرضی موت میں ان سے کہا گیا کہ آپ کے لئے کوئی معالج، طبیب بلا لیں؟ یہ سن کر تھوڑی دیر خاموش رہے اس کے بعد فرمایا، کہاں ہے قوم صمود؟ کہاں ہے قوم عاد؟ کہاں ہیں اصحاب ابرس؟ اور کہاں ہیں ان کے درمیان کے بہت سے قرن (بہت سی قومیں) جن تعالیٰ نے ان سب کے لئے مثالیں بیان کی تھیں (عبرت و نصیحت پکڑنے کے لئے) ان کو بہت سے طریقوں سے سمجھا یا تھا (اور اسے امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لوگو! ہمیں سمجھانے میں کون سی کسر اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے چھوڑی ہے؟ تاقل) مگر نہ مانے۔

آخر انجام یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے ان سب کو ہلاک کر دیا باوجودیکہ ان میں علاج کرنے والے بھی تھے، طبیب بھی تھے، مگر کوئی ہلاکت سے نہ بچ سکا، یہ کہہ کر فرمایا اللہ کی قسم میں ہرگز اپنے لئے طبیب نہ بلاؤں گا۔

## عمر بن عبد العزیز اور خوف خدا

جب خلیفہ راشد حضرت عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ بیمار ہوئے تو لوگ ان کے علاج کے لئے

طیب کو لائے، طیب نے شخصیں و معائنہ کر کے کہا کہ اللہ تعالیٰ کے خوف نے ان کا کلیجہ کاٹ ڈالا ہے میں ان کا علاج نہیں کر سکتا۔

## ابوبکر بن عباس کی ایمانی حمیت

جب ابوبکر بن عباس رحمہ اللہ بیمار ہوئے تو ایک عیسائی طیب ان کو دیکھنے آیا اور آ کر نبض دیکھنی چاہی تو آپ نے اس کو ہاتھ نہ لگانے دیا جب وہ چلا گیا تو آپ نے یوں اپنے پیار سے رب سے مناجات کی کہ اللہ جب آپ نے مجھے اس طیب کے کفر والے مرض سے محفوظ رکھا ہے (ایمان کی دولت عطا فرمائی ہے) تو یہ میرے لئے کافی ہے اور اب مجھے کسی بیماری کی پروا نہیں آپ جو معاملہ میرے ساتھ چاہیں کریں (خواہ مجھے شفا دیں خواہ مرض بڑھائیں، خواہ موت دیں)

## ناواقف ہوں منزل سے

حضرت یحییٰ بن معاذ رحمہ اللہ فرماتے تھے کہ ہم نے ایک بار ایک بیمار کی عیادت کی اور اس کا حال پوچھا اس نے جواب دیا (میرا حال یہ ہے کہ) میں دنیا میں اپنی مرضی کے بغیر بھیجا گیا ہوں اور دنیا میں ظالم بن کر زندہ رہا (اللہ کی نافرمانی اپنی جان پر ظلم ہے) اب کچھ دے کی حالت میں دنیا سے جا رہا ہوں (جس کی یہ کچھ سوانح عمری ہو اس کا لوگوں کا کیا حال پوچھو؟)۔

مسافر ہوں کہاں جاتا ہے ناواقف ہوں منزل سے  
ازل سے پھرتے پھرتے گور تک پہنچا ہوں مشکل سے

## ایک نکتہ

بچہ پیدا ہوتا ہے تو وہ روتا ہے لیکن اس کے رشتہ دار گھر کے لوگ خوش ہوتے ہیں گویا کہ بچہ جس عالم سے دنیا میں آیا ہے یہاں آنے پر خوش نہیں پھر اگر وہ صالح اور ایمان والی زندگی گزار کر

دنیا سے جاتا ہے تو وہ موت کے وقت خوش ہوتا ہے (کہ اس آباویٰ نما و برائے سے دارالبقا و السرور کی طرف جا رہا) جبکہ اس کے لواحقین غزوہ پریشان ہوتے ہیں اور روتے ہیں، تو یہ آنے کے وقت خلاف مرضی دنیا میں جیسے جانے پر رو یا تھا اب من پسند جگہ جانے پر خوش ہو رہا ہے جس سے آنے کے وقت کے رونے کا بدلہ ہو گیا اور جو اس کے آنے پر خوش ہوئے تھے اب اس کے جانے پر رورہے ہیں، لیکن دنیا سے جانے کے وقت یہ خوشی اسی صورت میں نصیب ہوگی کہ جس طرح خلاف مرضی آیا تھا زندگی بھی اسی طرح خلاف مرضی گزارے یعنی زندگی گزارنے میں اپنی مرضی اور من مانی نہ چلائے بلکہ رب کی مرضی پر چلے خواہ طبیعت مانے یا نہ مانے۔ اسی مضمون کو کسی شاعر نے اس شعر میں پرویا ہے۔

آں یاد داری کہ وقت زانیدان تو ہم خداں شونہ تو گریاں

آں چناں زنی کہ وقت مردن تو ہمہ گریاں شونہ تو خداں

ترجمہ: تجھے کچھ یاد ہے کہ اپنی پیدائش کے وقت تُو رورہا تھا اور سب ہنس رہے تھے اب ایسی زندگی گزار کہ تیرے مرنے کے وقت لوگ رورہے ہوں اور تُو ہنس رہا ہو۔

شاہاںش بریں صحت مرد و ما

ایمان چوں سلامت طالب گور بریم

## کتاب و سنت کی اتباع کی اہمیت

سلف صالحین، اللہ والوں کے اخلاق میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وہ اس وقت تک کسی عمل یا قول کے اختیار کرنے پر جرأت نہیں کرتے جب تک کہ وہ اس کی حیثیت کو قرآن و سنت اور امت کے تعامل کی روشنی میں واضح طور پر سمجھ نہ لیں (یعنی ان دلائل شرع کی روش سے اس قول یا فعل کا جواز ثابت نہ ہو جائے) امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کسی کام کا ارادہ فرماتے اور اس کے کر گزرنے کا پختہ عزم کر لیتے پھر ان سے کوئی کہتا کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ خود ایسا کیا اور نہ دوسروں کو اس کا حکم دیا تو باوجود اس کام کے پختہ عزم

کر لینے کے اس عمل سے رک جاتے، ایک دفعہ آپ رضی اللہ عنہ کو اطلاع ہوئی کہ فلاں کپڑے بول عجاز سے رنگے جاتے ہیں (یعنی ایسے رنگ سے رنگے جاتے ہیں جس میں اونٹ کا پیٹاب بھی شامل کیا جاتا ہے) تو آپ نے ارادہ کیا کہ لوگوں کو ان کپڑوں کے استعمال سے منع کرنے کا حکم دیں، تو کسی نے آپ سے عرض کیا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا کپڑا خود بھی پہنا ہے اور آپ کے زمانے میں اوروں نے بھی ایسے کپڑے پہنے ہیں (جس سے معلوم ہوا کہ ان کپڑوں کا استعمال جائز ہے، اور مذکورہ بول عجاز والی بات یا تو ثابت نہیں تھی یا اس میں کوئی شرعی تاویل جاری ہوتی تھی) یہ سن کر آپ نے استغفار کیا اور اپنے ارادے سے باز آئے (یعنی بطور غلیظہ ان کپڑوں کے استعمال پر قانونی پابندی لگانے کے ارادے سے باز رہے)

### اپنا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کرنا

اللہ والوں کے اخلاق میں سے یہ بات بھی ہے کہ وہ لوگ اپنے اور اپنی اولاد و احباب کے معاملے کو بکثرت اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیتے تھے، ان کا اعتماد ہدایت کے معاملے میں خدا کے سوا کسی پر نہ ہوتا تھا وہ ہر معاملے میں اور ہر چیز کی طلب میں اللہ تعالیٰ پر نظر رکھتے تھے اور اس پر اعتماد سے غافل نہ ہوتے تھے (اور تدبیر کو تدبیر کی حد تک ہی رکھتے تھے)

### علم و عمل میں اخلاص

اللہ والوں کے اخلاق میں سے یہ بھی ہے کہ ان کے علم اور عمل میں اخلاص کی خوب کثرت ہوتی ہے اور وہ اپنے علم و عمل میں ریا کاری اور دکھلاوا کے آجانے سے بہت ڈرتے تھے، وہب بن منہ رحمہ اللہ فرماتے تھے کہ جو شخص آخرت کے اعمال کے ذریعے دنیا طلب کرتا ہے (ریا کاری کر کے یا دنیوی اغراض کو نیک اعمال سے مقصود بنا کر) خدا اس کے دل کو اوندھا کر دیتا ہے (جس کے نتیجے میں اس کی بصیرت، فراست اور فطرت کی سلامتی ختم

ہو جاتی ہے اور وہ جو بھی چیز سمجھتا ہے صحیح کی بجائے اُلٹا سمجھتا ہے اور دوزخیوں کی فہرست میں اس کا نام لکھ دیا جاتا ہے۔

## خواجہ حسن بھری کی باتیں

حضرت حسن بھری رحمہ اللہ کثرت سے اپنے نفس پر ان الفاظ سے قہر فرماتے تھے ”اے نفس تو باتیں تو نیکیوں، فرمانبرداروں اور عابدوں زاہدوں کی ہی کرتا ہے، مگر کام فاسقوں، منافقوں اور دیاکاروں کے سے کرتا ہے، تجھے لوگوں کا تو یہ طور طریقہ نہیں ہوتا“

(دوستو! یہ وہی حسن بھری رحمہ اللہ ہیں جو تابعین میں سے ہیں، صوفیاء کے سارے سلسلوں کے امام اور سرخیل ہیں۔ چشتی، قادری، نقشبندی، سہروردی وغیرہ۔ سلسلے اور ان کی ذات میں جا کر ملتے ہیں)

ایک مرتبہ نفس بن عبید رحمہ اللہ سے کسی نے پوچھا کہ آپ نے کوئی ایسا شخص دیکھا ہے جو حسن بھری کا سا عمل کرتا ہو تو انہوں نے جواب دیا کہ میں نے تو ایسا بھی نہیں دیکھا کہ جو ان کی ہی بات ہی کہتا ہو تو ایسا شخص کہاں سے دیکھ پاؤں گا جو ان کے سے کام کرتا ہو حسن بھری رحمہ اللہ کا وعظ اور نصیحت کی باتیں تو دلوں کو زلالتی تھیں دوسروں کا وعظ تو آنکھوں کو بھی نہیں نہلاتا۔

بچے بن معاذ رحمہ اللہ سے پوچھا گیا کہ آئی صاحب اخلاص کب بنتا ہے تو فرمایا کہ جب اس کی خلعت و طبیعت دودھ پینے والے بچے کی سی ہو جائے کہ اسے اس کی پرواہ نہ ہو کہ کون اس کی تعریف کرتا ہے اور کون نہ مت۔

## منافقت کو چھوڑنا اور اس سے بچنا

اللہ والوں کے اخلاق میں سے ایک خلق یہ بھی ہے کہ انکا ظاہر و باطن بالکل یکساں ہوتا ہے، اس وجہ سے ان میں سے کسی کا کوئی بھی عمل ایسا نہ ہوتا تھا جس کے سبب وہ کل قیامت کو رسوائی

کا سامنا کریں۔

حضرت فخر علیہ السلام نے حضرت عمر بن عبدالعزیز غلیظہ راشد رحمہ اللہ کو جو نصیحت اس وقت فرمائی تھی جب مدینہ شریف میں ان سے ملاقات ہوئی تھی وہ یہ تھی کہ عمر! خیر دار ایسا نہ کرنا کہ ظاہر میں تو تو خدا کا دوست ہو اور باطن میں خدا کا دشمن کیونکہ جس کی ظاہری اور پوشیدہ حالت یکساں نہ ہو وہ منافق ہے اور منافقین دوزخ کے سب سے نچلے درجہ میں ہوں گے یہ سن کر حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ اتنے روئے کہ انکی داڑھی تر ہتر ہو گئی۔ اور حدیث شریف میں وارد ہے کہ آخری زمانہ میں ایسے لوگ آئیں گے کہ جو دنیا کو آخرت والے اعمال کے ذریعہ سے کمائیں گے یہ لوگ نرمی میں بھیڑوں کی کھالیں پہنے ہوئے ہوں گے (یعنی بظاہر اتنے نرم ہو ہوں گے جیسے بھیڑیں شکل و صورت میں غریب مسکین ہوتی ہیں) ان کی زبانیں شہد سے زیادہ میٹھی ہوں گی اور ان کے دل بھیڑیوں کے دلوں کے مانند ہوں گے (یعنی اپنی اصلیت و جبلت کے لحاظ سے پورے درندے ہونگے جہاں تک بس چلے اور موقع ملے تو نہ خدا کا خوف کریں نہ کسی مخلوق کی ضرورت کریں)۔

زیر بن محام رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ تم اپنے نیک اعمال کا بھی ایسا ہی پوشیدہ ذخیرہ کرو جس طرح تمہارے پاس نہ کے کاموں، گناہوں کا مخفی ذخیرہ ہے (یعنی اپنے نہ کے کثرت اور بد عملیوں کو پوری طرح چھپا کے رکھتے ہو لوگوں کے سامنے ظاہر نہیں ہونے دیجے تو نیک اعمال کی کیوں لوگوں کے سامنے نہ لکھ کر آتے ہو)۔

## غیرتِ اسلامی

اللہ والوں کے اخلاق میں سے یہ بھی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کے دین کے حکموں میں سے کسی حکم کی تنقیر کی جائے تو اللہ تعالیٰ کی محبت اور شریعت کی حمایت کی وجہ سے وہ جوش و غیرت میں آتے ہیں اسی وجہ سے وہ کوئی کام جو کرتے ہیں یا کسی سے صحبت و تعلق جو اختیار کرتے ہیں تو اسی

صورت میں جبکہ اس عمل میں خدا کی رضا ہو، اس لئے وہ کسی دنیوی غرض سے نہ کسی سے محبت رکھتے ہیں نہ عداوت، دشمنی کیونکہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ محض خدا کے لئے محبت اور خدا ہی کے لئے عداوت (یعنی الحب لله والبغض لله) ایمان کے دو مضبوط ستون ہیں۔

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے تھے کہ جو آدمی یہ دعویٰ کرتا ہو کہ وہ دوسرے سے اللہ ہی کے لئے محبت کرتا ہے اور خدا کی نافرمانی کے وقت اس دوسرے پر تکبر و ناپسندیدگی نہیں دکھاتا، تو وہ اس دعوے میں جھوٹا ہے کہ وہ اس سے اللہ ہی کے لئے محبت رکھتا ہے۔

## گھر والوں سے خُسنِ سلوک

اللہ والوں کے اخلاق میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وہ اپنی بیویوں کی طرف سے بچنے والی ایذا و تکلیف پر صبر کرتے اور سمجھتے ہیں کہ ان کی بیویوں سے جس قدر مخالفتیں سرزد ہوتی ہیں وہ بدل ہوتی ہیں خدا کے ساتھ ان کے معاملہ کی۔

حضرت خاتم امم رحمہ اللہ اپنے گھر میں یوں رہتے تھے جیسے جانور بندھا ہوا ہو (کہ وہ بے اختیار رہتا ہے) اگر کسی نے کچھ آگے رکھ لیا تو کھالیا اور نہ خاموش بھوکے رہتے۔

حضرت شفیق بکلی رحمہ اللہ اپنی بیوی سے کہتے تھے کہ اگر سارے بیٹے والے میرے ساتھ ہوں (یعنی دنیا جہاں کے لوگ میرے موافق و معتقد ہوں) اور ایک تو میرے خلاف ہوتو میں اپنے ہی کو نہیں بچا سکتا (اسی لئے حدیث شریف میں شوہر کی اطاعت گزار اور وفا شعار بیوی کو دنیا کی بڑی نعمت فرمایا گیا ہے، گھر سے آدمی آسودہ حال ہو تو وہ بادشاہ ہوتا ہے، خواہ باہر فقیر ہی ہو)

## تہجد پر مداومت و پیچنگی

اللہ والوں کے اخلاق میں یہ بات بھی ہمیشہ شامل رہی ہے کہ وہ گرمی ہو یا سردی ہر حال میں قیام اللیل (رات کی عبادت) کو معمول بنائے رکھتے ہیں، حدیث شریف میں ہے کہ تم قیام

اللہ کا التزام کرو کیونکہ اس میں بہت سے فائدے ہیں ایک یہ کہ وہ تم سے پہلے کے لوگوں کی سنت ہے، دوسرے یہ کہ وہ اللہ کی قربت حاصل ہونے کا ذریعہ ہے، تیسرے یہ کہ اس سے گناہوں کا کفارہ ہو جاتا ہے، چوتھے یہ کہ وہ گناہوں سے روکتا ہے۔ پانچویں یہ کہ وہ جسم کی بیماری کو دفع کرتا ہے۔

شب کے میدان کارزار میں متصلے کے پیٹھ کے ان شمسواروں میں سے ایک شیخ محمد بن عثمان علیہ الرحمہ بھی تھے جن کا معمول ہر شب پانچ سو رکعت پڑھنے کا تھا۔ عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا معمول تھا کہ وہ رات کو اٹھتے اپنے خادم و شاگرد حضرت نافع سے پوچھتے، نافع کیا صبح ہوگئی؟ وہ فرماتے کہ نہیں اس پر آپ نماز پڑھنے کھڑے ہو جاتے، اور جب نماز سے فارغ ہو جاتے تو پھر پوچھتے نافع کیا صبح (قریب) ہوگئی؟ وہ جواب دیتے کہ جی ہاں، تب آپ بیٹھ کر استغفار کرتے رہتے یہاں تک کہ فجر ہو جاتی (پھر آپ نماز پڑھتے)

سلف صالحین کی یہ حالت تھی کہ جو شخص تہجد نہ پڑھتا اس کو صورت و کچھ کر پہچان لیتے اور فرماتے میاں! ہم نے رات کو تمہیں خدا تعالیٰ کے دربار میں نہیں دیکھا جبکہ فلاں فلاں موجود تھے اور ان کو انعام دیتے۔ عبدالعزیز بن ابی داؤد علیہ الرحمہ کے لئے بستر بچھایا جاتا تو وہ اس پر ہاتھ رکھتے اور فرماتے کہ اے بستر! تو بہت نرم ہے مگر میاں! جنت کے بستر تھ سے زیادہ نرم ہیں (تھ پر سو کر میں ان سے محروم نہیں ہونا چاہتا) یہ کہہ کر نماز پڑھنے کھڑے ہو جاتے اور صبح تک نماز پڑھتے رہتے۔

اللہ کی نیک بندی حضرت رابعہ رضی اللہ عنہ کا معمول تھا کہ رات کو وضو کرتیں اور بدن پر خوشبو لگاتیں، پھر اپنے شوہر سے پوچھتیں کہ آپ کو میری ضرورت ہے اگر وہ کہہ دیتے کہ نہیں تو پھر صبح تک نماز میں کھڑی رہتیں اور فرماتیں کہ اے اللہ! لوگ سو گئے، ستارے بچھ گئے اور شاہان دنیا نے اپنے دروازے بند کر لئے مگر ایک آپ کا دروازہ ہے کہ بند نہیں ہوتا پس آپ مجھے معاف فرما دیجئے، پھر نماز کے لئے قدم برابر کرتیں اور فرماتیں کہ آپ کی عزت و



جلال کی قسم، جب تک میں زندہ رہوں گی ہر شب صبح تک آپ کے سامنے یوں ہی کھڑی رہوں گی۔

ابوالجوریہ رحمہ اللہ فرماتے تھے کہ میں چھ مہینے تک حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے ساتھ اس طرح رہا کہ ایک دن کو بھی جدا نہیں ہوا مگر میں نے اس عرصہ میں نہیں دیکھا کہ کسی رات انہوں نے زمین سے پیٹھ لگائی ہو، حضرت سفیان ثوری رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں نے نہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ سے زیادہ عبادت کرنے والا دیکھا ہے اور نہ ان سے زیادہ زاہد و نیا سے بے رغبت کوئی دیکھا ہے اور نہ ان سے زیادہ پرہیزگار دیکھا ہے۔

اللھم ارحم علیہم وارزقنا اتباعہم

عطا ہو، ارہمی ہو، رازی ہو کہ غرض الیٰ

کچھ ہاتھ آتا نہیں ہے آؤ مہر گاہی

## علامہ اقبال اور شب زندہ داری

دستانی ہوا میں گر چہ تھی شمشیر کی تیزی      نہ چھوٹے مجھ سے لندن میں بھی آداب سحر خیزی

خیر نہ کر سکا مجھے جلوۂ دانش فرنگ      سرمہ ہے میری آنکھ کا خاک بدینہ و نجف

وہ آنکھ کہ ہے سرمہ افرنگ سے روشن      پرکار و سخن ساز ہے نناک نہیں ہے

جوانوں کو میری آؤ و سروے      پھر ان شاہین بچوں کو بال و پردے

تری دنیا جہاں مرغِ دما سی      مری دنیا افغان صبح گاہی

عطا اسلاف کا جذبِ دروں کر      شریکِ زمرہ لاسخروں کر

خرد کی گتھیاں سلجھا چکا میں      سرمہ چلی مجھے صابِ جنوں کر

(اس باب کے بیشتر اقتعات فتح محمد ابوابِ شعریٰ کی ”صیبا معزین“ سے ماخوذ ہیں)

(ضمیمہ)

## راہِ تصوف کی لغزشیں اور ان کا حل

فوائد القواد میں ہے کہ سالک وہ ہے کہ راہ چلے (احکام شرع بجالائے، کسی قبیح سنت بزرگ سے بچت ہے تو اس کی نگرانی و رہنمائی میں تجویز شدہ اعمال شرع بجالائے، ممنوعات و منہیات شرمیہ سے بچے، اپنے نفس کا محاسبہ کرتا رہے اور اس پر قابو رکھے) ۱۔

اور واقف وہ ہے جو بیچ میں انک جائے (رک جائے، اعمال میں کوتاہی کرنے لگے، یا بالکل غفلت اور بے عملی یا بے عملی اختیار کر لے) پس جب سالک عبادت میں کوتاہی کرتا ہے اگر جلدی سے توبہ استغفار کر کے بدستور پھر سرگرم ہو گیا تو پھر سالک بن جائے گا اور خدا خواستہ اگر وہی غفلت رہی تو اندر بیٹہ ہے کہ کہیں رابع یعنی واپس نہ ہو جائے (جو کچھ اعمال و اشغال اور عبادت وغیرہ سے آپ تک حاصل کیا ہے وہ بھی نہ چھن جائے اپنی بے عملی کی غصہ سے) لہذا مایا اس راہ (تصوف کے راستے سے خدا پرستی کے مرتلے سر کرنے) کی لغزش کے سات درجے ہیں:

(۱)۔ اعراض (۲)۔ حجاب (۳)۔ تقاصیل (۴)۔ سلب مزید

۱۔ فوائد القواد سلطان الدیوب حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء برصاۃ (پیدائشی 27 ستمبر 626ھ = 1247ء وفات 717ھ کے قریب) کے خطوط وارشادات کا مجموعہ ہے، مرتب کنندہ آپ کے خاص اکناس مرید میر حسن علی بکری علیہ السلام کے خطوط کے ذریعہ بھی آپ کے خلفاء نے مرتب کیے، خطا آپ کے خلیفہ خاص امیر خسرو نے مانتہ ائین کے نام سے دائر افضل القواد کے نام سے دو دانگ ایک مجموعہ مرتب کیے، لیکن فوائد القواد کو سب سے زیادہ مقبولیت حاصل ہوئی، اہل تصوف نے اسے سلسلہ چشتیہ کے نظام تصوف کا مکمل دستور مکمل قرار دیا ہے، یعنی اس کا نظام و نظام میں خواجہ امیر خسرو سے متعلق ہے کہ کاش میری تمام تصانیف میں کے نام سے ہوتی، اور یہ فوائد القواد صرف میرے نام سے ہوتی، یہ مجموعہ پانچ حصوں میں منقسم ہے، پہلے حصہ میں شعبان 707 تا 708 تک کی مجلسوں کا ذکر ہے، حصہ دوم میں شوال 709 سے شوال 712 تک کی 37 مجلسوں کا ذکر ہے، حصہ سوم میں ذی القعدہ 712 تا ذی الحجہ 713 تک کی 15 مجلسوں کا بیان ہے، حصہ چہارم میں محرم 714 تا ربیع 719 تک کی 62 مجلسوں کا ذکر ہے، حصہ پنجم میں شعبان 719 تا ربیع 732 تک کی 32 مجلسوں کا بیان ہے۔

اس طرح درمیان افقوں کے ساتھ یہ مجموعہ 15 سال کی 179 مجلسوں کے ارشادات کا مجموعہ ہے۔

(۵)..... سلب قدیم (۶)..... تسلی (۷)..... عداوت

اول امراض ہوتا ہے (اعمال و اشغال میں سستی، کوتاہی، مرشد سے مستقل و باضابطہ رابطہ و تعلق اور اصلاح لینے میں غفلت و انحراف)، اگر معذرت تو یہ نہ کی (مذکورہ امراض و انحراف سے باز نہ آیا) تو حجاب ہو گیا (دل پر پردہ و ظہار آ کر اوپر سے رابطہ منقطع یا کمزور ہو گیا، اعمال کی برکت اور مرشد کی توجہ سے دل پر جو روشنی، روحانی سکون اور ایمانی کیفیات و مٹھاس کا فیض نشر ہوتا تھا وہ پردے میں ہو گیا)۔ اگر پھر اصرار رہا (حجاب ہونے پر بھی چوکنہ اور فکر مند ہو کر اعمال و اصلاح میں مشغول نہ ہوا) تو مفاصل ہو گیا۔ اگر اب بھی استغفار نہ کیا تو عبادت میں جو ایک زائد کیفیت ذوق و شوق کی تھی وہ سلب ہو گئی، اس کو سلب مزید کہتے ہیں۔ اگر اب بھی اپنی بے ہودگی نہ چھوڑی تو جو راحت و عداوت (ایمانی مٹھاس اور روحانی سکون) کہ زیادتی (روز افزوں و ذوق و شوق) سے قبل اصل عبادت میں تھی وہ بھی سلب ہو گئی، اس کو سلب قدیم کہتے ہیں۔ اگر اس پر بھی توبہ میں تقصیر (سستی و لا پرواہی) کی تو جدائی (اللہ سے دوری، قربت حق سے محرومی) کو دل گوارا کرنے لگا یہ تسلی ہے (یعنی احساسِ نریاں بھی مٹ گیا، قربت حق کی اتنی بلندی تک جانے کے بعد محروم ہونے اور واپس آنے پر پیشانی اور فکر مندی کے جذبات و احساسات سے بھی عاری ہو گیا) اگر اب بھی وہی غفلت رہی تو محبت، عداوت (نفرت و دشمنی) سے بدل جائے گی۔ اس درجے پر گر کر اور گہر کر اللہ و رسول سے، اللہ والوں سے، اللہ کے احکام سے ایک چڑ اور ناگواری ہی ہونے لگتی ہے، اور جتنا دل پہ رنگ چڑھتا اور بڑھتا ہے اپنی اس ناگواری اور وحشت پر وہ عمل درآئد بھی کرنے لگتا ہے۔ دین وائل دین کو، دین کے شعائر و نشانات کو وہ نقصان پہنچانے، مٹانے اور بدنام کرنے کے درپے ہو جاتا ہے۔

خانہ تلاشی اسرچنگ پوائنٹ (Searching Point)

معاشرے اور سوسائٹی کا ہم سردے کریں، لوگوں کے اور گردہوں و جماعتوں کے احوال و

احمال ان کے طور طریقوں اور چلن و مزاج کو ہم صوفیاء کے طویل تجربات سے جو بڑا داخلہ کر رہے  
 مذکورہ بالا حضرات کیساتھ درجوں کی کسوٹی پر پرکھیں اور جائزہ لیں تو اچھے نردوں میں ترقی و  
 تہذیب کے ان درجات کی تصدیق ہوتی ہے، اچھائی میں آگے بڑھنے والوں میں سے کسی کو  
 کبھی دیکھا جاتا ہے کہ وہ برائی کے کپ میں کھڑا ہے، اور اس میں دن بدن آگے بڑھتا جا رہا  
 ہے، خواہ مخواہ ہری وجوہات اس کی سیاسی ہوں یا معاشی ہوں، معاشرتی ہوں یا اخلاقی ہوں  
 لیکن اندر سے معاملہ کی جو کچھ نوعیت اور حقیقت ہوتی ہے اس کے ڈاٹے ہمارے ایمان و  
 یقین اور اللہ و رسول ﷺ کے ساتھ ہمارے تعلق کی کمی نشی سے ملے ہیں۔

بندہ سمجھتا ہے کہ حضرات مشائخ، صوفیاء کا جو بڑا داخلہ کر رہے ہیں وہ نہ صرف تصوف کے راستے  
 سے خدا پرستی کی راہوں پر چلنے والوں تک محدود اور ان کے ساتھ مخصوص نہیں، اگرچہ مشائخ  
 نے مصوفین اور مریدوں کی تربیت و رہنمائی کے لئے یہ اصول وضع کئے تھے لیکن اپنی مومنت  
 میں یہ ہرگز کو مسلمان پر صادق آتے اور منطبق ہوتے ہیں۔ اگر آپ چاہیں تو شریعت کے  
 اصل ماخذ سے اس پر رد فرمائیے۔

(۱)..... ابلیس شیطان لعین، قربت الہی میں عروج کے مدارج پر بہت آگے تک گیا۔ پھر تخلیق  
 آدم (علیہ اہل نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام) کے مرحلے میں آ کر اس نے حنری کا سفر بلکہ  
 مردودیت کی قلابازیاں کھانا شروع کیں تو آنا ٹانا کن پستیوں میں گرا۔ حنری کے مذکورہ  
 سات درجے تقبی جلدی اس نے پیچھے چھوڑ کر اتھاہ پستیوں میں جا کر دم لیا۔ اپنی حنری کی یہی  
 تاریخ اور ہسٹری وہ آدم کی اولاد میں سے ایک ایک پر دو ہرانا چاہتا ہے جیسا کہ اس نے اول  
 دن ہی اپنے اس عزم کا اظہار کر لیا تھا اور اس کو پورا کرنے کے لئے سہلت طلب کی تھی، تو  
 اسے آدم کے بیٹے اور بیٹوں! کیا ہماری زندگی اتنی ہی بے وقعت اور کم قیمت ہے کہ یہ شیطان کی  
 ہسٹری اور تاریخ دہرانے جو گئے ہو۔ آدم کی ہسٹری اور تاریخ کیوں نہ دہرائی جائے جن  
 سے لعنہ ہوئی تو پسا ہونے کی بجائے اور مزید پستیوں میں گرنے کی بجائے انہوں نے  
 بلند یوں کی طرف دیکھنا اور رونما شروع کیا۔ بلند یوں والے رب کو پورے دل و جان سے



(”ختمہ مک“)

## اپنے بزرگوں کی وفات پر منظوم تاثرات

کفن کس پھول کا دیں اُس سراپا ناز کو یا رو

(راقم کے مرشد حضرت نواب محمد حضرت شیخان صاحب قیصر دہلوی کی جدائی پر)

قہائے نور میں جگ کر، سراپا راج اب ہو کر	چلے ہیں جاہل عقیقی ہمارے حضرت قیصر
جو صومالین پہ چڑھانے بھری کے سائوں تک ۱	ہوا گل وہ چراغ دیں دھیر کی شب آخر
لئے سوغات زہد و طاعت و تقدیس کی حضرت	گیا شاداں و فرحاں اور جا پہنچا در دلیر
یہ کیسا سانحہ ہے، حزن کی کہی گزری آئی؟	اور اسی چھا گئی ہے ہر در و درار کے اوپر
حرام دین و افلک لٹ گئی اہل نظر گریاں	بھگی ہے باقی صف در ہے عراب اور خیر
فکر کی سلطنت کے تاجور اتیری جدائی پر	فسردہ ہیں جہاں ہمہ در گریاں حضرت قیصر ج
کفن کس پھول کا دیں اُس سراپا ناز کو یا رو	کہ موسم ہو گیا پت ہلڑ زمانہ ہے غریب مظهر
مٹاں ہیں معرقتی نقی ج فطری نسبت سے	زباں تھی اس سیمیا ج دم کی کیا تقسیم کیا کوثر

جدید وقت تھا فطری دور اس بھی تھا آئندہ

شریعت کا طریقہ آدھیت کا بھی ہو کر

۱۔ یہ انشورہ ۱۳۳۸ھ وفات مرتضیٰ آیات (۱۳۳۲ھ بمطابق 31 دسمبر 2011ء۔)

۲۔ اسلام آباد میں آپ کے ولادت کو دو کی طرف اشارہ ہے جس پر قیصر کی گئی تھی کوئی ہے۔

۳۔ آپ کے مرحوم اہل حضرت سیدنا خلیفہ محمد چشتی دہلوی (وفات ۱۳۲۲ھ یا 1991ء) مرحوم ہیں، جو کہ حضرت نجیم الامت کے تلامذہ تھے۔

۴۔ آپ کے مرحوم جدائی حضرت مولانا شیخ الحداد صاحب جلال آبادی دہلوی (وفات ۱۳۴۳ھ یا نومبر 1992ء) کی طرف اذیت اشارہ ہے، جو کہ حضرت نجیم الامت قنوی دہلوی کے تلامذہ تھے۔

## پھر وہ رخصتِ سفر باندھ کے عقبی کے سفر پہ گئے

(والد مرحوم کی وفات کے بعد ان کی قرینہ کللی ماضی پر بدھ غم، وفات ۱۴/۴/۱۳۰۳ھ بروز جمعرات)

غون رو آج چشمِ آنسو بار	سانے یک صدی عہد کا مزار
کیسے رخصت کیا ہے مت پوچھو	دل شکست، اٹھائے غم کے بار
آہ سینے میں گونجتی ہی رہی	اتک پہتے رہے قطار قطار
رنگ سب ان سے تھے نکال دیں میں	اب نہیں وہ، اداس ہیں کسار
ایک جدائی بدل گئی سب کچھ	روشنی زیت، رنگ لیل و نہار
جود و صبر و رضا کے پیکر وہ	جن سے روشن رہے زمان و دیار
کس پہ کس پہ نہ ان کا احساں تھا	کس پہ کس پہ رہا نہ ان کا پیار
دشمنی تو نفس و شیطان سے	ان پہ کرتے رہے وہ دار پہ دار
چشمِ علم و فیض سے ان کے	کتنے صحرا ہو گئے گل و گلزار
کل حکم جن کے لمس ملتے تھے	آج وہ بس گئے افق کے پار
سورج ابھرا پٹھان کوٹ سے جو	جس سے روشن ہے قلب کا ہر تار
ضوفاں کر کے اک زمانے کو	آج ڈوبا بھلب پٹھوہار
اچھڑیاں کی فضا میں روتی ہیں	سو گئے وہ تو جا کے سرن کنار
کتنے دیوبند کے مد و انجم	زیرِ فرشِ کھل دفن ہیں یار
حکمرِ ربی کہ یہ بھی نعمت ہے	مل گیا ان کو اُن بڑوں کا جوار

اب تو احمد ہیں دل غم ہے

جانے آئے گا کب جگر کو قرار

## رثاء الشیخ

(بندہ کے استاد و شفیع شیخ الحدیث کا ری سعید الرحمن رحمہ اللہ کی جدائی پر، وفات جولائی ۲۰۰۹ء)

پچھا رہے ہیں تیگی کے سطلے	بڑا رہے ہیں غفلتوں کے سطلے
اندھیاریوں کا چلن بڑھنے لگا	ظلمہ رعبی ہیں حق و صدق کی مشعلیں
مسند رشد و حدیث وہاں ہے بھر	شیخ مسند سوئے عقبنی ہیں چلے
فتنہ کار وہاں سوئے بھڑکی رواں	لہو شیخ پر دیپ عقیدت کے چلے
دیسوں سال جن کے دم سے گونجے	منبر و محراب سے حق کے غلغلے
زندگی تھی خدمت دین کے لئے	خون دل دے کے ہم سر کر چلے
بزم ہستی، رنگدہر ہے، بے ثبات	الوداع! ہم اپنے اصلی گھر چلے
اکھیر نکل ہجر سے مضمحل	آشیاں ہو غلغلہ میں جب انجم لے

صاحبِ فیہی کے رحلت کا سن

هُوَ سَعِيدٌ ذَاهِبٌ إِلَى الْجَنَّةِ طُوبَى لَهُ

۱۳۳۰ ۷۰۸ ۳۱ ۲۸۳ ۱۸ ۲۵

۱۳۳۰ھ

۱۵ آپ مولانا فتح محمد پٹاوی مولانا سرگاز خان مجدد (گورنمنٹ) کے طالب علم تھے، شیخ الحدیث مولانا عبدالرحمن کمال پوری رحمہ اللہ (خلیفہ حضرت قاضی رحمہ اللہ) کے صاحبزادے بن جائیں گے، پھر مولانا سعید مولانا راولپنڈی کے اہل و عیال بن گئے۔



## قطرات اشک

AF-1570

(مرحوم ثانی مولانا ذاکر تنویر احمد خان کی جدائی پر، وفات نومبر ۲۰۱۲ء)

بچا فلک تک جڑ شب گیر بھی	رحمت پہ کس کی سب ہوئے دگیر بھی
بے سود تھا ہر چارہ ہر تہہ بھی	تکا لٹنی ہے کاپ تقدیر بھی
صدے سے قہر کے ابھی نکلے نہ تھے	کہ روٹھ ہی گئے ذاکر تنویر بھی
عکس کے تھے وہ قلب ہر بھی نگر	کرتے رہے انذار بھی تعمیر بھی
نکاح ہاں تھیں ان کی مجلسیں	گماں وہ کرتے قلب کو بے تیر بھی
قہر تھے گو شانِ جمال کا ظہور	شانِ جمال کے یہ تھے تصویر بھی
سرشار تھے سچ ازل کے مہر سے	کرتے کتاب دل کی وہ تعمیر بھی
قلب و نظر والے تھے وہ ان کے حضور	بے کار تھی، قریر بھی، تقریر بھی
دیدار سے جن کی ہوں آساں مشکیں	منزل کا وہ پتا بھی تھے، تعمیر بھی
کیسے ہوں طے اصلاح کے اب مرطے	اتھرتے دلوں تو تھے، وہ بحر بھی

## (مدحتِ عشرت بموقع اشاعت کتاب ”حالاتِ عشرت“)

گلابِ ناب سے دھونے کی حاجت ہے	زبانِ دژمن کو سوزائے مدحت ہے
منور ہو جو جاں تو دلِ مطہر ہو	جنیدِ وقت سے جس کو بھی نسبت ہے
وہ اہم طریقت کا جو قہر ہے	ہمارا ہی رہر شدہاں وہ عشرت ہے
ہے اتھ، غفلت درگاہِ عشرت سے	تعلق آپ سے، یہ رب کی رحمت ہے

توفی مسلما و الحفی بالصلحین

محمد امجد حسین۔ 11/ مئی/ 1437ھ 24/ نومبر/ 2015ء، ادارہ غفران، راولپنڈی